# اِس شمارے میں




پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر [illegible] ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر ماہنامہ آنچل 7 [illegible] عبداللہ ہارون روڈ کراچی


سرورق: کنول ...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: امجد صدیقی

**مستقل سلسلے**




خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبر 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 [illegible] info@aanchal.com.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**حدیث نبوی ﷺ**

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار چیزیں ایسی ہیں جسے میسر آگئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہوگئی۔ (۱) شکر گزار دل (۲) خدا کو یاد کرنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) ایسی بیوی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیانت نہیں کرتی۔" (بیہقی، مشکوٰۃ)

# سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اکتوبر ۲۰۱۱ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

عزیز بہنو! آج میں بطور مدیرہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یوں تو اپنی بڑی بہن فرحت آرا کے ساتھ آنچل سنوارنے سجانے میں گزشتہ بارہ سال سے شریک رہی ہوں اور بہن فرحت کے ہم سے جدا ہونے کے بعد بھی میں ہی آنچل کے لیے کہانیوں کا انتخاب کرتی رہی ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ فروری ۲۰۱۱ء سے میرے ساتھ نوجوان باصلاحیت مصنفہ سباحت عاصم، جویریہ اور روبین میری معاونت کے لیے ادارے نے مجھے فراہم کر دی ہیں جس سے میرا بوجھ بڑی حد تک کم ہو گیا ہے۔ یہ تینوں بچیاں بہت باصلاحیت اور ہنرمند ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم سب مل کر آپ کے اس ماہنامہ آنچل کو آپ کی پسند اور معیار کے مطابق حسب سابق پیش کرتی رہیں گی۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ ہماری رہنمائی کے لیے اپنی مفید آرا سے ہمیں آگاہ کرتی رہیں گی۔ امید ہے کہ آپ اپنا تعاون ہمیشہ کی طرح قائم رکھیں گی۔ ہمیں ہماری غلطیوں پر ٹوکتی اور ہوشیار کرتی رہیں گی۔

اب کچھ بات موسم اور حالات کی ہو جائے۔ ہماری اپنی غلطیوں اور نادانیوں کے باعث باران رحمت زحمت بن گئی ہے۔ ہمارے حکمران ہوں یا اہل سیاست سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں کسی کو غریب عوام کے مسائل و مشکلات سے کوئی غرض نہیں آج جب ان کا ووٹر اور سپورٹر مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہے وہ ان کی مدد کے لیے عوام سے ہی اپیل کر رہے ہیں اپنی جیبوں سے کچھ نہیں نکال رہے۔ ہاں ابھی اگر کسی طرح الیکشن کا انعقاد ہو جائے تو پھر دیکھیں کس طرح یہ تمام چھوٹے بڑے سیاست دان اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں۔ الیکشن کے نام پر ہر چھوٹا بڑا امیدوار جا بجا [illegible] کامیابی کی ایک فی صد بھی امید نہ ہو لیکن وہ بھی کروڑوں نہیں تو لاکھوں ضرور اڑا دیتا ہے۔ ایسے ماحول میں جب ہر طرف قہر الٰہی کے نظارے ہو رہے ہیں کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی اب ایک دوسرے پر الزامات کی بارش کر رہے ہیں اور اپنی دولتوں پر سانپ بن کر بیٹھے ہیں اگر ہمارے اہل ثروت اور اہل سیاست اپنے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیں تو انہیں اس کے باوجود کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن غریبوں کی داد رسی ہو جائے گی اور اللہ کا یہ قانون ہے کہ اس کی راہ میں جو خرچ کرو گے تو وہ آپ کو اس کے بدلے دس عطا فرماتا ہے۔ اللہ اپنے بندے پر کسی کا قرض نہیں رکھتا۔

نوٹ: اس دفعہ بہن نازیہ کنول نازی اپنی والدہ کی علالت کے باعث قسط تحریر نہیں کر پائی ہیں اس لیے ان کی قسط کے لیے معذرت اور آپ سب سے التماس ہے کہ بہن نازیہ کی والدہ کے لیے خصوصی دعائے صحت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرما دیں۔ آمین

## اس ماہ کے ستارے

- ☆ وہ اجنبی گھر اپنا سا — نادیہ فاطمہ رضوی وہ مجھے اجنبی لوگ [illegible] بتا رہی ہیں۔
- ☆ طلوع سحر — طلعت نظامی اپنے مخصوص انداز کے ساتھ آپ کی محفل میں شریک ہیں۔
- ☆ اعتبار وفا — عابدہ سبین آپ کی محفل میں پہلی بار شرکت پر اعتبار وفا سمجھ رہی ہیں۔
- ☆ مہکتی چاندرات — نزہت جبیں ضیاء چاند رات کی مہک کو بیان کر رہی ہیں۔
- ☆ سیر اور تھر — تحسین انجم انصاری سیر اور تھر کا فرق بتا رہی ہیں۔
- ☆ روشن ہلال عید — [illegible] آپ کی بزم میں شریک ہو رہی ہیں۔
- ☆ ظلمتوں کے چراغ — [illegible] بھی پہلی بار شریک محفل ہیں۔
- ☆ تقاضۂ وفا — جمشید ابرار و بہن انجم خان تقاضۂ وفا پیش کر رہی ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو، مدیرہ



# حمد

خداوندا! نور کی کرنوں سے دل ہرا کردو
میرے شعور کے کاسے دل کو بھی بھرا کردو
میری حیات کو درکار روشنی کب سے
در رسول ﷺ پہ لے جا کر مجھے کھڑا کردو
فضا میں تیرگی ہے اور بڑی نمایاں ہے
نبی ﷺ کی نعت سے روشن فضا ذرا کردو
مجھے بھی نعت کی دنیا میں زندہ رہنا ہے
میرے خیال کی دنیا کو بھی بڑا کردو
ادب سکھاؤ مجھے نعت کا میرے مالک
میں سب سے ہوں کھوٹا مجھے کھرا کردو
تجھے ہے واسطہ مولا مدینے والے ﷺ کا
میرے وطن کی فضا کو ہرا بھرا کردو

# نعت

مدینہ پاک میں شاہ امم ﷺ کے جلوے ہیں
نوازشوں کے عطا کے کرم کے جلوے ہیں
کرو جو جاں پہ کرم تو نبی ﷺ کے در آؤ
ہیں بخششوں کے خزانے حرم کے جلوے ہیں
نبی ﷺ کی شان خدا کے سوا نہ جانے کوئی
کہ لامکاں پہ بھی جس کے قدم کے جلوے ہیں
درود پاک پڑھا جو نبی ﷺ کے روضہ پر
لگا کہ سامنے خیر الامم ﷺ کے جلوے ہیں
نبی ﷺ جو آتے نہ دنیا کو رب بناتا نہ
یہ کائنات میں ان ہی کے دم کے جلوے ہیں
نعمان تیری بھی بگڑی بنے گی محشر میں
نظر میں آقا ﷺ شفیع امم ﷺ کے جلوے ہیں

(قاری محمد نعمان انور قادری۔ ڈومیلی۔ جہلم)

# در جواب آں

مدیرہ

روبینہ جعفر خان ..... کھلابٹ ٹاؤن شپ

عزیزی حنا! سلامت رہو۔ آپ پر گزرے حادثات کی بابت پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی اور دادا جان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلیٰ درجہ پر فائز کریں اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ بے شک ایک ہی خاندان میں پے درپے اموات کو جھیلنا بڑے حوصلے کا کام ہے لیکن اللہ پاک بھی اپنے بندوں کو ان کے حوصلے اور صبر سے بڑھ کر نہیں آزماتا۔ ادارہ آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ پروردگار اپنے پیارے بندوں کو ہی آزمائش کے لیے منتخب کرتا ہے تو حوصلے اور صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ ان شاء اللہ وہ پاک ذات بہتر صلہ دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام گھر والوں کو استقامت عطا فرمائے آمین

رشک حبیب ..... کراچی

پیاری حبیب جیتی رہو۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے نام کی طرح آپ کی تحاریر بھی خوب صورت ہوتی ہیں۔ اس لیے منتخب کرلی جاتی ہیں لیکن باری کا انتظار تو کرنا پڑتا ہے نا اس لیے صبر وضبط کا دامن تھامے رکھیں۔ افسانہ تیار ہوتے ہی بھیج دینا چاہیے گزشتہ تحاریر کے شائع ہونے کے انتظار سے بہتر ہے۔ افسانہ ’’موضوعاتی‘‘ ہے تو پھر پس وپیش کیسی؟؟ آنچل کے لیے موصول ہونے والا ہر خط ہم محبت سے پڑھتے ہیں۔ خطوط میں کوئی جواب طلب بات نہ ہو تو پھر رسید تھمانا ہماری مجبوری ہے۔ دعاؤں اور مبارک باد کے لیے جزاک اللہ۔ پروردگار آپ کو دین ودنیا میں کامیابی وسرفرازی عطا فرمائے آمین

علی صبا ..... حیدرآباد

علی صبا! خوش رہو۔ آپ سب [illegible] ہمارے لیے قابل قبول [illegible] ضرورت نہیں آپ کا آپی کہنا یقیناً [illegible] محبت وخلوص کا رشتہ یقیناً معتبر ومستند ہوتا ہے۔ آپ نے بالکل بجا فرمایا کہ جان سے پیاری ہستیاں کتنی ہی دور چلی جائیں مگر دل میں موجود رہتی ہیں۔ فرحت آپا بھی ان ہی لوگوں میں سے تھیں۔ آپ کے بھائی کی وفات کا سن کر افسوس ہوا۔ آپ کی امیدوں کے عین مطابق آنچل کے صفحات میں آپ کو خوش آمدید آپ کی تعلیمی قابلیت کی بابت جان کر خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آگے بھی آپ کو آپ کے نیک ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ریڈیو پاکستان سے آپ کی وابستگی بطور D.J اور لکھنے لکھانے کے شوق کے بارے میں جان کر مسرت ہوئی۔ شاعری متعلقہ شعبے تک پہنچادی گئی ہے۔ معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوگی اور آپ کی امیدوں کے عین مطابق آپ کو لکھنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ امید ہے آپ آنچل کے قلم کاروں میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

عائشہ اشرف ..... گنگاپور۔ ضلع فیصل آباد

پیاری عائشہ! خوش آمدید۔ معاشرے اور وطن کے لیے آپ کی حساسیت قابل قدر ہے۔ مگر کیا کیا جائے [illegible] یہاں پر ہم بھی آپ ہی کی طرح مجبور وبے بس ہیں۔ سوائے دعاؤں کے اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔ [illegible] کے لیے ڈھیروں دعائیں خود بھی کیا کرتے ہیں [illegible] قارئین سے بھی التماس ہے۔ آپ کے نانا اور دیگر رشتے داروں کی اموات کی بابت [illegible] افسوس ہوا۔ اللہ پاک ان سب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور سب کی مغفرت فرمائے [illegible] آپ نے درست کہا کہ صبر بھی نہ [illegible] ہے مگر صبر کرنے والے بہت عظیم ہوتے ہیں [illegible] دامن تھامے رکھیں۔ دکھ کی اس گھڑی میں ہماری [illegible] دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ [illegible] کے حصول میں اللہ پاک آپ کے نیک ارادوں میں کامیابی وسرفرازی عطا فرمائے آمین

شہلا شبیر ..... چونڈہ

عزیزی شہلا! جیتی رہو۔ خوب صورت لفظوں اور قابل قدر جذبات سے سجے آپ کے خط کی ہر سطر سچائی پر مبنی ہے۔ وطن عزیز کے لیے آپ کے جذبات لائق ستائش ہیں۔ جن کے لیے ہم بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ صبر اور حوصلے کا دامن تھامے رکھیں اور دعاؤں کا سہارا لیں کہ ان حالات میں ہم سب کو دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔ آپ کا انداز تحریر پختہ اسلوب رواں اور لکھائی بہترین ہے۔ لیکن اگر آپ مطالعہ کرتی ہیں تو آپ کو خود معلوم ہوگا کہ اس موضوع پر کئی بار لکھا جاچکا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے معذرت۔ تازہ ترین ناولٹ موصول ہوچکا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا آپ کے لیے مشورہ ہے کہ اچھے اور منفرد موضوع پر پہلے افسانے پر طبع آزمائی [illegible] یقین ہے کہ آپ آنچل کی لکھاریوں میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی اور دعاؤں [illegible] آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انشاء [illegible] آمین

[illegible] ..... جہلم

پیاری [illegible] سلامت رہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ [illegible] ہیں یقیناً مطالعے کی عادت آپ [illegible] رواں رکھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ آپ [illegible] بے فکر ہوکر خط لکھیں ہم ہر خط نہایت محبت اور [illegible] سے پڑھتے ہیں۔ تحریر شائع ہونے کی صورت میں اعزازی پرچہ روانہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے مصنفات کو تحریر کے ساتھ مکمل پتا ارسال کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ تازہ ترین ناولٹ موصول ہوگیا ہے۔ گزشتہ کے لیے معذرت۔ آپ کی دیگر باتوں کے جواب میں ایک بات دہرائیں گے کہ تجربہ انسان کو غلطیوں سے بچاتا ہے۔ یہ اور بات کہ تجربہ حاصل بھی غلطیوں سے ہی ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو نیک ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

سفینہ یاسمین ..... جھنگ

عزیزی سفینہ! سلامت رہو۔ آنچل میں آمد پر خوش آمدید آپ کے قلمی سفر کی بابت جان کر دلی خوشی ہوئی۔ امید ہے کہ آپ آنچل کے لیے اپنا قلمی تعاون برقرار رکھیں گی۔ آپ کی تحریر ’’چراغ جاں‘‘ منتخب کرلی گئی ہے۔ ان شاء اللہ باری آنے پر شائع ہوجائے گی۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ پاک آپ کو دین ودنیا کی سرفرازی عطا فرمائے آمین

صفیہ مغل ..... لیہ

پیاری صفیہ! خوش رہو۔ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ میڈیکل کی طالبہ ہیں اور باقاعدہ شاعری بھی کرتی ہیں۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور ساتھ ہی ستمبر میں شائع ہونے والی آپ کی غزل کے لیے معذرت کہ [illegible] غلطی کی وجہ سے آپ کا نام غلط شائع ہوگیا۔ [illegible] کے ساتھ دوبارہ شائع کررہے ہیں۔

خواہش کیا کروں میں صفیہ
جھوٹی منافق کھوٹی دنیا

دیگر شاعری اگر مناسب رہی تو ضرور شائع ہوگی مگر باری آنے پر اللہ پاک آپ کو تمام نیک ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے آمین

عذرا خان ..... کراچی

اچھی عذرا! جیتی رہو۔ آنچل کے صفحات پر آپ کو خوش آمدید۔ افسانہ مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ پڑھنے کے بعد ان ہی صفحات میں رائے دے دی جائے گی۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ تخلیقی صلاحیت سراسر خداداد ہوا کرتی ہے۔ البتہ تھوڑی سی کوشش اور جدوجہد سے اسے نکھارا ضرور جاسکتا ہے۔ مطالعہ وسیع رکھیں اور اگر افسانہ کی صنف میں طبع آزمائی کی خواہش ہے تو دیگر افسانوں کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کریں اچھی تحریروں کے ہم خود منتظر رہتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔ اللہ پاک آپ کو ڈھیروں ڈھیر کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

شمع مسکان ..... جام پور

عزیزی شمع! خوش رہو آپ کے والد کی وفات کے بارے میں جان کر ازحد دکھ ہوا۔ اللہ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ دیگر قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ بے شک آپ کا غم بہت بڑا ہے مگر اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ بس صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ سے صبر مانگا جائے تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے آنچل سے وابستگی اور پسندیدگی پر ہم تہ دل سے مشکور ہیں۔ اس کے حصول کی بابت آپ کی دشواریوں کا بھی ہمیں خوب اندازہ ہے۔ اگر زرِ سالانہ ادا کرکے سالانہ خریدار بن جائیں تو آنچل گھر بیٹھے آپ کو ملتا رہے گا۔ آپ کی غزل متعلقہ شعبے تک پہنچادی گئی ہے آنچل کے کسی بھی سلسلے میں اپنی نگارشات بھیجنے کے لیے یاد رکھیں کہ صفحے کی ایک جانب اور سطر چھوڑ کر لکھا

جائے اور ہر سلسلے کے لیے الگ صفحہ استعمال کیا جائے۔ تعارف ضرور بھیجیں مگر باری کے لیے انتظار کرنا ہوگا۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

نگہت نور...... کوہاٹ کینٹ

اچھی نگہت! جیتی رہو۔ آنچل کے صفحات پر خوش آمدید۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آنچل کے سبب آپ نے نئے سرے سے لکھنے کا آغاز کیا ہے۔ آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد ان شاء اللہ صفحات پر مطلع کردیا جائے گا۔ آپ کی تجویز نوٹ کرلی گئی ہے۔ ہم خود بھی اس امر پر غور کررہے ہیں۔ اللہ آپ کو کامیاب وشادمان رکھے۔ آمین

حمیرا اکبر...... میرپور خاص

پیاری حمیرا! سلامت رہو۔ ملکی حالات کی بابت آپ کے دکھ پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہم سب کا مشترکہ دکھ ہے۔ جس پر سوائے صبر اور دعاؤں کے چارہ نہیں ہے۔ آپ کا پہلا افسانہ اور دوسرا ناولٹ موصول ہوچکے ہیں۔ اغلاط تو ضرور رہی ہیں مگر ان کی مناسب تصحیح آپ کو سیکھنے میں مدد دے گی۔ تاہم آپ کا انداز تحریر بہترین ہے۔ امید ہے کہ آپ آنچل کی مصنفات میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی اور اپنا قلمی تعاون برقرار رکھیں گی۔ ناولٹ باری آنے پر شائع ہوجائے گا تاہم پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ نئی مصنفات کو ہم یہی مشورہ دیتے ہیں۔ اللہ پاک آپ کو کامیابی وکامرانی عطا فرمائے اور جو دعا آپ نے ہم کو اور ادارہ کو دی ہے اس کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

سعدیہ...... کراچی

پیاری سعدیہ! جیتی رہو خوش رہو۔ آپ اپنی انتہائی مصروفیت میں آنچل کے لیے وقت نکالتی ہیں اس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ آنچل کے سلسلوں میں آپ کی آمد کے ہم منتظر رہیں گے۔ آپ کی کہانی آنچل میں شائع ہوچکی ہے اس لیے اس کے مزاج ومعیار کا بخوبی اندازہ ہوگا لہٰذا بہتر سے بہترین کی جستجو رکھیں۔ "[illegible] تاج" کے لیے معذرت۔ عفت سحر طاہر کو آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے دیا جارہا ہے کہ "محبت دل [illegible]" جیسی خوب صورت اور یادگار [illegible] حاضری

دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابیاں عطا فرمائے۔ آپ کے نئے افسانے کے ہم منتظر رہیں گے۔

مصباح نوشین...... اڈہ پچلور، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اچھی مصباح نوشین! خوش رہو۔ آپ کی آمد پر خوشی ہوئی اور اس سے بھی زیادہ خوشی یہ جان کر ہوئی کہ آپ کی کتاب "محبت جاں گسل" کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے۔ اللہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین۔ عزیزی! کہانی میں مناسب کاٹ چھانٹ ضروری ہو تب ہی کی جاتی ہے۔ کہانی کی غیر طوالت کی متقاضی ہو تب ہی اقساط کی صورت میں شائع ہوتی ہے۔ آپ اچھی مصنفہ ہیں ان رموز سے تو از خود آگاہ ہوں گی۔ کہانیاں منتخب کرکے باری آنے پر شائع کی جاتی ہیں تاکہ حق تلفی کا احتمال نہ رہے۔ امید ہے آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی۔ اچھی تحریروں کے ہم خود منتظر رہتے ہیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

## اور اب کچھ خطوط کے جوابات مشترکہ طور پر

بشریٰ ملک، فیصل آباد۔ آپ کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ پاک آپ کی ہر جائز مراد پوری فرمائے۔ آمین۔ صدف، گوجرہ۔ مقام نامعلوم، آپ نے خط کے ہمراہ ہی غزلیں بھی لکھ دیں۔ بہتر ہے الگ صفحہ پر غزلیں، نظمیں لکھنی چاہئیں۔ [illegible] اچھی کوشش ہے۔ انعم سلیم، سندھ۔ آپ کا نام شائع کیا جارہا ہے کیونکہ خط میں تعریف کے [illegible] کوئی مطلب بات نہیں ہے۔ آنچل کے سلسلوں کی پسندیدگی کا شکریہ۔ صدف ملک، چیچہ وطنی۔ ان سطور کے ذریعے آپ کی دوستوں اور کزن [illegible] نور کو عید کی مبارک باد دی جارہی ہے۔ آپ تعارف ضرور بھیجیں یہ پوچھنے کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر جائز مراد پوری کرے۔ [illegible] منصور، شارجہ۔ آپ کا افسانہ مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ نازیہ خان، سکھر۔ آپ نے تعارف اور تبصرہ ایک ساتھ لکھ دیا ہے۔ الگ صفحات پر مکمل تعارف بھیجئے۔ بہتر ہوگا کہ افسانہ سے پہلے آنچل کے سلسلوں میں بہترین انتخاب کے ساتھ شرکت کریں۔ انا شاہ زاد، گجرات۔ اگر شاعری پر معاوضہ کا دستور ہوتا تو یقیناً ہم



بھی ادائیگی کرتے ویسے اچھی شاعری شائع ہوجانے کی خوشی بھی کسی اعزاز سے کم نہیں ہوتی۔ س۔ م۔ ک، فیصل آباد۔ روحانی کالم کے لیے کوپن لازمی ہے۔ نام اگر شائع نہ کروانا چاہیں تو لکھ دیں ہم نام مختصر کرکے شائع کردیں گے۔ مگر کوپن میں نام اصل ہی لکھیں۔ سمعیہ کنول، فیصل آباد۔ تعارف باری آنے پر شائع ہوجائے گا۔ خطوط میں جواب طلب بات یا تبصرہ نہ ہو تب ہی رک جاتے ہیں ورنہ ہر خط ہم بغور پڑھتے ہیں۔ کوشش ہو کہ مصنفات کے نام اصلی ہی ہوتے ہیں۔ فریحہ شبیر شاہ، ننکانہ۔ آپ حمد ونعت ضرور [illegible] معیاری ہوں تو ضرور شائع ہوں گی۔ تبصرہ [illegible] تعارف باری آنے پر شائع ہوتا ہے [illegible] سلسلے میں شرکت کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں کہ آنچل آپ کا اپنا ماہنامہ ہے۔ تمام مصنفات [illegible] آپ کا سلام ان سطور کے ذریعے پہنچایا جارہا ہے۔ تاج شکیل، کراچی۔ تعارف مل گیا ہے۔ آپ کے خط کا جواب اب شامل اشاعت ہے۔ حمیرہ [illegible] لاہور۔ بہتر ہوگا کہ آپ پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کریں۔ سورج منصور، مقام نامعلوم۔ افسانہ ابھی پڑھا نہیں گیا ہے معیاری ہوا تو ضرور شائع ہوگا۔ یاسمین عندلیب، شورکوٹ کینٹ۔ لگتا ہے آپ آنچل باقاعدگی سے نہیں پڑھتیں۔ ستمبر کے شمارے میں آپ کے افسانے کی بابت جواب دیا گیا ہے۔ آپ آنچل کے ہر سلسلے میں شرکت کرسکتی ہیں۔ تعارف بھی ضرور بھیجیں مگر باری کا انتظار کرنا پڑے گا۔ رابعہ سعید، ملتان۔ تعارف باری آنے پر شائع ہوجائے گا۔ شاہ وقار، لاہور۔ آپ سب ہمارے دل میں رہتی ہیں اور ہم آپ کو یاد رکھتے ہیں۔ افسانہ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ نفیسہ آصف خان، ملتان۔ قلمی تعاون کے لیے مشکور ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ راحیلہ تاج، ٹمک۔ آپ کا سلام ان سطور کے ذریعے پہنچایا جارہا ہے۔ نورین شیخ، ملتان۔ آپ کا افسانہ موصول ہوگیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ فیصل رضوان، شورکوٹ۔ آنچل سے وابستگی اور پسندیدگی پر ہم آپ کے مشکور ہیں۔ پروین افضل شاہین، بہاولنگر۔ آپ کے نام کے سلسلے میں سہو پر ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ اسماء عطاریہ، کراچی۔ آنچل میں شائع ہونے

والی کسی بھی تحریر میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہے تو اس کی نشاندہی ضرور کیجیے۔ سوئی گلی سوہدرہ۔ آپ کے بہت سارے خطوں کے سبب آپ کا نام شامل اشاعت ہے۔ اگرچہ خط میں کوئی جواب طلب بات نہیں ہے۔ نفیسہ زرگریا، فیصل آباد۔ آپ نے جن نگارشات کے لیے سرخ قلم استعمال کیا ہے وہ سب شائع ہوگئیں۔ انعم خان، خلابٹ کالونی ہری پور۔ آپ کی پھوپو کے انتقال کا سن کر بہت دکھ ہوا اللہ آپ سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بہن عائشہ نور محمد، کراچی۔ آپ سے التماس ہے فوری طور پر آفس سے رابطہ کریں آپ نے جو نمبرز دیے ہیں ان پر آپ سے رابطہ نہیں ہوپارہا ہے۔ شکریہ

### ناقابل اشاعت

تجدید، تو بن مانگی دعا، میرے بخت کا تاج، اس کی خوشی، عزیز بھی، محبت کی تلاش، سحر ہونے تک، محبت منتظر ہوگی، بیٹوں کی محبت، بیٹیوں کی چاہ، خواب تعبیر، رت ملن کی، محبت چراغ شب۔ گلشن۔ تو ہی وفرح۔

♥

## مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔

# شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ:۔ پوچھا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے۔ (الاعراف۔۱۲)

آیت مبارکہ میں شیطان نے جو عذر پیش کیا وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا آئینہ دار ہے اس لئے یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ افضل کو مفضول کی تعظیم کا حکم نہیں دیا جاسکتا' اصل چیز تو اللہ کا حکم ہے' اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی طرح بھی افضل اور غیر افضل کی بحث نہیں ہوسکتی۔ ابلیس نے دلیل کے طور پر کہا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے۔ اس نے اس شرف و عظمت کو نظر انداز کردیا جو حضرت آدم علیہ السلام کو حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خود ہی بنایا اور اپنی طرف سے ان میں روح پھونکی' آدم کا یہ شرف ایسا ہے جو کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں۔ ابلیس نے نص الٰہی کے مقابلے میں صرف اپنے قیاس سے کام لیا' جو کسی بھی طرح اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا' پھر اس کا قیاس بھی قیاس فاسد تھا۔ آگ مٹی سے کس طرح بہتر ہے؟ آگ سوائے جلانے' بھڑکنے اور تیزی کے سوا اور کیا ہے؟ جبکہ مٹی میں سکون اور ثبات ہے' اس میں نبات و نمو ہے زیادتی اور اصلاح کی صلاحیت ہے۔ اب تک آپ سورۃ الکہف آیت ۱۵۔ البقرہ آیت ۳۴۔ الاعراف۔۱۱۔۱۲ کی تشریح دیکھ چکے ہیں۔ ان میں ابلیس کے انکار و تکبر کا ہی ذکر اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا حکم سجدہ کا ذکر ہے۔ ابلیس نے حکم الٰہی نہ مان کر سرتابی کی جرأت کی۔ یہ اس کا سب سے بڑا اور پہلا جرم تھا پھر اس نے مزید جرأت کی اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ مجھے تو آگ سے پیدا کیا گیا ہے جس میں شعلہ اور بلندی ہے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا جو پاؤں کے نیچے کچلی جاتی ہے اور کہا "کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔" اسی طرح اس نے اپنے اندر چھپے ہوئے اپنے تکبر کے جذبات کا اظہار کیا صرف اپنے تکبر کا اظہار کیا اور اس پر شرمندگی اور ندامت کرنے کے بجائے اڑا رہا۔ حالاں کہ سجدے کا حکم دینے سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام فرشتوں کا اور حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۳۱ تا ۳۳ سے ظاہر ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر اُن چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا' اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ (سورۃ البقرہ۔ آیت۔۳۱)

تفسیر:۔ آیتِ مبارکہ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق



کو مکمل کرلیا اور فرشتوں کے سامنے پیش کیا اس سے قبل اسی سورہ بقرہ کی آیت میں فرشتوں نے اپنی معلومات کے لیے اعتراض کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اُس اعتراض یا سوال کا عملی جواب دیا ہے کہ نہ صرف اس طرح تمام فرشتے جن میں عزازئیل نامی جن بھی موجود تھا کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے سجدے کا حکم دیا تو سب نے سجدہ کیا سوائے عزازئیل کے (ابلیس کے) اور وہ گمراہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تمام فرشتوں کا اور حضرت آدم کا امتحان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نام حضرت آدم کو سکھا کر ان تمام چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور اُن سے ان کے نام دریافت فرمائے تو وہ ان کے نام نہ بتا سکے اور کہنے لگے۔

ترجمہ:۔ اُن سب نے کہا اے اللہ! تیری ذات پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے۔ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۳۲)

تفسیر:۔ قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ میں خالق و مالک نے جو منظر کشی فرمائی ہے یقیناً اس وقت تمام فرشتے بارگاہ دربار عالی میں موجود رہے ہوں گے ان کے ساتھ وہ منکر احکام الٰہی جو اطاعت سے منکر ہوکر ابلیس ٹھہرا موجود رہا ہوگا۔ اس نے بھی نہ کچھ سیکھا اور نہ ہی کچھ کہا اس طرح فرشتوں کے اس جواب میں اس کا علم و مرضی بھی شامل ہوگی۔ جس طرح اُس نے سجدہ نہ کرکے اختیار و ارادے کو ظاہر کیا اگر اسے فہم و ادراک کی وہ قوت حاصل ہوتی جو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی تو وہ بھی کہہ سکتا تھا کہ میں ان تمام چیزوں کے نام بتا سکتا ہوں یا حضرت آدم علیہ السلام کے نام بتانے کے بعد بھی وہ اس کا اظہار کرسکتا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسے بھی فرشتوں کی طرح ان تمام ناموں کی جو اللہ نے آدم علیہ السلام کو سکھائے تھے سمجھ نہیں آئی تھی جبکہ وہ تمام چیزیں اللہ نے ان کے سامنے پیش کی تھیں جیسا کہ آیت ۳۱ میں ارشاد ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت فرمایا تو انہوں نے سب کے نام بتادیے جیسا کہ بقرہ کی آیت ۳۳ میں ارشاد ہو رہا ہے۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتادو۔ جب انہوں نے بتادیے تو فرمایا کہ میں نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ زمین و آسمان کا غیب میں ہی بتا سکتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔ (سورۃ البقرہ۔ آیت ۳۳)

تفسیر:۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں ان آیات کا بڑا مختصر اور جامع جواب تحریر فرمایا ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی موجودگی میں حضرت آدم علیہ السلام کو ان تمام چیزوں کے نام سکھائے' مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سمجھایا کہ یہ دہی ہے' یہ ہانڈی ہے' اس کو چمچہ کہتے ہیں' یہ نمک ہے' اس کو ہلدی کہتے ہیں' یہ مرچ ہے وغیرہ وغیرہ جب آدم علیہ السلام کو نام بتائے تو فرشتے وہاں موجود تھے مگر وہ سمجھ نہیں سکے کیونکہ یہ چیزیں اُن کی ضرورت کی نہیں تھیں اور حضرت آدم علیہ السلام سمجھ گئے کیونکہ یہ چیزیں ان کی ضرورت کی تھیں۔"

حضرت تھانویؒ نے اس بات کو ایک اور طریقے سے بھی سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی استاد جو جومیٹری پڑھا رہا ہو اور وہ کہے ایک زاویہ قائمہ ہوتا ہے اور ایک زاویہ حادہ ہوتا ہے' ایک شکل خماسی ہوتی ہے' ایک مربع ہوتی ہے' ایک مثلث ہوتی ہے اور ایک مسدس ہوتی ہے۔ یہ سب وہی سمجھ سکیں گے جن کا تعلق ان چیزوں سے ہوگا اور جن کی کچھ نسبت ہوگی' لیکن وہاں بیٹھے ہوئے دیگر عوام بے چارے کیا سمجھیں گے کہ یہ زاویہ کیا ہوتا ہے؟ اور مثلث کیا ہوتی ہے؟ اسی طرح فرشتے بھی نہیں سمجھ سکے کیونکہ ان کا تعلق اُن چیزوں سے نہیں تھا۔"

کچھ اہل علم وفکر بھی یہ اعتراض اور سوال اٹھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے کا حکم تو فرشتوں کو دیا تھا جبکہ ابلیس جنات میں سے تھا۔ تو پھر اس کے متعلق یہ کیوں فرمایا گیا کہ اُس نے انکار کردیا اور تکبر کیا' جب اُسے حکم ہی نہیں دیا گیا تھا تو اُس نے انکار کس طرح کردیا؟ اس سوال کا جواب ان آیات مبارکہ کی تشریح سے مل جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا امتحان لیا اُس میں فرشتے کامیاب نہ ہوسکے اور حضرت آدم علیہ السلام کامیاب رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو (اُس وقت جہاں عزازیل جو بعد میں ابلیس کہلایا' بھی موجود تھا) سجدے کا حکم دیا تو فرشتوں نے بغیر کسی حجت اور قیل وقال کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا کیونکہ یہ اللہ کا حکم تھا لیکن ابلیس لعین نے انکار کیا کیونکہ وہ اپنے آپ کو آدم سے بہتر مانتا تھا۔ مسئلہ صرف حکم الٰہی کی اطاعت کا تھا۔ ابلیس نے جس سے انکار کیا اس کے بارے میں مولانا رومیؒ اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ کاش! ابلیس نے سلطان محمود غزنویؒ کے غلام ایاز سے ہی سبق سیکھ لیا ہوتا۔

مولانا رومیؒ نے ایک حکایت میں لکھا ہے کہ جب محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سومنات کا مندر گرایا تو ہندوستان کے قیمتی ہیرے جواہرات افغانستان پہنچے پر اُن میں ایک بڑا ہی قیمتی ہیرا بھی تھا' سلطان نے غلام کو حکم دیا کہ ایک پتھر اور ہتھوڑا لاکر میرے سامنے رکھ دو۔ غلام نے پتھر اور ہتھوڑا لاکر رکھ دیا جب مجلس جم گئی تو سلطان محمود غزنوی نے اپنی جیب سے قیمتی وہ ہیرا نکالا اور ایک وزیر کو کہا اُس کو پتھر پر رکھ کر توڑ دو' اُس نے کہا حضور یہ بہت قیمتی ہے اس کو توڑا جائے اور اُس نے اسے نہیں توڑا۔ سلطان نے دوسرے' تیسرے وزیر سے کہا مگر کسی نے بھی نہیں توڑا تب محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز سے کہا بیٹا یہ بہت قیمتی ہیرا ہے تم اسے توڑ دو' ایاز نے ہیرے کو پتھر پر رکھ کر ہتھوڑے سے سیکڑوں ٹکڑے کردیا۔ اس پر سلطان نے ایاز سے دریافت کیا کہ جب تمام وزیروں اور مشیروں نے اس قیمتی ہیرے کو توڑنے سے انکار کردیا تھا تو نے کیوں توڑ دیا؟ ایاز نے کہا آقا بے شک ہیرا قیمتی تھا مگر میرے آقا کا حکم اس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جیسا کہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔ الملئکۃ کلھم اجمعون۔ پس تمام فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا' جس طرح جماعت امام کے پیچھے اکٹھے رکوع وسجود کرتے ہیں یہ بات اجمعون سے ثابت اور کلھم سے بھی ثابت ہو رہی ہے کوئی بھی اللہ کے اُس حکم سے باہر نہیں تھا اگر فرشتوں کے علاوہ وہاں اور مخلوق بھی تھی وہ بھی اس حکم میں آجاتی ہے لیکن ابلیس جس کی سوچ وفکر اور تکبر سے اللہ تعالیٰ



بخوبی واقف تھا ابلیس کے اس متکبرانہ جواب کو سن کر رب کائنات نے اسے حکم دیا وہ مردود تو پہلے ہی ہو چکا تھا کہ تو زمین پر اتر جا اور یہاں سے نکل جا۔

ترجمہ:۔ فرمایا (حق تعالیٰ نے) تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق نہیں تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل' بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ (الاعراف۔۱۳)

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنی حکم عدولی پر نہ صرف اسے مردود و لعین قرار دیا بلکہ اسے دنیائے آسمان سے بھی نکال باہر کیا' اپنی رحمت سے تو پہلے ہی خارج کردیا تھا۔ جنت سے نہ صرف اسے نکال دیا گیا بلکہ اس پر لعنت لکھ دی گئی اور ذلت اور رسوائی مسلط کردی گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا تمام کا تمام علم وریاضت جس کے باعث وہ جنت کا خازن بنا تھا کچھ کام نہیں آیا وہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے خوب واقف تھا خوب جانتا سمجھتا تھا کہ اللہ ہی مالک الملک' خالق وقادر ہے وہی سب کا پروردگار رب ہے۔ اس کے باوجود اس کی آتش نفسی نے اسے کہیں کا نہ رکھا' ساری عبادت و ریاضت پر خود اپنے عمل سے پانی پھیر دیا' اللہ کا حکم پانے کے باوجود اطاعت وسر تسلیم خم کرنے کے بجائے تکبر میں مبتلا ہوکر سب کچھ غارت کرلیا۔ ابلیس جس کے پاس علم ومعرفت کی کمی نہیں تھی اس کا اعتقاد بھی متزلزل نہیں تھا۔ اسے بہکانے' بھٹکانے' وسوسے ڈالنے والا بھی کوئی نہیں تھا اس کے باوجود اس نے اپنے اختیار سے فیصلہ کیا اور اللہ کے حکم سے سرتابی کی اب جب کہ انسان کا ازلی دشمن اُس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے اور انسان کے پاس اُس جیسا علم وفضل بھی نہیں ہے' دشمن اپنی پوری توانائی سے اسے ڈبونے پر آمادہ ہے پھر بھی اگر انسان اللہ کے حکم سے ابلیس کی مانند اپنے اختیار سے نافرمانی کرے تو اس کا حشر کیسا خراب اور دردناک ہوگا اور وہ کس قدر دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا ہوگا۔ ابلیس چونکہ آگ سے پیدا کیا گیا اس کی فطرت ہی آتشی رکھی گئی ہے جس کی فطرت میں ہی بھڑکنا دہکنا ہے اس کی شدید فطرت نے اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اپنی غلطی پر نادم ہوتا اور شرمندہ ہوکر آدم علیہ السلام کی مانند معافی مانگ لیتا۔ اس کی سمجھ میں صرف یہ بات آئی کہ وہ حضرت آدم کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا ہے اس لئے ان سے انتقام لینے پر اتر آیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اسے کہا "تو اتر جا تجھے کوئی حق نہیں کہ آسمان میں رہ کر تکبر کرے تو بے شک ذلیلوں میں سے ہے۔" تب بھی اس نے اپنی خو نہیں تبدیل کی بجائے اس کے کہ شرمندہ ہوتا اور معافی مانگتا اس نے اللہ سے اپنے دشمن انسان کو گمراہ کرنے کی قیامت تک کی مہلت مانگی تاکہ وہ انسان کو گمراہ کرکے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا نہیں بلکہ اور تیز کرسکے۔

(جاری ہے)

# ہُما احمد

ملیحہ احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج میں آپ کو اس زمین پر ایک ایسی ہستی سے متعارف کرواتی ہوں۔ جسے آپ پہلے سے یقیناً نہیں جانتے ہوں گے۔ جی ہاں! میں آپ کو اپنے آپ سے متعارف کروا رہی ہوں۔ میرا نام ہما تبسم ہے لیکن ولدیت احمد ہونے کی وجہ سے ہما احمد لکھنا زیادہ پسند کرتی ہوں۔ میں نے 13 اگست کو اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ آپ بالکل ٹھیک سمجھے کہ میں ہی وہ خوش نصیب ہوں جس کے آنے سے اگلے دن ہی پاکستان کا یوم آزادی منایا جاتا ہے۔ پانچ بہن بھائیوں میں میرا نمبر دوسرا ہے۔ بھائی بڑا ہے اور میں بہنوں میں بڑی ہوں۔ بقول میری امی کے ”بڑوں والی کوئی بات تم میں نہیں ہے۔“ ہر وقت بچہ بنی رہتی ہوں۔ بی اے کر رہی ہوں پرائیویٹ اور ساتھ ساتھ ایک اسکول میں ٹیچنگ جاری ہے۔ میں خود اپنے پیروں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں۔ LEO یعنی اسد میرا اسٹار ہے۔ اسٹارز پر اتنا یقین نہیں ہے۔ ویسے مجھے لگتا ہے کہ اسد والی ساری خوبیاں میرے اندر موجود ہیں۔ بولتی بہت زیادہ ہوں۔ نہ بولوں تو میرے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ (ہے نا الٹا دماغ) جیولری کا شوق نہیں ہے۔ صرف چوڑیاں پسند ہیں۔ میری دوست کہتی ہیں کہ اگر کوئی چوڑیاں دے کر تم سے جان بھی مانگے تو تم دے دو۔ چوڑیوں کے معاملے میں ایسی ہی ہوں۔ سادہ رہنا پسند کرتی ہوں۔ کھانے میں بہت نخرے کرتی ہوں۔ جو چیزیں ناپسند ہو تو وہ کسی صورت نہیں کھاتی۔ سموسے اور چاول بہت پسند ہیں۔ ضدی بہت ہوں۔ جو ضد کرتی ہوں، وہ منوا لیتی ہوں۔ ٹی وی بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ فارغ وقت میں ڈائجسٹ پڑھنا یا F.M سننا میرا مشغلہ ہے۔ ہاتھ میں ڈائجسٹ اور کانوں میں ہیڈ فون بس یہی میری تفریح ہے۔ غصہ بہت آتا ہے۔ جتنی جلدی آتا ہے اس سے زیادہ جلدی اتر جاتا ہے۔ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ غصہ نہ آئے۔ مگر آ جاتا ہے۔ بات کہہ دینے کے بعد پچھتاوا ہوتا ہے کہ کاش نہ کہتی۔ مگر جو بول زبان سے نکل گیا۔ سو تیر کمان سے نکل گیا والا حساب ہے۔ ہر کسی پر اعتماد کر لیتی ہوں۔ جتنے اعتماد کیے ہیں اتنے ہی دھوکے کھائے ہیں۔ مجھے خوب صورتی بہت متاثر کرتی ہے۔ دوستوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت ہوں۔ ڈھیروں سہیلیاں ہیں۔ سدرہ، کبریٰ، شازیہ، ساجدہ وسجاول، گلناز، [illegible] ساجدہ اسلم، عائشہ، ساجدہ بشیر، فضیلت، ساجدہ بتول، سونیا، صبا، انا احب اور [illegible] سب کو ڈھیروں سلام۔ میری پسندیدہ ٹیچر مس زرینہ صادق تھیں جن کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں۔ بہترین دوستوں میں عائشہ اور ساجدہ بتول ہیں۔ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے۔ آخر میں ان کے لیے بھی دعائیں۔ جنہوں نے مجھے پڑھا۔ آنچل اسٹاف اور قارئین کا ڈھیروں شکریہ آپ نے برداشت کیا۔ اللہ حافظ۔



# شازیہ جمال

ڈیئر آنچل قارئین! السلام علیکم! میرا نام شازیہ جمال نمبر ہے۔ ضلع ڈی جی خان کے ایک ترقی پزیر قصبے ”وہوا“ سے تعلق رکھتی ہوں۔ حال ہی میں بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی کے بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہے اور فی الحال اپنے علاقے کے سب سے بہترین انگلش میڈیم اسکول ”آفاق پبلک اسکول وہوا“ میں معلمہ کے فرائض سرانجام دے رہی ہوں۔ ہماری پرنسپل ”میڈم گل فرین“ بہت اچھی ہیں۔ مجھے ان کی ڈریسنگ اور مسکراہٹ بہت پسند ہے۔ ہماری امی اور ہم چاروں بہنیں چونکہ ٹیچرز ہیں۔ اس لیے ”ٹیچرز فیملی“ کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ مطالعہ کی عادت مجھے اپنے مرحوم دادا صاحب سے ورثے میں ملی ہے۔ ستاروں بھرے ”آنچل“ سے تعلق آج سے تقریباً تین سال قبل جوڑا تھا۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ آنچل کے تمام سلسلے ہی لاجواب اور دلچسپ ہیں۔ آنچل کی زینت بننے والی تمام کہانیاں بلاشبہ بہترین ہوتی ہیں۔ مگر جو کہانیاں دل میں گھر کر گئیں وہ ہیں ”محبت دل پہ دستک“ ”افسوں جاں“ اور ”زندگی دھوپ تم گھنا سایہ“ اقراء صغیر، عشنا کوثر اور عفت سحر طاہر آنچل کے وہ جگمگاتے ستارے ہیں۔ جن کی چمک بھی ماند نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ نازیہ کنول نازی صاحبہ کی کہانیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت سے کافی دور ہوتی ہیں۔ ان کی تحریر پڑھتے ہوئے مجھے اکثر ”اسٹار پلس“ کے ڈراموں کا گمان ہوتا ہے جن میں ”کچھ بھی“ ہو سکتا ہے۔ (معذرت کے ساتھ) حالانکہ ان کا ناول ”ایک دشتِ فراق ہے“ کافی اچھا تھا۔ اپنی امی کے ساتھ آنچل کی کہانیاں ڈسکس کرنا، آپی نازیہ کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پینا (جو کہ کبھی کبھار ہی نصیب ہوتی ہے) سعدیہ کے ساتھ دیر تک چہل قدمی کرنا، باجی آسیہ کے نت نئے آئیڈیاز سننا اور انہیں مزے سے رد کرنا اور آسمان پر اڑتے ہوئے پرندوں کو دیکھنا بہت بہت اچھا لگتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اپنی فیملی کے ساتھ دنیا کی سیر پر جاؤں۔ (دیوانے کا خواب)۔ مجھ میں بھی عام لوگوں کی طرح کچھ کچھ خوبیاں اور ”کچھ زیادہ ہی“ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ اپنی خوبیاں اور خامیاں پوچھنے کے لیے اپنی ہم جولیوں سے رابطہ کیا تو انہوں نے میرے سامنے میری ہی خامیوں کے انبار لگا دیے جن کے بوجھ تلے دبی میں سوچ کر رہ گئی کہ کیا واقعی مجھ میں بھی یہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ جن سے میں خود بھی ابھی تک لاعلم تھی؟ (مقام حیرت) اور میری ناتواں جان پر عظیم احسان کرتے ہوئے ”بچی کھچی“ خوبیاں بھی گنوا دیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ میں خوش اخلاق، قناعت پسند، پرسکون طبیعت کی مالک اور اچھی سامع ہوں۔ چونکہ میں کافی خوش اخلاق واقع ہوئی ہوں۔ اس لیے میری دوستوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ قدسیہ، رابعہ، منزہ، انیس (آنچل کی دیوانی نمبر 1) غزالہ (میری پیاری کزن) اور دادی اماں میری بہترین اور قریبی دوست ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بہترین

رشتہ بہن کا ہے۔ مجھے لائق فائق اسٹوڈنٹ بنانے میں میری ان عظیم ٹیچرز کا ہاتھ ہے۔ مس فاطمہ، مس معظمہ، مس حسرت اور مس صبیحہ صاحبہ۔ مجھے نیوز کاسٹر اور صحافی بہت اچھے لگتے ہیں۔ طلعت حسین، جاوید چوہدری، ثنا مرزا اور زید نیازی (ہمارا کیس ہے ترکِ رسوم کا ہیرو) میرے پسندیدہ صحافی ہیں۔ پاکستانی ڈرامے دیکھنا بھی بہت پسند ہے۔ جب کہ فلمیں انگلش اچھی لگتی ہیں۔ بالی ووڈ کے سارے ''خان'' میرے فیورٹ ہیروز ہیں۔ فیورٹ سنگرز فاخر، راحت فتح علی خان، ہارون، جواد احمد اور ہمیش ریشمیا ہیں۔ نمکین چیزیں کچھ خاص پسند نہیں ہیں۔ البتہ مجھے میٹھے میں سب کچھ اچھا لگتا ہے۔ ویسے میں نے خود کو Queen Of Sweet کا ٹائٹل دیا ہوا ہے۔ موسم سارے ہی اچھے ہوتے ہیں۔ مگر خزاں کے موسم میں گرتے ہوئے پتے زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ آخر میں پیارے آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔ مجھ سے مل کر آپ کو کیسا لگا؟ ضرور بتایئے گا۔

## حمیرا نورین

السلام علیکم! آنچل کے تمام اسٹاف اور قارئین کو میرا محبت بھرا سلام قبول ہو۔ ارے! آپ لوگ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کون منہ اٹھائے آنچل میں گھسی آ رہی ہے......؟ تو جناب ماہدولت کو حمیرا نورین کہتے ہیں۔ نورین نام میرے ابو جی کو بہت پسند ہے۔ میرا قد پانچ فٹ چار انچ ہے۔ آنچل میں (بلکہ کسی بھی میگزین یا رسالے میں) پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ ابھی اپینڈکس کا آپریشن ہوا ہے۔ تو مکمل بیڈ ریسٹ پر ہوں۔ سوچا کیوں نا آنچل میں انٹری دی جائے۔ امید ہے خوش آمدید کہا جائے گا۔ آنچل سے وابستگی پچھلے آٹھ سالوں سے ہے، جب آٹھویں کلاس میں تھی تب پہلی بار اپنی آنٹی سے لے کر پڑھا اور اتنا پسند آیا کہ آج تک پڑھ رہی ہوں۔ 5 ستمبر 1992 کو شاہینوں کے شہر سرگودھا کی رونق بڑھانے کے لیے آئی اور اپنے امی ابو کی پہلی اور آخری بیٹی ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ بلکہ آپ اسے نسل در نسل کہہ لیجیے کہ ہمارے خاندان میں ایک ہی بیٹی ہوتی ہے (اللہ کی مرضی)۔ ہم ایک بہن اور چار بھائی ہیں (ذیشان، ارسلان، وہاب، قوی)۔ تعلیم میٹرک ہے امی کے دل کی مریضہ ہونے کی وجہ سے تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا (وجہ وہی اکلوتا پن) لباس میں مجھے ساڑھی اور فراک بہت پسند ہے اور پہنتی بھی ہوں۔ کھانے میں سب کھا لیتی ہوں، میٹھے کی بہت زیادہ شوقین ہوں۔ خوش بو بھی اچھی لگتی ہیں لیکن استعمال کوئی نہیں کرتی۔ ہر طرح آئس کریم بہت زیادہ کھاتی ہوں۔ سردی ہو یا گرمی اور بھائیوں سے آئس کریم کی فرمائش رہتی ہے۔ بہت فضول خرچ ہوں اگر کبھی غلطی سے پیسے مجھے دے بھی گئے تو فوراً بھولی بھٹکی چیزیں یاد کر کے منگوا لیتی ہوں۔ بازار جانے سے سخت نفرت ہے۔ بالکل بازار نہیں جاتی۔ امی اور آنٹی جو لا دیں، بلاچوں چراں رکھ لیتی ہوں۔ ہنس مکھ اور باتونی بہت زیادہ ہوں۔ اپنی باتیں اپنی ہم عمر آنٹی (اور دوست) سدرہ، مہرین اور اس کے بعد امی سے شیئر کرتی ہوں۔ اگر زیادہ بور ہو رہی ہوں تو چھت پر چلی جاتی ہوں اور اپنی دوست اور کزن، فرح اور ثوبیہ سے گپ شپ لگا لیتی ہوں۔ بچوں میں مجھے اپنی بھتیجی آمنہ اور منااہل سے بہت زیادہ پیار ہے۔ آمنہ ایک سال اور منااہل آٹھ ماہ کی ہے اور ماشاء اللہ اتنی کیوٹ ہیں (بالکل میری طرح) ہم اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف۔ خوبیاں مجھ میں زیادہ تو نہیں لیکن جو ہیں وہ تو بتا دوں بہت حساس ہوں، کسی کے ساتھ ظلم ہوتا دیکھ نہیں سکتی اور اگر سن لوں تو اتنے دن تک دل و دماغ پر حاوی رہتا ہے۔ جھوٹ نہ بولوں اس کی سر توڑ کوشش کرتی ہوں اور کافی کامیاب بھی رہتی ہوں۔ اگر کوئی غلطی کرتی ہوں یا کسی کا دل دکھاتی ہوں تو احساس ہونے پر فوراً معافی مانگ لیتی ہوں۔ کسی کو ناراض نہیں کر سکتی۔ (اتنی ہمت ہی نہیں ہے)۔ جہاں تک خامیوں کی بات ہے تو وہ ہر انسان میں ہوتی ہیں مکمل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مجھ میں بہت زیادہ خامیاں ہیں۔ ایک تو ناپسندیدہ بات پر فوراً غصہ آ جاتا ہے۔ (جسے کنٹرول کرنے میں کافی حد تک کامیاب بھی رہتی ہوں) اور جب کسی بات پر زیادہ غصہ آتا ہے تو بہت بولتی ہوں جو دوسروں کی دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔ جس کا احساس بعد میں ہوتا ہے۔

(کہیں آپ لوگ بور تو نہیں ہو رہے اور اگر ہو رہے ہیں تو کوئی بات نہیں تھوڑی دیر اور برداشت کر لیں۔) میری آئیڈیل شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد میرے ابو جی ہیں۔ جنہیں نے بڑی سے بڑی مشکل میں صبر سے کام لیتے دیکھا ہے۔ میرے امی ابو میری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ بھائیوں سے بہت لڑائی ہوتی ہے لیکن وہ بھی مجھے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا اندازہ پہلے نہیں تھا لیکن اب بیمار ہونے پر ادراک ہوا اور یقین جانیے بہت خوشی بھی ہوئی۔ ایک بہن کی کمی ہر قدم پر اور دادا دادی کی کمی (اس وقت جب کسی کو اپنے پوتے پوتیوں سے لاڈ پیار کرتے دیکھتی ہوں) بہت محسوس ہوتی ہے۔ لگتا ہے تعارف لمبا ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ آپ لوگ دھکے دے کر باہر نکالیں (دو منٹ اور) شعر و شاعری مجھے بالکل پسند نہیں (سوری) شاعری میرے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے۔ میری فرینڈز مجھے بد ذوق کہتی ہیں۔ پسندیدہ کہانیوں میں ''محبت دل پہ دستک'' ''یہ جو ریگِ دشتِ فراق ہے''، ''دشتِ آرزو''، ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' بلکہ آنچل کی جتنی بھی کہانیاں ہیں سب بہت بہت اچھی ہیں۔ تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔ کسی ایک کی تعریف کرنا باقی دوسروں سے زیادتی ہوگی۔ اسی کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہمارے پاکستان کی حفاظت فرمائے آمین۔ سب کو ڈھیروں دعائیں اور سلام۔

میرا انٹرویو کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔ اللہ حافظ۔

# سدرہ شاہ

السلام علیکم! جی میں سدرہ شاہ ذات ہماری سید ہے۔ راولپنڈی کی رہائشی ہوں۔ تاریخ پیدائش 17 جولائی ہے اور اسٹار سرطان ہے اور اس کی سب خوبیاں اور خامیاں مجھ میں ہیں۔ ہم چار بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ ایک بہن کی وفات ہوگئی ہے۔ وہ چودہ سال کی تھی اور ایک بھائی چھوٹا ہے۔ باتیں اتنی کرتا ہے بندہ رونے والا ہو جاتا ہے اور بڑی بھابی ہیں جو دنیا کی بہترین بھابی ہیں۔ چھوٹی بہن بی اے فائنل میں ہے۔ ابو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور امی بہت اچھی ہیں اور بہت صبر والی ہیں۔ کوئی ان کو کچھ بھی کہے وہ کبھی جواب نہیں دیتی ہیں۔ اللہ ان کو لمبی زندگی دے آمین۔ رنگوں میں سفید و سیاہ پسند ہے۔ اور شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹا پسند ہے۔ موسم خزاں کا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ کیونکہ دل کا حال بھی کچھ خزاں جیسا ہے۔ زندگی میں بہت دکھ ہیں۔ اتنے کہ وقت ختم ہو جائے گا۔ خوشیاں بھی ہیں لیکن کم ہیں۔ میں تنہائی پسند ہوں اس لیے گھر پر ہی رہتی ہوں۔ مجھے سب سے زیادہ نفرت بازار جانے سے ہے۔ چار دن پہلے میری اک دوست کی وفات ہوگئی ہے۔ میں نے زندگی میں صرف دو بہترین دوست بنائی ہیں ایک تو کہیں چلی گئی آج تک اس کا پتا نہیں ہے۔ اس کا نام ثنا تھا اور وہ شاہدرہ کی تھی اگر وہ پڑھ رہی ہے مجھ سے رابطہ کرے لیکن وہ شاید بھول گئی ہو کیونکہ چھ سال ہوگئے ہیں اور حنا میری بہترین دوست ہے۔ ہماری کچھ دن کی دوستی میں اس نے اتنا پیار دیا ہے کہ شاید ہی کوئی دے سکے۔ کیا کوئی اور میری بہترین دوست بنے گی؟ مجھے فیشن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ باتیں بہت کرتی ہوں جب بولنا شروع ہوتی ہوں پھر چپ نہیں ہوتی۔ منافق لوگوں سے نفرت ہے۔ کھانے میں مجھے سبزی اور دال پسند نہیں باقی سب کچھ پسند ہے۔ چائے ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی دن میں سو بار بھی دے تو پی لوں گی۔ مجھے سب سے زیادہ پیار ابو سے ہے اور امی سے بھی ہے لیکن ابو سے بہت زیادہ ہے۔ دعا کریں اللہ ان کو جنت میں جگہ عطا کرے اور امی کو لمبی زندگی دے آمین۔ مجھے ایک ایسی دوست کی تلاش ہے جس سے اپنی ہر بات ہر دکھ کہہ سکوں اور اچھی عادتیں کوئی خاص نہیں۔ ہاں میرے خاندان والے کہتے ہیں تم رشتوں کو بہت اچھی طرح نبھاتی ہو اور تم میں خلوص بہت ہے اور بری عادتوں میں ایک تو غصہ بہت آتا ہے اور پھر گھر میں برتن کم ہو جاتے ہیں اور ایک مجھے جو اپنی عادت بری لگتی ہے وہ یہ ہے میں محبت بھی جنون کی حد تک کرتی ہوں اور نفرت بھی جنون کی حد تک۔ ان اشعار کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔

بکھری ہوئی لاشوں پر سیاست نہ کرو تم
انسان کو اس درجہ تماشا نہ بناؤ



# آنچل کے ہمراہ

ادارہ

رومان ملک...... جھنگ صدر

۱:۔ عید کا دن تو خوشیاں لاتا ہے ناں؟ لیکن ملکی حالات جس قدر بدتر ہو چکے ہیں دہشت گردی اور مہنگائی کا بڑھتا ہوا طوفان ان حالات میں غریب عوام متوسط طبقہ جو اپنی سفید پوشی کا بھرم مشکل سے رکھ رہے ہیں کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہوگا اس دن معصوم بچوں کی آنکھوں میں چھلکتے آنسوؤں اور ادھوری خواہشوں سے نظریں چرانا۔ اللہ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو ہدایت دے آمین۔

۲:۔ عید اور آنچل واؤ بیوٹی فل مکس ملے جلے احساسات بس خوش گوار ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے تو آنچل ختم کرنے کی جلدی ہوتی ہے باقی کام بعد میں اور ساتھ ساتھ مما جانی کی ڈانٹ لیکن ہم آنچل کو لے کر کافی ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں۔ آنچل سے متعلق ایک کان سے سنو دوسرے سے نکال پھینکو۔ گھر میں سبھی میرے آنچل پڑھنے کے خلاف ہیں۔ پچھلے دنوں جب میں عمرے پر جانے لگی تو سب نے کہا اب تو آنچل پڑھنا چھوڑ دو گی ناں؟ اور جواباً میری خاموشی اور واپسی پر جب میں نے شعیب سے کہا پلیز جلدی سے مجھے جون جولائی کا آنچل تو لا کر دو تو سب کی حیرانگیاں عروج پر تھیں ارے تم نے آنچل پڑھنا ابھی بھی نہیں چھوڑا" سارا دن جھوٹ پڑھتی ہو" لیکن میں تو میں ہوں ناں آنچل سے بہت کچھ سیکھا ہے تو اس سے ناتا کیسے توڑ سکتی ہوں؟

۳:۔ عید کا دن ہمیشہ مختلف ہوتا ہے باقی عیدوں سے فرینڈز کو فون اور میسج کے لیے آنچل سے کوئی اسٹوری پڑھ لی یا پھر کوئی مووی دیکھ لی۔ کبھی کبھار عید کا سارا دن مہمانوں کی خاطر مدارت میں گزر جاتا ہے یا کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید کا پورا دن سو کر گزار دیتی ہوں لیکن مجھے عید کا دن اپنی فرینڈز کے ہمراہ کسی پکنک سپاٹ پر گزارنا زیادہ پسند ہے۔

۴:۔ عیدیں تو ساری ہی بہت خوش گوار گزرتی ہیں بہت کم ہی ہم کہیں جاتے ہیں 3 سال پہلے میرے ننھیال والے ملتان سے آئے تھے عید پر اور ہم مل کر بیٹھ گئے تھے تو وہاں پر بہت انجوائے کیا تھا اور ہاں یاد آیا 2009ء میں عید کی صبح میں کپڑے پریس کر رہی تھی کہ اتنے میں باہر مہمان آگئے شور کی آواز سن کر تجسس کے مارے یہ دیکھنے نکلی کہ کون آیا ہے یہ پروا کیے بغیر کہ آئرن کا سوئچ آف نہیں کیا بس پھر کیا تھا یار واپس اندر جا کر کپڑے پریس کرنے کے لیے استری شلوار پر رکھی تو استری صاحبہ بغیر کسی تکلف کے آرام سے شلوار کی ایک سائیڈ ہضم کر کے اٹھ گئیں۔ بس پھر جو مما سے ڈانٹ پڑی کچھ مت پوچھو ایک نئے سوٹ کا افسوس اوپر سے مما کی ڈانٹ کا غم۔ سو وہ عید کبھی نہیں بھولے گی۔

۵:۔ عید الفطر کو میٹھی عید اور سویوں والی عید بھی کہتے ہیں تو اگر سویاں نہیں بنیں گی تو مزہ نہیں آئے گا۔ ہمارے ہاں عید الفطر کے موقع پر ڈش "میٹھی سویاں" یا شیر خرما ہوتی ہے باقی تو کچھ نہ کچھ بنتا ہی رہتا ہے آج کل کوکنگ ڈیپارٹمنٹ میں نے سنبھالا ہوا ہے۔ جب تک فارغ ہوں ناں تو مما مجھے کوکنگ ایکسپرٹ بنانے پر لگی ہوئی ہیں اس عید پر "کریمل سویاں" میں ہی بناؤں گی۔ تم لوگ بھی آ جانا کھلاؤں گی یار لیکن تعریف شرط ہے ورنہ چکھنے بھی نہیں دوں گی۔

زینب احسن زیبی...... منصور آباد فیصل آباد

۱:۔ پورے ملک میں نفسانفسی کا عالم ہے ہر شخص کو صرف اپنی بھوک سے غرض ہے اگر کوئی شخص اپنے بچے کے لیے دو جوڑے عید کے خرید رہا ہے تو کیا حرج ہے کہ وہ کسی غریب شخص کا سوچ کر اپنے بچے کے لیے ایک اور ایک غریب بچے کے لیے خرید لے۔ غریب شخص تو اپنی اولاد کی بنیادی ضروریات کو ہی پورا نہیں کر پا رہا کیسے اپنے بچوں کی کپڑوں کی جوتوں کی ضد پوری کر سکتا ہے ایک گھر میں کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں لیکن بچے تو اس بات کو نہیں سمجھتے نا۔ ان کے لیے تو اپنی خواہشات ہی مقدم ہیں۔ جب وہ ہی پوری نہیں ہوگی تو کس طرح عید کے دن بچوں کے چہروں پر چمک آئے گی کیسے ماں باپ بے فکری کی ہنسی ہنسنے لگیں کہ ان کے بچے ہی عید سے لطف اندوز

نہیں ہو رہا ہے کہ عید تو بچوں کی ہی ہوتی ہے۔ عید تو خوشی کا نام ہے لیکن یہ آج کی عید کیسی عید ہے کہ چہروں پر خوشی تو کیا کوئی امید بھی نظر نہیں آ رہی۔ اب وہ ماضی کی عیدوں کی رونقیں خواب ہو کر رہ گئی ہیں۔

۲:۔ عید اور آنچل ساتھ ساتھ آیا یہ تو ڈبل خوشی ہوگی عید کے ساتھ ساتھ آنچل کی انجوائے منٹ تو سونے پر سہاگہ ہے۔

۳:۔ عید مجھے اپنے سارے ماموؤں کی فیملیوں کے ساتھ گزارنا پسند ہے۔ نانا ابو کے گھر میں سارے ننھیال کی گیدرنگ سے بہت مزہ آتا تھا۔ ہم لوگ بہت انجوائے کرتے ہیں ہر سال عید کی شام باجی ارم جنید اور باجی بشریٰ کے نام ہوتی ہے شام کو میں گھر آ جاتی ہوں وہ لوگ بھی آ جاتی ہیں پھر خوب باتیں اور ساتھ میں کھانا پینا لگا رہتا ہے۔ ایسے وقت میں اپنی بیسٹ فرینڈ ارم کو بہت مس کرتی ہوں کیونکہ میری تینوں فرینڈز میں بس وہی نہیں ہوتی اور رہی بات کیسے تو جناب عید کا دن "ویلے" رہ کر اور ٹی وی دیکھ کر گزرتا ہے۔ خوب مزے ہوتے ہیں۔

۴:۔ تقریباً آٹھ سال پہلے کی عید کو بڑے ماموں خالد کے فرزند ارجمند معاویہ رشید صاحب کی آمد نے یادگار بنا دیا ماموں کے ہاں 12،13 سال بعد اولاد ہوئی تھی اور وہ بھی عید والے دن پورے خاندان میں یہ خبر منٹوں میں نشر ہوگئی سب بہت خوب تھے۔ پوری فیملی والے کہہ رہے تھے کہ اس کا نام عید رکھ دو نانا ابو تو اتنے خوش تھے کہ انہوں نے معاویہ کے نام کے ساتھ اپنا نام لکھوا دیا تھا۔

۵:۔ میری امی فرائی چکن بہت مزے کا بناتی ہیں۔ کافی سالوں سے ہمارے گھر کی ریت بن چکی ہے ابو بھائی وغیرہ ناشتے میں سویاں وغیرہ لے کے نماز عید پڑھنے چلے جاتے ہیں۔ ان کے آتے ہی دسترخوان لگ جاتا ہے۔ پھر گیارہ بجے تک جو مہمان بھی آتا ہے یعنی ماموں وغیرہ تو ان کی ضیافت بھی اسی سے کی جاتی ہے۔ ساتھ میں کولڈ ڈرنک چنا چاٹ اور سویاں وغیرہ ہوتی ہیں۔

سدرہ اسلم ...... کبیر والا

۱:۔ آج ہمارے ملک کے وہ حالات ہیں کہ عید جیسے تہواروں پر بھی دل مرجھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلے جیسے عیدوں پر خوشیاں ہوتی تھیں اب ویسا کچھ باقی نہیں رہا ہے جس کی وجہ ہمارے ملک کی دن بہ دن بگڑتے ہوئے حالات ہیں۔

۲:۔ میری زندگی میں آنچل اور عید دونوں بہت اہم ہیں جب ہر ماہ آنچل ہاتھ میں آتا ہے تو عید ہو جاتی ہے جب عید اور آنچل ساتھ ساتھ ہوں گے تو ڈبل مزہ آئے گا۔

۳:۔ میری خواہش ہے کہ میں عید آنچل کے اسٹاف آنچل کی رائٹرز اور ہر قاری بہن کے ساتھ گزاروں لیکن نہیں ہوسکتا تو بس فیملی اور فرینڈز کے ساتھ ہی عید گزارتی ہوں۔

۴:۔ بہت سی یادگار عیدیں ہیں کس کس کا ذکر کروں ہاں ایک عید ایسی یادگار ہے کہ میری میرے کزن کے ساتھ شرط لگی کہ اس بار 29 روزے ہوں گے وہ کہتا کہ نہیں 30 ہی ہوں گے تو بس پھر ساڑھے گیارہ بجے اعلان ہوا کہ صبح عید ہے تو میں بھاگی چاچو کے گھر پھر تو بس ایک دھما چوکڑی کی آواز آئی دوستوں چائے کیا ہوا تھا میرا سر پھٹ گیا تھا شرط جیتنے کی خوشی میں آگے مجھے کچھ نظر نہیں آیا تھا میں بھی اپنے نام کی ایک ڈھٹائی سے کہہ رہی تھی کہ پھر کیا ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے میرے لیے پورے روزے رکھنے کا تو یہ چاند رات بڑی یادگار تھی۔

۵:۔ میں اس معاملے میں بہت ہی بدتمیز ہوں کیونکہ میں عید والے دن کچھ کھاتی ہوں تو بنانے کا کب سوال پیدا ہوتا ہے ہاں میری پیاری امی جان کچھ ہاں جو خوب اہتمام کرتی ہیں۔

آنچل کے پورے اسٹاف رائٹرز اور ہر لکھنے والی (خوب صورت میرے جیسی) آنچل فرینڈز اور میری کالج فرینڈز فیملی والوں کو میری طرف سے بہت بہت رمضان اور عید مبارک ہو۔ اللہ پاک آپ سب کو سلامت رکھے آمین۔

صنم ناز ...... گوجرانوالہ

۱:۔ عید جیسا تہوار ہے اور مہنگائی اپنے عروج پر۔ یہ تہوار ایسا ہوتا ہے جس پر امیر لوگ تو خریداری کرتے ہیں لیکن غریب لوگ ان کے بچے بھی اسی دن کے شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ جب وہ نئے کپڑے نئے جوتے خرید سکیں گے لیکن یہ مہنگائی ان غریبوں کے ارمانوں کا خون ہے۔



۲:۔ ظاہری سی بات ہے یوں لگتا ہے دوگنی عید ہوگی ہے۔ یوں سمجھ لے ہمیں آنچل ٹیم کی طرف سے سرپرائز اور گفٹ مل جاتا ہے۔

۳:۔ اپنی فیملی کے ساتھ لیکن ایک ہستی ایسی ہے اگر وہ ساتھ ہو تو عید کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ وہ ہے میری دوست "میری زندگی" لیکن تین سال ہوگئے مجھے اکیلے عید کرتے۔ پہلے دن تو سب فیملی ممبرز آتے ہیں ان سے عیدی لیتے ہیں اور خوب ساری دشمن بنائی جاتی ہیں۔ دوسرے دن میں ہوتی ہوں میرا ایکسپریس اور میری [illegible]

۴:۔ جب میری دوست عید کارڈ بھیجتی تھی یا پھر خود ملنے آتی تھی وہ عید میرے لیے [illegible] بن جاتی تھی۔ ہم پارک جاتے تصویریں بنواتے [illegible] گھومتے پھرتے تھے۔ اب میں [illegible] کرتی ہوں لیکن اب میں اپنی عید اپنے ابا اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کرتی ہوں کیونکہ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں اور جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں ان کی دل سے قدر کرتی ہوں۔

۵:۔ عید کے دن خصوصی اہتمام تو ہوتا ہے لیکن آلو چنے دہی بڑے ایسی چیزیں ہیں جو ضرور بنائی جاتی ہیں۔

امن ...... کچا

۱:۔ اس روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی سے عید کا تہوار بہت زیادہ متاثر ہو رہا ہے ایک طرف مہنگائی تو دوسری طرف بم دھماکے کوئی بھی عید کی خوشیوں کو ڈھنگ سے نہیں منا سکتا۔

۲:۔ اگر عید اور آنچل ساتھ ساتھ آجائیں تو کیا ہی مزہ ہوگا۔ اس دفعہ تو آنچل کے ہمراہ عید کا بہت ہی مزہ آئے گا۔

۳:۔ ہم سب دوستیں عید کا دن ایک ساتھ گزارتی ہیں اور اس دن ہم ہوتے ہیں اور ہماری دوستیں ہم خوب شرارتیں اور ہلا گلا کرتی ہیں۔

۴:۔ ایک عید پر ہم سب دوستیں پاور ہاؤس گئی تھیں ہمارے ساتھ ایک دوست کی امی بھی گئی اور کسی کو بھی ہم بتا کر نہیں گئے لیکن ادھر جا کر اس دوست کے بھائی نے اتنی عزت افزائی کی ہماری نہیں بلکہ اپنی بہن اور امی کی اس عید پر ہمیں مزا بھی بہت آیا تھا اور پھر تو بہ بھی کرلی ادھر اکیلے جانے کی۔

۵:۔ ہم ہر عید پر سویاں اور دہی بھلے بناتے ہیں اور یہی ہماری روایت بھی ہے۔

## آنچل کے ہمراہ

۱) آنچل پڑھتے ہوئے اکثر ایک بات جو ذہن میں گردش کرتی ہو؟

۲) آنچل کا کوئی خاص شمارہ جس کا شدت سے انتظار ہو اور وہ نہ ملے تو آپ کیا کرتی ہیں؟

۳) کبھی بار بار چکر لگانے کے باوجود آنچل کا شمارہ نہ ملنے پر بک اسٹال والے سے جھگڑا ہوا؟

۴) آنچل کی کوئی ایک خاص بات جو اسے دوسرے ہم عصر تمام رسائل سے منفرد بناتی ہے؟

۵) اب تک آنچل میں شائع ہونے والی ایسی تحریر جس کا اختتام آپ کو پسند نہ آیا ہو اور آپ نے بے ساختہ خود اسے تبدیل کرنی کی خواہش کی ہو؟

آپ ان سوالات کے جوابات 10 اکتوبر تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کرسکتی ہیں۔

ادارہ



www.paksociety.com

# وہ اجنبی مگر اپنا سا

نادیہ فاطمہ رضوی

ملا تھا ہجر کے رستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک
میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں آخر
جو مجھ میں زندہ ہے خود میری ذات ہونے تک

"مہک کی بچی! اگر پوائنٹ نکل گیا نا تو میں تجھے کچا چبا جاؤں گی۔ جلدی جلدی قدم بڑھاؤ کیونکہ اتنی گرمی اور حبس زدہ گرمی میں پبلک ٹرانسپورٹ میں دھکے کھانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔ سمجھیں!" نیناں دانت کچکچا کر قدم تیز تیز بڑھاتے ہوئے بولی جب کہ مہک کو پتنگے ہی لگ گئے۔

"اچھا! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! بانیہ سے باتوں میں کون لگا ہوا تھا؟ میرے بار بار ٹوکنے کے باوجود بڑے سکون سے تم کہہ رہی تھیں کہ ذرا صبر کرو۔ اب بھگتو! مجھے کیوں الزام دے رہی ہو؟"

"وہ......وہ......میرے ذہن ہی سے نکل گیا تھا کہ ہمیں پوائنٹ پکڑنا ہے۔" مہک کی بات پر نیناں کھسیانی ہو کر بولی۔

"ہاں......ہاں تمہارا ذہن نہ ہوا چائے کی چھلنی ہو گئی کہ ہر بات نکل ہی جاتی ہے۔" مہک طنزاً بولی۔ نیناں جواب دینے ہی والی تھی کہ اچانک پارکنگ گراؤنڈ کے ایک جانب عجیب و غریب منظر نے اسے اچھا خاصا بوکھلا دیا۔

"مہک! وہ دیکھو کچھ لڑکے ایک بندے کو مار رہے ہیں۔ چلو چل کر دیکھتے ہیں۔"

"کیا! پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تم...... نہ جانے کس قسم کا جھگڑا ہے اور بات کہاں تک جا پہنچے بلاوجہ ہم بھی کام میں آ جائیں گے۔ تم جلدی جلدی قدم اٹھاؤ ٹارزن بننے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔" مہک بے ساختہ اس کا بازو کھینچتے ہوئے چڑ کر بولی۔

"نہیں مہک! تم یہیں ٹھہرو میں جا رہی ہوں۔" نیناں مہک کی بات کو نظر انداز کرتے تیزی سے بولتی پارکنگ گراؤنڈ کی جانب بڑھ گئی جب کہ مہک "ارے ارے" [illegible] وہ چار لڑکے جو بڑی سہولت سے اس بندے پر ہاتھ صاف کر رہے تھے نیناں کو آتا دیکھ کر اپنی بائیک پر سوار ہو کر زن سے بھاگ گئے۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا!" نیناں اس شخص کے پاس جا کر اپنی پھولی پھولی سانسوں کو ہموار کرتے ہوئے بمشکل بولی' جو اپنی پھٹی ہوئی شرٹ کی آستین سے ہونٹوں کے کنارے سے نکلتے خون کو صاف کر رہا تھا۔ نیناں کے سوال پر پوری جان سے سلگ گیا۔

"محترمہ! کیا آپ کی آنکھیں کمزور ہیں۔ میں

آپ کو کہاں سے ٹھیک نظر آ رہا ہوں؟ ان خبیث جرائم پیشہ افراد نے میرا اسیل فون اور والٹ چھیننے کے ساتھ ساتھ مجھے مارا پیٹا اور آپ پوچھ رہی ہیں کہ میں ٹھیک ہوں؟" فارس علی نے تلملا کر کہا تو چند ثانیے کے لیے نیناں اس شخص کے اکھڑے رویے پر بھونچکا ہو گئی۔ ایک تو وہ اس کے ساتھ ہمدردی کر رہی تھی اور وہ شخص خوامخواہ ہی اس پر بگڑ رہا تھا۔ "راستہ دیجئے مجھے اپنی گاڑی نکالنی ہے۔" وہ انتہائی ترشی سے بولا۔ نیناں غالباً اس کی گاڑی کے اگلے دروازے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔

"کمال کے انسان ہیں آپ! میں انسانی ہمدردی کے تحت اتنی دور سے اپنا پوائنٹ مس کر کے آپ کی طرف آئی کہ کہیں وہ لڑکے آپ کی جان کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں اور آپ بجائے میرا شکریہ ادا کرنے کے مجھ سے اتنی بداخلاقی سے پیش آ رہے ہیں؟"

"کیا ہوا نیناں! سب ٹھیک تو ہے نا؟" نیناں کا غصے سے سرخ چہرہ دیکھ کر مہک قریب آ کر بولی تھی۔

"اچھا تو میں آپ کا شکریہ ادا کروں کہ میرا آئی فون جو تقریباً ستر ہزار کا تھا اور میرا والٹ جس میں رقم بھی خاصی بھاری تھی جو اس یونیورسٹی میں مجھ سے چھن گئی یا میری یہ شرٹ جو پاپا نے مجھے میری سالگرہ پر دی تھی جو مجھے اپنی جان سے عزیز تھی۔ یہ تمام نقصانات ہونے کا شکریہ ادا کروں۔"

عجیب بد دماغ آدمی تھا۔ نیناں کے ساتھ ساتھ مہک بھی حیرانی سے اسے تکتی رہ گئی۔ فارس نے اسے انتہائی بیزار نگاہوں سے دیکھا اور پھر خود ہی بت بنی نیناں کو ایک طرف کر کے دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تب کہیں نیناں اور مہک کا سکتہ ٹوٹا۔

"دیکھیے مسٹر! آپ کو اتنی تمیز بھی نہیں کہ آپ ہم سے یہی پوچھ لیں کہ......"

"آپ میرا اور اپنا وقت ضائع مت کریں اوکے!" فارس اس کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے گاڑی کو ریورس کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر نیناں کے تلووں سے لگی اور سر پر بجھی۔

"ایک منٹ مسٹر بدتمیز! آپ کی وجہ سے ہمارا پوائنٹ مس ہوا ہے لہٰذا آپ ہم دونوں کو ہمارے گھر ڈراپ کریں گے سمجھے!"

"نیناں کی بچی! اتنی بے عزتی کے بعد بھی تمہارا مزید ذلیل ہونے کا ارادہ ہے تو تم شوق سے ہوتی رہو میں پیدل ہی جا رہی ہوں اور ہاں آج خالہ جان کو تمہاری یہ کارستانی ضرور بتاؤں گی۔" مہک کڑے تیوروں کے ساتھ بولی تو پہلی بار فارس نے مہک کی جانب دیکھا۔

"اپنے ساتھ اپنی ان سہیلی کو بھی لے جائیے مجھے لڑکیوں کو لفٹ دینے کا قطعاً شوق نہیں ہے۔" فارس کی اتنی جلتی سلگتی بات سن کر نیناں کی آنکھوں میں احساس اہانت سے آنسو آ گئے۔

"خاموش ہو جائیں مسٹر! آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ یوں میری توہین کریں [illegible] ہوں آپ کی گاڑی پر [illegible] تو بھی آپ کی گاڑی میں نہیں بیٹھوں گی۔" نیناں اپنے آنسوؤں کو ضبط کر کے بمشکل بولی تو ایک لمحے کے لیے فارس نے نیناں کی بھیگی پلکوں کو دیکھا اور پھر اگلے پل گاڑی ریورس کر کے [illegible] لے اڑا۔

"[illegible] نیناں! مجھے اس شخص کا ذہنی توازن ہی ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔" مہک نیناں کی اندرونی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کی دل جوئی کی غرض سے بولی جب کہ نیناں خاموش رہی۔ دو دن وہ شخص نیناں کے حواس پر چھایا رہا اور دو دن اس نے اس کو خوب کوسا برا بھلا کہا تھا اور پھر وہ شخص اس کے ذہن سے



نکل گیا۔

✿ ✿ ✿

مہک کا بہت اچھا رشتہ آیا تھا مگر مہک صاحبہ فی الحال شادی کے جھنجٹ میں پڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ مہک اور نیناں دونوں خالہ زاد بہنیں تھیں اور ایک ہی محلے میں رہتی تھیں۔

"آپا دیکھو! اس بے وقوف لڑکی کو [illegible] ایسے رشتے جمعہ بازار میں تھوڑی بکتے ہیں کہ یہ پسند نہیں آیا تو اگلے جمعہ کو جا کر دوسرا لے آئیں۔" سمیرا بیگم پریشان ہو کر اپنی بڑی بہن حمیرا سے بولیں۔

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو سمیرا! یہ رشتہ تو ہمارا دیکھا بھالا ہے آپا جمیلہ کا لڑکا ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ رشتے اچھوں میں ہی بچتے ہیں۔" حمیرا ناامیدی انداز میں بولیں۔

"اور آپا پھر برابری بھی تو دیکھنی چاہیے۔ ہماری جو حیثیت ہے لگ بھگ آپا جمیلہ کی بھی یہی ہے ورنہ اونچے لوگوں میں بیٹی دے کر خوامخواہ انسان احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔" سمیرا بیگم روانی میں بولتی چلی گئیں اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئیں۔ انہوں نے بے ساختہ اپنی بہن کے چہرے کی جانب دیکھا جو حزن و ملال کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"معافی چاہتی ہوں آپا! میرا مطلب یہ نہیں تھا میں تو بس ایسے ہی ایک عام سی بات کر رہی تھی۔"

"میں جانتی ہوں سمیرا! تمہارا مقصد میری دل آزاری کرنا نہیں تھا' یہ تو شاید ہمارا نصیب تھا کہ ہم اپنے سے اونچا گھرانا دیکھ کر آج اپنے ہاتھ پیر کٹوا کر بیٹھے ہیں۔" افسردگی سے بولتے بولتے آخر میں حمیرا بیگم نے ایک ٹھنڈی آہ فضا میں خارج کرتے ہوئے کہا۔

"آپا! تم فکر مت کرو۔ ان شاء اللہ اپنی نیناں کا نصیب بھی چاندی کی طرح چمکے گا۔"

"اللہ تمہارا [illegible] پورا کرے۔" حمیرا بیگم بے ساختہ بولیں پھر کچھ یاد آنے پر گویا ہوئیں۔ "بس سمیرا! تم جمیلہ آپا سے مہک کے لیے بسم اللہ کرو یہ رشتہ ہاتھ سے [illegible] مت گنوانا۔"

"ہاں آپا! میں آج ہی مہک کے بابا سے مشورہ کر کے آپا جمیلہ کو ہاں کہہ دیتی ہوں۔" سمیرا بیگم خوش دلی سے بولیں۔

✿ ✿ ✿

صبح یونیورسٹی جانے کے لیے جلدی جلدی تیار ہوتے ہوئے اچانک نیناں کی نظر دیوار پر آویزاں کیلنڈر پر پڑی۔

"چوبیس ستمبر! اوہ تو آج ستمبر کی چوبیس تاریخ ہے؟" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ بالوں پر تیزی سے چلتا برش یک لخت رک گیا۔ "آٹھ سال! آج پورے آٹھ سال ہو گئے۔ کیا آٹھ سال کا عرصہ کم ہوتا ہے؟" وہ آئینے میں ابھرتے اپنے عکس کو دیکھ کر خود سے گویا ہوئی۔

"نیناں! جلدی سے باہر آ جاؤ' ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" امی کی آواز آئی تو وہ اپنے دھیان سے چونکی۔

"جی امی! آ رہی ہوں۔" وہ جلدی سے برش ڈریسنگ پر پٹخ کر بیگ سنبھالتی باہر کی جانب لپکی۔

"بہت پریشان کر رکھا ہے تم نے سروش! ہماری ساری امیدیں تم سے وابستہ ہیں مگر دکھائی ایسا دے رہا ہے کہ تم ان سب پر پانی پھیرنے پر آمادہ ہو۔" آج پھر سروش کی شامت آئی ہوئی تھی' وہ حسب معمول سر جھکائے خاموشی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔

"پاپا پلیز! کیوں سروش کو ڈانٹ رہے ہیں؟ اتنی محنت تو کر رہا ہے' دن رات پڑھتا ہے اور اس کے

ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی کرتا ہے۔" نیناں عاجزی سے پاپا کو ٹوک کر بولی۔

"ہاں! ایک میں ہی غلط ہوں تم لوگوں کا دشمن ہوں نا! واقعی میں نے ایک اچھا باپ ہونے کا فرض بھی ادا نہیں کیا۔" پاپا انتہائی جذباتی ہوگئے تو سروش اور وہ گھبرا کر ان کی جانب لپکے۔

"پاپا! آپ بالکل پرسکون ہوجائیں اور یہ ساری منفی باتیں اپنے ذہن سے نکال دیں آپ نے بہت اچھی طرح سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اللہ پر بھروسا رکھیں پاپا! مایوسی کفر ہے۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" بیس سالہ سروش کتنی سنجیدگی اور بردباری سے پاپا کو سمجھا رہا تھا۔

"سروش! میں نے نیناں کے ساتھ بہت ناانصافی کردی۔ میں اس کا قصوروار ہوں۔ حالانکہ تمہاری ماں نے مجھے بہت منع کیا تھا مگر محبت و احترام کی پٹی میری آنکھوں میں ایسی بندھی کہ مجھے اپنی بچی کی خوشیاں دکھائی نہ دیں۔" پاپا سروش کا ہاتھ پکڑ کر روہانسے ہوکر بولے۔

"پاپا! میرے پیارے پاپا جانی! آپ نے کوئی ناانصافی نہیں کی آپ پلیز خود کو گناہ گار سمجھنا چھوڑ دیں۔ ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔" نیناں پاپا کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں بولی۔

"آپ مجھ پر بھروسا رکھیے پاپا! میں ضرور ان کو ڈھونڈ لوں گا اور آپ کے سامنے لے کر آؤں گا پھر آپ اور باجی جو چاہیں وہی کیجیے گا۔"

"سچ سروش! تم اس کو ڈھونڈ لوگے نا......! مجھ سے وعدہ کرو۔" پاپا سروش کی بات پر یک دم خوش ہوکر بولے۔

"جی پاپا! پکا وعدہ! میں ضرور ان لوگوں کو ڈھونڈ لوں گا۔" سروش یقین آمیز لہجے میں بولا تو پاپا نے اسے اپنے گلے سے لگالیا جب کہ نیناں نے چپکے سے اپنی پلکوں پر آنے والے موتیوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے سمیٹ لیا۔

❁ ❁ ❁

"نیناں! اس گلی میں یہ ہمارا تیرہواں چکر ہے۔ میری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں کمینی! کیوں میری جان کی دشمن بنی ہو! ایک تو سورج سوا نیزے پر ہے۔ پیاس بھوک اور گرمی سے برا حال ہے مگر تمہارے طواف میں کمی نہیں آرہی۔ ارے بھاڑ میں ڈالو سر احمر کا گھر......" مہک گلی میں داخل ہونے سے پہلے نیناں کو آواز بلند سناتے ہوئے بولی۔

"میری اچھی بہن! بس ایک بار اور اس ایریا کا چکر لگالیتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے نا سر احمر کی بیگم کا آج سوئم ہے ہمیں ضرور شرکت کرنی چاہیے۔" مہک کو پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما دیکھ کر نیناں لجاجت سے بولی۔

"فی الحال تو ہمارے قتل کا بندوبست تم اچھی طرح کررہی ہو نیناں بی بی! میں اب ایک بھی قدم آگے نہیں بڑھاؤں گی۔ ہاں!" مہک دہائی دیتے ہوئے بولی اور ایک بنگلے کے باہر بنی گھاس پر دھپ سے بیٹھ گئی۔

"مہک منگی لگ رہی ہو یہاں اس طرح بیٹھی ہوئی...... چلو اٹھو میرے ساتھ چلو۔"

"میں اب ایک قدم بھی نہیں اٹھاؤں گی۔ تم شوق سے یہاں کے پچاس چکر لگاؤ۔" مہک نے اسے بری طرح جھنڈی دکھائی تو ناچار نیناں خود ہی ایک بار پھر تندہی سے سر احمر کا گھر ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی۔ گھروں کے باہر لگی نیم پلیٹوں کو غور سے دیکھتے دیکھتے اچانک وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ اس کا مطلوبہ پتا سامنے تھا۔ بڑے جوش سے اس نے کال بیل بجائی تو چوکیدار فوراً باہر نکلا۔

"وہ سر ہیں گھر پر......؟" چوکیدار کو دیکھ کر نیناں جلدی سے بولی تو چوکیدار نے اسے بڑی عجیب نگاہوں سے دیکھا۔

"جی ہیں! اندر آئیے آپ ہی کا انتظار کررہے تھے۔" چوکیدار نے فوراً راستہ چھوڑا تو وہ اندر داخل ہوئی۔ گھر کی بیرونی سجاوٹ دیکھ کر نیناں خاصی متاثر ہوئی۔ "سر تو واقعی بڑے اعلیٰ ذوق ہیں۔" یہ سوچتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئی تو گہرے اور گمبھیر خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ "حیرت ہے آج قل ہے اور گھر میں اتنی خاموشی ہے۔" وہ خود سے بولی۔

"صاحب اس کمرے میں ہیں آپ اندر چلی جائیے۔" اچانک پیچھے سے چوکیدار کی آواز آئی تو وہ چونک پڑی۔

"ہاں...... ہاں جارہی ہوں۔" نیناں خفیف سی ہوکر بولی اور پھر کمرے کی جانب قدم بڑھادیے۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا تو کمرا بھی اپنی مثال آپ تھا مگر سر احمر کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوگئی۔ "یہ چکر کیا ہے؟ آج سوئم ہے اور گھر میں ایک فرد بھی دکھائی نہیں دے رہا کیا مجھے سر احمر کے بیڈروم میں یوں بنا سوچے سمجھے آنا چاہیے تھا؟" وہ خود سے پوچھ رہی تھی کہ اچانک باتھ روم کا دروازہ کھلا اور کوئی شخص ڈھیلے ڈھالے سفید شلوار کرتے میں بالوں کو تولیے سے رگڑتا برآمد ہوا۔ اس پل نیناں نے خود کو بہت عجیب سا محسوس کیا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ نو وارد نے جونہی رخ نیناں کی جانب کیا نیناں کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"تم...... تم یہاں کیسے......؟ میرے گھر میں...... میرے بیڈروم میں کیسے پہنچ گئیں تم......؟"

وہ اپنے مخصوص انداز میں نیناں پر برس پڑا جب کہ نیناں خود کو سنبھال نہیں پارہی تھی۔ آخر اتنا بڑا جھٹکا اسے لگا تھا۔ وہی یونیورسٹی والا شخص جسے یونیورسٹی کے ایک گینگ نے اس کا سامان چھین کر مارا تھا' سامنے

تھی ایستادہ تھا۔

"آ..... آپ..... یہ آپ کا گھر ہے؟ سر احمر کہاں ہیں؟" وہ بولنقوں کی مانند پوچھ رہی تھی۔

"مجھے کیا معلوم کہ سر احمر کون اور کہاں ہیں؟" وہ چڑ کر بولا۔

"اوہ مم..... میں شاید غلط پتے پر آ گئی۔ مم..... میں چلتی ہوں۔" نیناں بدحواس ہو کر بولتی جلدی سے باہر کی جانب لپکی اور اندھا دُھند باہر کی جانب دوڑ لگا دی مگر یہ کیا.....! کسی سخت چیز سے وہ بُری طرح ٹکرائی تھی اور پوری قوت سے زمین بوس ہوئی تھی۔

"آہ!" پیشانی سے اٹھتی تکلیف کی شدید لہر نے اس کے اوسان خطا کر ڈالے اس نے بے ساختہ پیشانی پر ہاتھ رکھا تو گرم گرم سیال کی موجودگی نے اسے مزید بے حال کر دیا۔

"تمہارے پیچھے کیا پولیس لگ گئی جو اندھوں کی طرح یوں بھاگ رہی ہو؟" وہ شخص پنجوں کے بل بیٹھا بہت قریب سے اس سے استفسار کر رہا تھا۔ نیناں کے صحیح معنوں میں ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔

"آ..... آپ پلیز میرے قریب مت آئیں اور مجھے یہاں سے جانے دیں۔" وہ بے ساختہ دو انچ پیچھے کھسکی تھی۔

"مجھے بالکل شوق نہیں ہے آپ کے قریب آنے کا..... اور اس پھوٹی پیشانی کے ساتھ آپ باہر نہیں جا سکتی۔ میرے ساتھ آئیے! میں اس کی ڈریسنگ کر دوں۔" وہ بڑے اطمینان سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا تو نیناں کو ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا۔

"مجھے ہاتھ مت لگائیے اور مجھے کوئی ڈریسنگ نہیں کروانی آپ سے مجھے.....!" اچانک نیناں کو درد کا احساس ہوا تو وہ ہاتھوں میں اپنا سر تھام کر رہ گئی۔

"کریم دین!" اس شخص نے [illegible] میں کسی کو پکارا۔

"جی صاحب؟"

"میرے کمرے سے فرسٹ ایڈ باکس لے کر آؤ فوراً.....!"

"جی صاحب! ابھی لایا۔" کریم دین منٹوں میں بکس اٹھا لایا تھا اور پھر اس اجنبی نے بڑی سہولت سے نیناں کے ماتھے کا خون صاف کر کے بہت مہارت سے ڈریسنگ کر دی تھی۔

"یہ جو آپ دوڑ کا میدان سمجھ کر یہاں بھاگ رہی تھیں تو اس بدولت آپ کی پیشانی اس ستون سے بہت زور سے ٹکرائی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ڈاکٹر کو دکھا لیجیے۔" وہ خلاف معمول نرمی مگر طنزیہ انداز میں بول رہا تھا۔ جواباً نیناں سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس وجود کی مخصوص خوشبو نیناں کو ڈسٹرب کر رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنے بیگ میں موبائل کو ٹٹولا اور باہر نکالا تو مہک کی ان گنت مس کالز دیکھ کر اس نے جلدی سے کال بیک کیا اور موبائل کان پر لگائے وہ باہر کی جانب آ گئی۔

"نیناں کی بچی! کہاں ہو تم؟ تمہارا نمبر ملا ملا کر میری انگلیاں گھس گئیں۔"

"وہ..... میں مہک..... تم کہاں ہو؟" نیناں مہک کی آواز سن کر خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ اپنی اس حماقت کے پیش نظر دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دے۔

"میں جہاں پہنچی تھی تو اتفاق سے سر احمر اپنی گاڑی میں وہاں سے گزرے اور تم جو بلاک بی میں ان کا گھر ڈھونڈ رہی تھیں ان کا گھر بلاک ڈی میں ہے۔ تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟ تمہاری فکر میں میرا سارا خون خشک ہو گیا۔"

"میرا موبائل سائلنٹ پر تھا تم فوراً اسی بیچ کی طرف آؤ مجھے ابھی اور اسی وقت گھر جانا ہے۔" یہ کہہ کر نیناں نے موبائل بند کر دیا اور روتی آنکھوں سمیت گلی کے کونے کی جانب چل دی۔ تھوڑی دیر میں مہک وہاں پہنچی تو نیناں کے زرد چہرے اور پیشانی پر پٹی دیکھ کر پریشان ہو گئی مگر نیناں نے فی الوقت اسے کچھ نہیں بتایا اور دونوں رکشہ لے کر گھر آ گئیں۔

✿ ✿ ✿

گھر آ کر جب امی نے اس کے ماتھے پر چوٹ دیکھی تو از حد پریشان ہو گئیں [illegible] کو اپنی سیدھی کہانیاں سنا کر وہ سروش کے ہمراہ ڈاکٹر سے تین ٹانکے لگوا کر آئی اور تین دن تک بستر میں پڑی رہی آہستہ آہستہ وہ صحت مند ہو گئی مگر نجانے کیوں وہ اس اجنبی کو فراموش نہ کر سکی اس نے لاکھ اسے بھلانا چاہا مگر وہ [illegible] نگاہوں والا شخص اس کی زندگی کو ڈسٹرب کر گیا تھا۔

عجب اک طور ہے جو ہم ستم ایجاد رکھیں
کہ نہ اس شخص کو بھولیں نہ اسے یاد رکھیں

"میں تو اس کا نام بھی نہیں جانتی مہک! مگر نجانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ میری نس نس میں وہ اتر گیا ہے۔ میرا روم روم اس کو پہچانتا ہے۔ وہ اجنبی مگر میرا اپنا ہے۔ بہت اپنا اتنا اپنا کہ میری خود کی ذات بھی میرے لیے اتنی اپنی نہیں ہے۔" اپنی عزیز از جان سکھی کے سامنے وہ دل کی حکایت بیان کرتے ہوئے رو دی تھی۔

"نیناں! میری جان! تم ایک بات بھول رہی ہو۔" مہک گمبھیر سنجیدگی سے بولی تو نیناں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا..... کیا بھول رہی ہوں میں؟"

"یہی کہ تم شادی شدہ ہو۔ آٹھ سال پہلے تم کسی کے نکاح میں آ چکی ہو۔" بہت سارے کانچ ایک ساتھ نیناں کے وجود میں ٹوٹتے چلے گئے۔ وہ دم سادھے بس ایک ٹک مہک کو دیکھتی رہ گئی۔ اتنی بڑی حقیقت کو وہ کیسے فراموش کر گئی تھی۔ اس کا ذہن آٹھ سال پیچھے چلا گیا جب اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ اس کے تایا جو پندرہ سال سے کینیڈا میں مقیم تھے ایک دن اپنے چھوٹے بھائی سے ملنے پاکستان آئے اور نیناں کو دیکھتے ہی فیصلہ کر بیٹھے کہ وہ ان کے بیٹے کی دلہن بنے گی۔ نیناں کی امی نے اس رشتے پر ہچکچاہٹ کا اظہار کیا کیونکہ وہ اپنی جیٹھانی کی فطرت سے واقف تھیں مگر شوہر اور جیٹھ کی مرضی اور خوشی کے سامنے خاموش ہو گئیں اور یوں چوبیس ستمبر کو ٹیلی فون کے ذریعے نیناں کے جملہ حقوق اتنی دور بیٹھے شخص کے نام ہو گئے جسے نا صرف اس نے بلکہ گھر والوں تک نے نہیں دیکھا تھا کیونکہ نیناں کے پاپا کے پیش نظر صرف بڑے بھائی کی خواہش اور حکم تھا اور پھر صرف دو ماہ بعد ہی تایا ابا عدم دیس سدھار گئے ایک ٹریفک حادثے میں وہ اپنی جان گنوا بیٹھے۔ میت کی حالت اتنی خستہ تھی کہ پاکستان آنے کے لائق ہی نہیں رہی تھی لہٰذا ان کے بیٹے اور بیوی نے وہیں ان کی تدفین کر دی تھی اور پھر..... وہ دن اور آج کا دن ان لوگوں نے نیناں کے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ ان لوگوں نے تایا کے دیئے پتے پر بہت بار رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر شاید وہ لوگ یہ جگہ ہی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

"نیناں! کہاں گم ہو گئیں؟" مہک نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ حال کی دنیا میں لوٹ آئی اور اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے بولی۔

"آئندہ اس موضوع پر ہم بات نہیں کریں گے۔ چلو پارک چلتے ہیں بہت دن ہو گئے۔ ویسے بھی میں کافی موٹی ہو رہی ہوں تمہاری شادی تک مجھے بالکل

اسمارٹ ہوتا ہے۔"

"تم جتنی بھی چہل قدمی کرلو میری جیسی نہیں بن سکتیں۔" مہک اسے منہ چڑا کر بولی۔

"ہاں...... ہاں رشک کرلو اپنے دبلے پن پر...... شادی کے بعد تو فٹ بال بننا ہی ہے نا!" نیناں دوبدو ہو کر بولی تو مہک نے ہنستے ہوئے اسے ایک دھموکا جڑ دیا۔

✿ ✿ ✿

مہک کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ رمضان کے فوراً بعد اس کی شادی کی تاریخ طے کردی گئی تھی چونکہ روزوں میں شاپنگ کا سوال نہیں تھا لہٰذا ابھی نیناں اور خود بے چاری مہک بھی بازاروں کے چکر لگا لگا کر بے حال ہو رہی تھیں۔

"مہک کی بچی! فوراً اس ریسٹورنٹ کے اندر گھس جاؤ اور مجھے چائنیز کھلاؤ۔ قسم سے بھوک سے میرا حال برا ہے۔" نیناں جوتوں کی دکان سے نکل کر شہر کے معروف ریسٹورنٹ کے سامنے آ کر بولی۔

"میرے پاس پیسے نہیں بچے ایسا کرتے ہیں کسی ٹھیلے کی چاٹ یا برگر کھا لیتے ہیں۔" مہک اسے سلگانے کی غرض سے بولی اور اس میں کامیاب بھی ہوگئی۔

"یہ سارے جوتوں کے ڈبے میں نے تمہارے سر پر دے نہ مارے تو میرا نام بھی نیناں حیات نہیں۔" وہ خطرناک تیوروں سے آگے بڑھی تو مہک جلدی سے بولی۔

"اچھا پیٹو ملکہ! چلتے ہیں۔" ریسٹورنٹ کے مخصوص ماحول میں نیناں مہک کے ساتھ لنچ انجوائے کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی مگر بالکل سامنے کی میز پر چند چھچھورے لڑکے اپنی عامیانہ حرکتوں سے بار بار انہیں ڈسٹرب کر رہے تھے۔

"نیناں یار! کھانا پارسل کروا لیتے ہیں۔ یہ چھچھورے لڑکے کچھ زیادہ ہی قابو سے باہر ہو رہے ہیں۔" مہک خوف زدہ آواز میں بولی۔ ڈر تو نیناں کو بھی لگ رہا تھا مگر وہ اتنی آسانی سے میدان چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"تم ان لوگوں کی طرف دھیان مت دو بس مجھ سے باتیں کرتی رہو۔" وہ دبی دبی آواز میں بولی پھر اچانک یاد آنے پر بولی۔ "ارے مہک! وہ میرا سرخ کام والا سوٹ دکان سے اٹھایا یا نہیں؟"

"سرخ رنگ میرا پسندیدہ ہے اور اگر پہننے والی لڑکی گوری ہو تو ایسا لگتا ہے کہ انگارے میں سے روشنی نکل رہی ہے اور اپنی طرف بلا رہی ہے۔" نیناں فکر میں کچھ زیادہ ہی بول اٹھی تھی۔ جس پر ایک لڑکے نے بڑے دلنشیں انداز میں کہا تھا۔ نیناں کی کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں۔

"بچ کر میرے یار! انگارے کہیں تمہیں جلا نہ ڈالیں۔" دوسرے لڑکے نے نیناں کے چہرے کی ناگواری دیکھ کر ترنگ سے کہا۔

"ارے ہم تو جلنے کو تیار ہیں۔ بس ان کی ایک نظر کرم ہو جائے۔"

اور وہیں کونے کی میز پر بیٹھے فارس علی کا پیمانہ صبر لبریز ہوا تھا وہ دندناتے ہوئے نیناں اور مہک کی میز پر پہنچا جب کہ اس کے ساتھ آئی وہ نوعمر لڑکی فارس بھائی پکارتی رہ گئی۔

"ابھی مزید کچھ اور سننے کی چاہت باقی ہے یا پھر اتنا کافی ہے؟" فارس کی درشت آواز پر دونوں نے بے تحاشا چونک کر اسے دیکھا جو ہمیشہ ہی اچانک نجانے کہاں سے سامنے آجاتا تھا۔

"آپ......!" بے ساختہ نیناں کہہ اٹھی پھر سرعت سے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ "میرا مطلب ہے آپ ہیں کون......؟" وہ جلدی سے اجنبی انداز اپنا کر بولی۔

"بہت شوق ہے آپ کو یوں اکیلے ادھر اُدھر دندناتے پھرنے کا......؟ فوراً یہاں سے اٹھیے اور گھر جایئے۔" نیناں اس شخص کے منہ سے اتنا عجیب مگر اپنائیت بھرا جملہ سن کر ششدر رہ گئی۔

"مگر......؟"

"سونیا بل ادا کرکے ان محترمہ کو ساتھ لے کر آؤ۔" نیناں کے منہ سے "مگر" نکلا ہی تھا کہ وہ شخص انتہائی استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے زبردستی اٹھاتے ہوئے اپنے ہمراہ آئی لڑکی سے بولا اور کچھ بھی سنے بنا باہر کی جانب چل دیا۔ نیناں سکتے کی کیفیت میں اس کے سنگ چلتی باہر چلی آئی۔ اسے گاڑی کا لاک کھولتے دیکھ کر وہ فوراً ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

"یہ...... یہ...... کیا بدتمیزی ہے؟ آپ ہمیشہ میرا ہاتھ کیوں پکڑ لیتے ہیں اور آپ ہوتے کون ہیں مجھے اس طرح یوں ریسٹورنٹ سے باہر لانے والے......؟" نیناں نے حواس میں آتے ہی اپنا ہاتھ اس بدتمیز شخص کے ہاتھ سے ایک جھٹکے سے چھڑایا اور تنتنا کر بولی جب کہ دوسری جانب وہ شخص بڑی اطمینان سے اس کی پیشانی کو بغور دیکھتا رہا۔

"ہوں غالباً ٹانکے آئے ہیں آپ کی پیشانی پر...... مگر زخم کا نشان معدوم ہو گیا ہے۔"

"ارے کمال کے انسان ہیں آپ! میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں اور آپ میری پیشانی کا جائزہ لے رہے ہیں؟" نیناں ساری جان سے سلگ اٹھی۔

"پلیز نیناں! گھر چلو بہت دیر ہو گئی ہے۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" اسی پل مہک اس لڑکی کے ہمراہ باہر چلی آئی۔ مہک کی آواز پر نیناں نے اس شخص سے الجھنے کا ارادہ ترک کیا ورنہ پھر وہ اس کے خیالوں اور اس کی نیندوں میں اسے ڈسٹرب کرنے چلا آتا۔

"اگر آپ برا نہ منائیں تو ہم آپ لوگوں کو ڈراپ کردیں؟ میرا نام سونیا ہے اور یہ میرے خالہ کے بیٹے ہیں۔"

"سونیا! جلدی سے گاڑی میں بیٹھو تمہیں انسٹی ٹیوٹ بھی ڈراپ کرنا ہے۔" فارس نے اچانک سونیا کی بات درمیان میں کاٹی۔

"آپ کی پیشکش کا بہت بہت شکریہ! ہم رکشہ لے کر گھر چلے جائیں گے۔" نیناں سہولت سے سونیا کو انکار کرکے بولی اور جلدی سے پاس گزرتا رکشہ دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور دونوں اس پر سوار ہو کر یہ جا وہ جا۔

"ان لڑکوں نے تم دونوں کو کچھ کہا تو نہیں تھا؟" فارس نے سونیا سے استفسار کیا۔

"نہیں فارس بھائی! آپ جس غصے سے اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر گئے تھے تو میں سمجھی تھی کہ آپ ان کی فیملی کے کوئی فرد ہیں۔ ویسے فارس بھائی! آپ نے اس لڑکی کا ہی ہاتھ کیوں تھاما مہک باجی بھی تو تھیں؟" سونیا آخر میں شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

"بدتمیز لڑکی! تم نے یہ بھی نوٹ کرلیا؟" وہ زیرلب دلنشیں انداز میں مسکرا کر بولا۔

"تم نے نام بھی معلوم کرلیا کہ اس لڑکی کا نام مہک تھا؟"

"ہاں مگر دوسری لڑکی کا نام معلوم نہیں کرسکی۔" سونیا منہ لٹکا کر بولی۔

"دوسری لڑکی کا نام نیناں تھا۔" فارس انتہائی اطمینان سے بولتا ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

"اچھا......! نیناں تھا۔" وہ سرسری انداز میں سر ہلاتی ہوئی بولی مگر جب بات اس کے ذہن تک پہنچی وہ اسپرنگ کی مانند اچھل پڑی۔ "کیا...... کیا کہا آپ نے نیناں یعنی کہ نیناں......" وہ آنکھیں پھاڑے

فرنٹ ڈور کے شیشے پر جھکی استفسار کررہی تھی۔
”جی ہاں! فیناں...... فیناں حیات!“ وہ مزے سے بولا تو سونیا نے جلدی سے دروازہ کھولا اور فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوکر فارس کے کان کھانے لگی۔

❁ ❁ ❁

”کیا ضرورت تھی تمہیں اپنا موبائل نمبر دینے کی......؟ پتا نہیں کیسی لڑکی ہوگی وہ اور تم نے اپنا پتا بھی اسے بتادیا؟“ فیناں کو جب مہک نے بتایا کہ سونیا نامی لڑکی نے اس سے موبائل نمبر اور اس کا پتا بھی لے لیا ہے تو حقیقی معنوں میں اس نے اپنا سر پیٹ ڈالا۔
”حد ہوتی ہے فیناں بدگمانی کی...... وہ اتنی بھولی بھالی لڑکی بھلا میرا پتا لے کر کیا کرے گی؟ اتنی پیاری تھی وہ اور تم خوامخواہ اسے مشکوک بنارہی ہو۔“ مہک چڑ کر بولی۔
”اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس اکھڑ بدتمیز بدمزاج اور بددماغ شخص کے ہمراہ تھی جو اول درجے کا بدتہذیب ہے۔“ فیناں بدمزہ ہوکر بولی۔
”اب اتنی اس کی عزت افزائی مت کرو تم نے دیکھا نہیں تھا کہ ریسٹورنٹ میں وہ لڑکے کتنے غلط جملے پاس کررہے تھے اور تم سے میں نے کہا تھا کہ چلو گھر چلتے ہیں مگر نہیں تم تو جمی بیٹھی تھیں۔“
”اگر ہم یوں فوراً وہاں سے اٹھ جاتے تو ہوسکتا تھا وہ ہمارا پیچھا کرتے......“ مہک کی بات پر فیناں جزبز ہوکر بولی۔
”بالکل! وہ ہمارا پیچھا کرتے۔ اس شخص کی وجہ سے ہماری بچت ہوگئی۔ فیناں! اور یہ بات تو تمہیں ماننی پڑے گی۔“ مہک ٹھوس انداز میں بولی۔
”تو تم شوق سے مانو مجھے نہیں ماننی۔“ فیناں چڑ کر بولتی کمرے سے باہر نکل گئی تو مہک بھی سوچ میں ڈوب گئی پھر موبائل کی بجتی ٹیون کی جانب متوجہ ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

اگلے ہفتے سے رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ فیناں اپنی امی کے ہمراہ پورے گھر کی صفائی اور رمضان کا پیشگی کام کرنے میں مصروف تھی۔
حیات صاحب کے سجدے طویل سے طویل تر ہوتے جارہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنی زندگی میں ہی وہ فیناں کو اس کے گھر رخصت کردیں تاکہ پھر چین کی نیند وہ قبر میں سوئیں جو پچھلے سات سالوں سے ان سے خفا تھی۔
”یااللہ! اس مبارک مہینے کے طفیل میری دعائیں سن لے میری بچی کو اس کی خوشیاں دے دے۔ انتظار کی اس طویل وگمبھیر رات کی روشن صبح کردے۔ اے میرے ربّ! اس خطاکار بندے پر اپنی رحمتوں کا نزول کردے۔“ حیات صاحب سجدے میں گڑگڑا کر اپنے ربّ سے التجا میں مصروف تھے اور اسی پل ان کی دعا عرش کی بلندیوں پر پہنچ چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

”جی! میں فارس علی ہوں۔ آپ [illegible] سلسلے میں مجھ سے ملنے آئے ہیں؟“ کریم [illegible] نے کسی لڑکے کی آمد کی اطلاع دی جو ان سے ملنے کا خواہش مند تھا تو اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کی ہدایات کرکے وہ تھوڑی دیر بعد جب وہاں آیا تو ان اجنبی مگر جانے پہچانے نقوش کو دیکھ کر تھوڑا چونکا۔ اسے دیکھتے ہی وہ لڑکا صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
”میرا نام سروش ہے سروش حیات!“ وہ لڑکا انتہائی اعتماد سے فارس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تو چند ثانیے کے لیے فارس بالکل خاموش ہوگیا۔ ”آٹھ سال! آٹھ سال سے آپ ہم سے روپوش ہیں۔ ہم سے بھاگ رہے ہیں ہماری زندگیوں کو جہنم میں



دھکیل کر خود بڑے اطمینان سے زندگی کی خوشیوں کو کشید کررہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں فارس بھائی! آخر میری معصوم بہن کا قصور کیا ہے جسے اپنی ذات سے وابستہ کرکے یوں اجنبی اور بیگانہ ہوگئے ہیں؟ ہمارا گناہ بتادیجیے فارس بھائی! پاپا روز دن رات اپنے آپ کو کوستے رہتے ہیں کہ بھائی کی محبت میں کیوں انہوں نے اپنی معصوم بچی کی زندگی اندھے کنویں میں جھونک دی۔ میری ماں اپنی بیٹی کے سہاگ کے لوٹنے کے انتظار میں ایک ایک [illegible] گزار رہی ہے اور میری بہن...... وہ اپنے ماں باپ کی خاطر بظاہر مضبوط بنی اس [illegible] مگر مجھے معلوم ہے کہ اندر سے وہ کتنی [illegible] اور زخم خوردہ ہوگئی ہے۔“ سروش کی تلخ مگر سچی باتوں نے فارس کا سر احساس ندامت سے جھکادیا۔ ”فارس بھائی! اگر آپ کی بہن ہوتی اور کوئی آپ کی بہن کے ساتھ ایسا کرتا تو بتایئے آپ پر کیا گزرتی؟“ شدت ضبط سے سروش کی آنکھوں میں سرخی دوڑ گئی۔
”سروش میں...... میں تم لوگوں کا قصوروار ہوں۔ مگر ممی......! وہ فیناں کو اپنی بہو ماننے کو ہرگز تیار نہیں ہیں۔ یہ نکاح صرف پاپا کی مرضی اور زبردستی سے ہوا تھا۔“ فارس شرمسار ہوکر بولا۔
”ٹھیک ہے ہمیں بھی ایسی جگہ اپنی بہن نہیں دینی جہاں اس کے آنے سے پہلے ہی اسے ناپسندیدہ قرار دیا جائے۔ آپ میری بہن کو طلاق دے دیں۔ ہم خود اس گھر میں اپنی بہن دینے کو تیار نہیں ہیں جہاں اس کی کوئی قدر یا اہمیت نہیں ہے۔“ سروش کی بات پر فارس نے انتہائی چونک کر اس بیس اکیس سال کے لڑکے کو دیکھا جو اس پل کتنا بردبار لگ رہا تھا۔ ”میری بہن کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے آپ اسے جلد از جلد آزاد کردیں تاکہ ہم اپنی بہن کی شادی کسی اچھے گھر میں کردیں۔“ سروش حتمی لہجے میں بولا تو فارس نے تھک کر خود کو صوفے پر گرالیا۔ ”میں پھر آؤں گا آپ کاغذات تیار رکھیے گا۔“ فارس نے سوالیہ [illegible] ایک نگاہ ڈال کر سروش نے جونہی دروازے کی جانب قدم بڑھائے تائی امی کو پُرسوچ انداز میں وہیں ایستادہ پایا۔ سروش ایک پل کے لیے رکا پھر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

❁ ❁ ❁

”تم...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو سونیا! فارس علی...... تمہارا وہ کزن...... وہ فارس علی! وہ فیناں کے تایا کا بیٹا، فیناں کا شوہر؟“ سونیا نے اسے تمام حقیقت بتا ڈالی۔ سونیا نے مہک سے اچھی خاصی دوستی کرڈالی تھی اور آج تمام سچائی اس کے سامنے رکھ دی تھی۔
”مہک باجی! آپ کچھ کریں۔ فیناں بھابی کے بھائی سروش، فارس بھائی سے کہہ کر گئے ہیں کہ وہ طلاق کے پیپرز تیار رکھیں آپ پلیز انہیں سمجھایئے نا! فارس بھائی بھابی کو چھوڑنے پر قطعاً تیار نہیں ہیں۔“ سونیا کی باتوں نے مہک کا میٹر گھمادیا۔
”تمہارے فارس بھائی اس وقت کہاں تھے جب میری بہن نارسائی کی آگ میں جل رہی تھی؟ انتظار کی اذیت سہتے سہتے وہ اذیت پسند بن گئی۔ سوری سونیا! میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ سروش نے واقعی بھائی ہونے کا فرض ادا کیا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ مہک کٹھور پن سے بولی۔
”مہک! اپنی سہیلی سے کہہ دینا کہ مجھ سے علیحدگی کا خیال وہ اپنے دل و دماغ سے نکال دے ایسا قیامت تک ممکن نہیں ہے۔“ نجانے کب فارس نے سونیا سے موبائل چھینا تھا۔ مہک کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی مگر فارس نے لائن ڈس کنکٹ کردی تھی۔

"یہ سب کیا ہے......؟" پریشانی سے سوچتے سوچتے اچانک مہک کے ذہن میں روشنی سی جھلملائی تو بے ساختہ اس کے لب مسکرا اٹھے۔

"میری بہنا! تمہیں تمہاری پہلی محبت مل گئی کہ وہ تو کب سے تمہاری ہی تھی وہ ابھی واقعی تمہارا اپنا تھا۔" مہک سرشاری ہوکر خود سے بولی تھی۔

❁......❁......❁

آج پہلا روزہ تھا اور سروش نے گھر میں دھماکا کردیا تھا کہ اس نے فارس علی حیات کو ڈھونڈ نکالا ہے۔

"سروش! مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" حیات صاحب جوش و انبساط میں سروش کے بازوؤں کو جھنجوڑ کر بولے۔ نیناں اور امی بھی حیران پریشان سی کھڑی تھیں۔ فارس علی حیات مل گیا تھا وہ اسی شہر میں تھا۔ یہ انکشاف واقعی قابل تحیر تھا۔

"پاپا میرے خیال میں ان لوگوں سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے تائی امی باجی کو اپنی بہو ماننے سے انکاری ہیں اور فارس بھائی بھی اس نکاح میں اپنی مرضی نہ ہونے کے سبب تائی امی کے ہمنوا ہیں لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ ہم یہ رشتہ اب ختم کیے دیتے ہیں۔"

"کیا......؟" حیات صاحب اور حمیرا بیگم نے ششدر ہوکر سروش کی جانب دیکھا۔ نیناں خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور مہک کا نمبر ملانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں مہک وہاں آ گئی اور نیناں نے جلدی جلدی اسے تمام تفصیل بتاڈالی۔

"میں جانتی ہوں نیناں! سروش فارس علی کے گھر گیا تھا اور انہیں طلاق نامہ تیار کرنے کو کہا ہے۔" مہک سنجیدگی سے بولی تو نیناں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"سونیا نے بتایا تھا۔"

"سونیا نے بتایا تھا؟ اسے کیسے معلوم ہوا؟ مہک! کون ہے سونیا؟" نیناں نے اس کا بازو جھنجوڑ ڈالا۔

"فارس بھائی کی خالہ زاد بہن!" مہک ڈرامائی انداز میں بولی۔

"اور فارس...... فارس کون ہے؟" اس پل نیناں کو لگا جیسے اس کی زندگی کا بہت بڑا راز منکشف ہونے کو ہے۔

"وہی اکھڑ، بدمزاج، بداخلاق، بددماغ، بدتہذیب!"

"کیا......!" اس انکشاف پر نیناں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے خوش ہونا چاہیے یا غمگین۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اور وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نیناں کو نہیں چھوڑوں گا۔" مہک مزے سے بولی۔ مہک کی بات سن کر نیناں ساری جان سے سلگ گئی۔

"وہ ہوتا کون ہے ایسا کہنے والا! سروش ٹھیک کہہ رہا ہے یہ رشتہ ختم ہی ہوجانا چاہیے۔" ایک پل اس کی نسوانی انا اس کی عزت نفس ......سے جاگ کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"مگر نیناں! تم تو فارس بھائی کو چاہتی ہو......" مہک کے لیے اس کا ردعمل حیرت انگیز تھا۔

"ہاں مگر اب نہیں...... اب مجھے نفرت ہے۔ مجھے فارس علی حیات سے نفرت ہے۔" نیناں نے درشتی سے اس کی بات کاٹی تھی اور تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"یااللہ! یہ سب کیا ہورہا ہے؟" مہک بے بسی سے خود سے بولی۔

❁......❁......❁



آج پانچواں روزہ تھا۔ نیناں روزے کی حالت میں تھکی ماندی یونیورسٹی سے گھر آئی تو دروازے پر ہی گھبرائی ہوئی امی نے بتایا کہ تائی امی اور فارس آئے ہیں۔ نیناں یہ خبر سن کر چونکی مگر پھر دوسرے پل اپنے لہجے کو سرسری بنا کر بولی۔

"امی! میں بہت تھکی ہوئی ہوں اپنے کمرے میں سونے جارہی ہوں۔"

"بیٹا! تم ان لوگوں سے ملو گی نہیں؟" امی نے حیرت سے استفسار کیا۔

"نہیں امی! مجھے نہیں ملنا۔" یہ کہہ کر نیناں امی کا جواب سنے بنا ہی کمرے کی جانب چل دی تو امی ایک گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁

نیناں اتنی دیر سے مہک کا چھت پر انتظار کررہی تھی مگر مہک بی بی تھیں کہ سیڑھیوں پر بیٹھی موبائل سے چپکی کی طرح چپکی نجانے کس سے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھیں۔ دونوں روزانہ افطاری اور عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر چھت پر چہل قدمی کیا کرتی تھیں۔

"مہک کی بچی! خدا کے واسطے اس موبائل کی اب جان چھوڑ دو آخر کس سے اتنی لمبی باتیں کررہی ہو؟" نیناں اس کے سر پر آ کر بولی تو مہک تھوڑا سا بڑبڑا گئی۔

"اچھا میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ وہ دراصل نیناں کے ساتھ مجھے چہل قدمی کرنی ہے نا!"

"کیا اظہر بھائی سے باتیں کررہی ہو؟" نیناں نے اشتیاق سے استفسار کیا۔

"ہاں...... وہ...... میں......" وہ گڑبڑا گئی۔

"لاؤ مجھ سے بات کرواؤ۔" نیناں نے مہک کی بڑبڑاہٹ پر غور کیے بنا موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا اور بڑے مزے سے باتیں کرنے لگی۔ "اظہر بھائی! آپ کو تو معلوم ہی ہے نا کہ اپنی مہک تو بالکل عقل سے پیدل ہے میں اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت اس لیے گزار رہی ہوں کہ اسے کچھ کام کی باتیں سکھا دوں تاکہ سسرال جا کر یہ میکے کی ناک نہ کٹوا دے دیکھے اظہر بھائی!" نیناں نان اسٹاپ بولتی ہوئی ٹہل رہی تھی اور مہک "ارے ارے" کرتی اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ "اب دیکھیے نا! موٹی ہورہی ہے افطاری میں پکوڑیاں کھا کھا کر...... اور چہل قدمی مجھے کروا رہی ہے۔ اب بھلا بتائیے کیا میں آپ کو موٹی دکھائی دیتی ہوں؟"

"تم مجھے ہر حالت میں قبول ہو؟"

"جی!" موبائل اسپیکر سے نکلتی آواز اور ان جملوں پر نیناں نے پہلے مہک اور پھر موبائل کو دیکھا۔ "کیا کہا آپ نے؟"

"یہی کہ تم صرف میری ہو اور میری رہو گی۔" الفاظ اور لہجہ کھردرا مگر کہیں کہیں جانا پہچانا تھا۔ اتنی دیر سے ہوں ہاں کرنے پر اکتفا کرنے والا شخص جب بولا تو نیناں کے دل کی دھڑکنوں کو منتشر کرگیا۔ اب مہک بڑے اطمینان سے منڈیر پر ٹک کر بیٹھ گئی۔

"آپ! آپ کو ہمت کیسے ہوئی مجھ سے بات کرنے کی؟" وہ آخر کیوں نہ پہچانتی یہ شخص تمام تر کج ادائیوں کے باوجود اب بھی اس کی دھڑکنوں میں بستا تھا۔

"غالباً آپ آدھے گھنٹے سے مجھ سے خود باتوں میں مصروف ہیں۔ مہک کے ہاتھ سے آپ نے ہی سیل فون لیا تھا۔" وہ پہلی بار شوخی سے بولا تو نیناں کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔

"میں آپ سے نہیں اظہر بھائی سے بات کررہی تھی مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔" وہ بچکانہ انداز میں بولی۔

"تو مت کیجیے بات‘ آپ سے کس نے کہا کہ مجھ سے بات کریں؟"

"مہک یہ لو اپنا موبائل!" نیناں فارس کی بات پر چلبلا کر بولی۔

"سنو نیناں!" اچانک فارس گمبھیر سرگوشی میں بولا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی متوجہ ہوگئی۔ "آٹھ سال پہلے تمہارا جو مجھ سے نام جڑا تھا اسے توڑنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو اور سروش کو بھی سمجھاؤ کیونکہ جو وہ چاہتا ہے ایسا ممکن نہیں ہے۔" یہ کہہ کر فارس نے لائن ڈس کنکٹ کردی جب کہ نیناں اپنی جگہ گم صم سی کھڑی رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

وہ شام کو سو کر اٹھی تو امی کو کمرے میں آتے دیکھ کر جلدی سے بولی۔

"امی! میں بس آ ہی رہی تھی‘ آج کافی گہری نیند سوگئی۔ آپ فکر مت کریں‘ میں جلدی جلدی افطاری تیار کرلوں گی۔" نیناں بستر سے اٹھتے ہوئے بولی تو امی نے اسے ٹوک دیا۔

"بیٹا! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے؟" امی کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر نیناں سمجھ گئی کہ وہ کیا بات کرنے والی ہیں۔ "سروش جذباتی لڑکا ہے جذبات میں گھر کر وہ اس رشتے کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ تمہاری تائی کو تم بہو کے روپ میں قبول نہیں تھیں مگر...... اپنے بیٹے کی خواہش کے آگے وہ دوبارہ تمہیں مانگنے اس در پر آئی ہیں۔ کل جب تم یونیورسٹی گئی تھیں تو فارس بھی آیا تھا ماشاء اللہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ تمہارے پاپا تو بہت خوش ہیں مگر......" وہ بولتے بولتے چند لمحے کو رکیں۔ "مگر اب وہ تم دونوں کی مرضی کے خلاف فیصلہ نہیں کرنا چاہتے۔ تمہارے رویے سے ہم سمجھ رہے ہیں کہ تم سروش کے فیصلے کی حمایتی ہو۔ اب بتاؤ نیناں تم کیا چاہتی ہو؟" اپنی بات ختم کر استفہامیہ نگاہوں سے نیناں کو دیکھنے لگیں۔ نیناں عجیب کشمکش کا شکار ہوگئی۔

"امی! سروش اپنی جگہ غلط تو نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ٹھیک ہے اس کا غصہ بجا ہے مگر رشتوں کو نبھانے کے لیے سنجیدگی‘ بردباری اور درگزر سے کام لینا ضروری ہے۔ تم بھی ٹھنڈے دماغ سے سوچو اور سروش کو بھی سمجھاؤ۔" امی رسانیت سے بولیں تو نیناں محض انہیں دیکھتی رہ گئی۔

❁ ❁ ❁

رمضان کا مہینہ تیزی سے گزر رہا تھا اور طاق راتوں کا آغاز ہوچکا تھا۔ رمضان کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ نیناں کو اس بات کا بھی رنج تھا کہ عید کے دوسرے دن مہک کو مایوں بیٹھ جانا تھا۔ وہ دونوں بچپن سے ساتھ ساتھ رہی تھیں‘ مہک اس کی سہیلی اس کی غم گسار اور بہن تھی اس کی جدائی کا خیال اسے اداس کر رہا تھا۔ ستائیسویں رمضان کو مہک کے ہمراہ سونیا چلی آئی تھی۔ نیناں اس سے کافی لیے دیے انداز میں پیش آئی تھی۔ مہک زبردستی اسے اپنے گھر لے آئی اور تینوں نے مل کر افطار کیا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد حسب معمول تینوں چھت پر آگئیں۔

"مہک باجی! کیا خیال ہے آپ کا اس بار انتیس کا چاند ہوگا یا پھر تیس کا......؟" سونیا کشادہ آسمان کی جانب دیکھ کر بولی۔

"اس سوال کو فی الحال چھوڑو اور دوسرے معاملے کی فکر کرو۔" مہک کچھ گھبرائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی‘ اپنی انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی۔

"ہاں...... ہاں...... ہاں!" اچانک سونیا کو کچھ یاد آیا تو جلدی سے سر ہلانے لگی۔ "مہک باجی! میں آپ

کے کمرے سے سیل فون لے کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر سونیا یہ جا وہ جا۔

"میں ذرا پانی پی کر آتی ہوں۔" مہک بھی وہاں سے چل دی تو نیناں پوری دل جمعی کے ساتھ چہل قدمی کرنے لگی۔ اپنی جون میں وہ جونہی پلٹی سامنے کھڑے وجود کو یوں اچانک دیکھ کر بے ساختہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

"آ... آپ...... یہاں...... یہ بوتل کے جن کی طرح ہر جگہ کیوں نازل ہو جاتے ہیں؟" اگلے ہی پل وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر چڑ کر بولی۔

"تم جہاں جاؤ گی میرا سایہ تمہارے ساتھ ہوگا۔" وہ ترنگ سے بولا تو نیناں ساری جان سے سلگ اٹھی۔

"ہونہہ! یہ سایہ تو چھ سال پہلے کہاں تھا جب مجھے زندگی کی تیز دھوپ اور سلگتی نارسائی کی آنچ میں اس کی ضرورت تھی۔ یہ سایہ یہ بات کیسے فراموش کر گیا تھا کہ کسی وجود، کسی گوشت پوست کے انسان کی زندگی اس کی خوشیاں اس کے ساتھ وابستہ ہیں اور دلچسپ بات تو یہ کہ جب وہ سامنے بھی آیا تو اپنے اوپر اجنبیت بے گانگی کا لبادہ اوڑھ کر...... اور اب نجانے کس مجبوری کی بنا پر اچانک اجنبیت کے پردے سے نکل کر اپنائیت کا روپ دھار کر خدا جانے کون سا نیا زخم دینے چلا آیا ہے۔" نیناں تلخی سے بولتی چلی گئی جب کہ فارس اسے یک ٹک دیکھتا چلا گیا۔

"تمہاری ہر بات درست ہے نیناں مگر پلیز! مجھے اپنی نگاہوں میں یہ سمجھ کر مت گراؤ کہ تمہاری طرف میں کسی کھوٹی نیت سے آیا ہوں۔ ورنہ میں خود بھی اپنی نظروں سے گر جاؤں گا۔ میں مانتا ہوں کہ ممی اور خود میں نے تم لوگوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں مگر یقین جانو نیناں! پچھلے چھ برسوں میں ایک پل کے لیے بھی تمہارا خیال، تمہارا احساس میرے دل سے نہیں گیا۔ اس دن یونیورسٹی میں ہی جب میں پاپا کے دوست پروفیسر عثمان سے ملنے گیا تھا اور تم سے ٹکرایا تھا، تمہیں پہچان گیا تھا کیونکہ پاپا اپنے ہمراہ تمہاری تصویریں لائے تھے۔ تمہیں رد کرنے کا میرے پاس صرف یہ جواز تھا کہ پاپا نے مجھ سے پوچھے بنا میری رائے لیے بنا میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر ڈالا تھا بس مجھے ضد ہو گئی اور ممی چونکہ اپنے سسرال میں میری شادی کی خواہش مند نہیں تھیں لہٰذا ہم دونوں ایک ساتھ ہو گئے۔"

"مجھے آپ کی اس کہانی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اور دوبارہ میرے سامنے نہ آئیں۔" نیناں جو بغور فارس کی بات سن رہی تھی آخری جملے پر چڑ کر بولی تو فارس نے اسے چونک کر دیکھا۔

"نیناں! کیا معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے؟" فارس انتہائی نرمی سے بولا۔

"میں نے آپ کو معاف کیا اور اب آپ جائیے اپنا اور میرا وقت ضائع مت کیجیے۔" نیناں [illegible] بدتمیزی سے بول کر رخ دوسری جانب [illegible] تو فارس کا فطری ہٹیلا پن عود کر آیا۔

"نیناں بی بی! اپنے چھوٹے سے ذہن سے یہ بات نکال دو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ ایسا قیامت تک ممکن نہیں ہے۔ یہ بات خود کو اور سروش کو سمجھا دو۔" فارس نے انتہائی سختی سے اس کا بازو اپنی جانب کھینچ کر اپنی انگشت شہادت اس کی تھوڑی پر رکھ کر اسے اونچا کر کے کہا تو نیناں اندر سے سہم سی گئی۔

"اچھی زبردستی ہے، جب آپ کا دل چاہا تو خود سے دور کر دیا اور اب من نے کہا یا پھر کسی مقصد کی تکمیل کا خیال آیا تو مجھ سے زبردستی کرنے پر آمادہ ہو گئے؟ سروش کا فیصلہ بالکل درست ہے، میں اپنے



بھائی کے ساتھ ہوں۔" فارس کے جارحانہ انداز سے نیناں میں بھی ضد پیدا ہو گئی۔ وہ ترخ کر بولی۔

"ہوں، تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" فارس اس کے لال بھبھوکا چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"جی ہاں! آخری فیصلہ اور اب آپ یہاں سے جائیے۔" نیناں کے انداز میں سر مو فرق نہیں آیا۔

"او کے!" اتنی آسانی سے مان جانے پر نیناں نے اسے حیرت سے دیکھنا چاہا مگر یہ کیا اگلے پل نیناں کا نازک ہاتھ فارس کے مضبوط شکنجے میں مقید تھا۔ انتہائی تیزی سے وہ نیناں کو ساتھ لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

"یہ... یہ کیا کر رہے ہیں آپ...... ! چھوڑیے میرا ہاتھ...... فارس! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ بولتی رو دی مگر فارس نے جیسے کانوں میں تیل ڈال رکھا تھا۔

"ارے فارس بھائی! کیا ہوا؟ یہ نیناں کو کہاں لے کر جا رہے ہیں؟" مہک اور سونیا بڑے مزے سے لاؤنج میں بچھے تخت پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں جب کہ تیسرا بیگم اندر کمرے میں عبادت میں مصروف تھیں۔ فارس کو اتنے خطرناک تیوروں کے ساتھ نیناں کو خارجی دروازے کی جانب لاتا دیکھ کر حیرت سے مہک نے استفسار کیا۔

"مہک! چچا چچی اور میرے سالے سروش کو بتا دینا کہ میں اپنی بیوی کو اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔" فارس یہ کہتا نیناں سمیت یہ جا وہ جا جب کہ مہک اور سونیا منہ کھولے دیکھتی رہ گئیں۔

"مم...... میں آپ کی گاڑی میں ہرگز نہیں بیٹھوں گی اور نہ آپ کے گھر جاؤں گی۔ چھوڑیے میرا ہاتھ! آپ مجھ سے اس طرح زبردستی نہیں کر سکتے۔" باہر آ کر فارس کو گاڑی کا لاک کھولتے دیکھ کر نیناں روہانسی ہو کر بولی۔

"میں اس سے زیادہ زبردستی کر سکتا ہوں، جب بیوی نالائق ہو جائے تو شوہر کو زبردستی کرنی پڑتی ہے۔" یہ کہہ کر فارس نے اسے اگلی نشست پر دھکیلا اور گاڑی زن سے اڑانے لگا۔

❁......❁......❁

"فارس! یہ کیا بچپنا ہے۔ تم نیناں کو اس طرح زبردستی کیوں لے آئے۔ بات سہولت سے بھی تو طے ہو سکتی تھی نا!" فارس نیناں کو اپنے گھر لے آیا تھا اور اب نیناں تائی امی کے شانے سے لگی مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"یہ آپ کی بہو بات کو سہولت سے طے کرنے کے لیے راضی بھی تو ہو نا! کتنا سمجھا رہا تھا میں اس سر پھری لڑکی کو مگر نہیں...... ! دماغ ہو تو کوئی بات اس میں سمائے نا!" فارس اپنے مخصوص مگر کچھ شوخی بھرے انداز میں بولا تو تائی امی نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا پھر شفقت سے نیناں کا سر تھپک کر بولیں۔

"تم بالکل فکر مت کرو نیناں! یہ لڑکا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم وہ سامنے جو کمرہ ہے وہاں جا کر بیٹھو بلکہ منہ ہاتھ دھو کر وہاں آرام کرو۔ میں تمہارے امی ابو سے بات کر کے تمہیں گھر بھجواتی ہوں۔" تائی امی کی باتوں سے اس کو کچھ ڈھارس ملی تو وہ اس پر نگاہ ڈال کر سامنے والے کمرے میں چلی گئی جب کہ تائی امی ٹیلی فون کی جانب متوجہ ہو گئیں اور فارس کچھ سوچ کر دلکش انداز میں مسکرا دیا۔ نیناں واش روم سے تازہ دم ہو کر نکلی تو گیسٹ روم میں رکھے جدید اسٹائل کے صوفے پر ٹک گئی اور اپنے ساتھ رونما ہونے والے واقعے پر غور کرنے لگی۔

"مہک کی بچی! میں تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ ایک سسکی بھر کر بولی تو دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی تائی امی اور پیچھے پیچھے فارس چلا آیا۔

"نیناں بیٹا! تم بالکل اطمینان رکھو یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ میں نے تمہارے گھر والوں کو بتا دیا ہے کہ تم یہاں ہو چونکہ رات کافی ہو گئی ہے لہٰذا صبح میں تمہیں خود چھوڑ آؤں گی۔"

"مگر تائی امی! امی ابو پریشان ہو رہے ہوں گے۔" نیناں ان کی بات سن کر گھبرا کر بولی۔

"وہ بھلا کیوں پریشان ہوں گے؟ آخر تم اپنے شوہر کے گھر میں ہو اپنے حقیقی گھر میں......" اچانک فارس بولا۔

"تائی امی! ان سے کہیے' یہ یہاں سے چلے جائیں۔ مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔" نیناں چڑ کر بولی۔

"دیکھا امی! اپنی بہو کی سرکشی......؟ اور آپ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔" فارس فوراً تائی امی سے بولا۔

"اچھا بس! اب تم لوگ سو جاؤ۔ سحری میں بھی اٹھنا ہے۔" تائی امی بات سمیٹ کر بولیں کہ اسی اثناء میں کریم دین نے اندر آ کر تائی کو ان کی بہن کے فون کی اطلاع دی۔ "میں ابھی آتی ہوں اور فارس! چلو شاباش! تم بھی اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔" وہ عجلت میں کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ اب کمرے میں وہ دونوں اکیلے تھے' نیناں نے بے رخی سے منہ دوسری جانب پھیر لیا تھا۔

"کیا میں اتنا برا ہوں کہ تم ایک نظر بھی ڈالنا مجھ پر گوارا نہیں کرتیں؟" فارس گمبھیر لہجے مگر اداسی سے بولا مگر نیناں نے نہ اسے کوئی جواب دیا نہ اس کی جانب دیکھا۔ "ٹھیک ہے نیناں! میں زبردستی کے رشتوں کا قائل نہیں ہوں اور وہ بھی ایسا رشتہ جو خالصتاً دل کی مرضی اور روحوں کی ہم آہنگی کی بدولت پروان چڑھتا ہے۔ میں تمہاری خواہش پوری کر دوں گا۔" وہ دکھے لہجے میں بولتا سرعت سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا جب کہ نیناں محض دروازے کو دیکھتی رہ گئی جہاں سے وہ روٹھ کر شکستہ دل لیے نکلا تھا۔

✿......✿......✿

صبح خود تائی امی ڈرائیور کے ہمراہ نیناں کو چھوڑنے آئی تھیں اور فارس کے اقدام کی معافی مانگی تھی اور جاتے جاتے نیناں سے صرف اتنا کہا تھا۔

"بیٹا! آٹھ سال پہلے میں ایک روایتی عورت کی طرح اپنے شوہر کی مرضی کے آگے دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھی اپنی انا اور سسرال والوں سے بدگمانی کی وجہ سے اپنے بیٹے کی خوشیوں کی دشمن بن گئی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی اصل حقیقتوں کو سمجھا تو اپنی کوتاہی کا بھرپور احساس ہوا۔ میری یہ خواہش ہے بیٹا کہ تم ایسی کوتاہی نہ کر بیٹھنا جس کے لیے تمہیں پوری زندگی پچھتانا پڑے۔" نیناں خاموشی سے ان کی باتوں کو سنتی رہی۔

✿......✿......✿

عید کا چاند نظر آ گیا تھا۔ ہر طرف شور و غل تھا مسرت بھرے قہقہے اور کھلکھلاتے چہرے لوگ بازاروں میں عید کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ وہ چاند نظر آتے ہی فارس کی آمد... کا انتظار کرنے لگی تھی مگر وہ اس سے بے خبر تھا۔

"مہک...... کو...... میں سوچ رہی تھی کہ فارس کو چاند کی مبارک باد دے دوں۔" انتظار کا پیمانہ جب لبریز ہو... تو تھک ہار کر وہ مہک سے کہہ بیٹھی۔

"کیوں بھئی! فارس بھائی کو کیوں......؟ آخر وہ تمہارے ہوتے ہی کون ہیں؟"

"جان سے ماردوں گی تمہیں' آخر وہ تمہارے ہوتے ہیں کون؟" مہک کی بات پر نیناں تلملا کر کہتی آخر میں اس کی نقل اتارتے ہوئے بولی۔ "اگر اس رات اچانک تم سونیا کی ملی بھگت سے فارس کو میرے سامنے نہ لے کر آتیں تو بات یوں نہ بگڑتی' سمجھیں۔"

"ہوں تو تم بات بنانا چاہتی ہو؟" مہک فروٹ چاٹ کا پیالہ جو بڑے مزے سے نوش فرما رہی تھی چھوڑ چھاڑ کر بڑے اشتیاق سے بولی۔

"مجھ سے کل رات سرورش کہہ رہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو وہ فارس کو معاف کر کے اپنا بہنوئی بنانے پر راضی ہے۔" نیناں نے کل رات سرورش اور اپنے درمیان ہونے والی بات مہک کے گوش گزار کی۔

"ہوں مگر اب بہت دیر ہو گئی ہے نیناں بھابی! فارس بھائی پچھلے دنوں ماما پاپا کے پاس آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ نیناں کو میں آزاد تو کسی قیمت پر نہیں کروں گا مگر اب......" اتنا کہہ کر سونیا چپ ہو گئی' جس نے اچانک کچن میں انٹری دی تھی۔

"مگر اب؟ کیا مگر اب...... ہوں! تمہارے فارس بھائی کو کیا لگتا ہے کہ میں ان کے بغیر مر جاؤں گی یا پاگل ہو جاؤں گی یا پھر ان کی محبت کا روگ لگا کر صحراؤں میں نکل جاؤں گی؟" نیناں بری طرح چٹخی تھی۔ بولتے بولتے اس کی آنکھیں برس اٹھیں۔ وہ رخ موڑ کر سنک کی جانب چلی آئی۔ "وہ ایسا ہی ہے دلوں کو توڑنے والا' تنہا چھوڑ دینے والا۔ ہونہہ! میں ہی پاگل تھی جو اس کی وقتی دل لگی کو حقیقت سمجھ بیٹھی۔" وہ انتہائی دکھے انداز میں خود سے بڑبڑائی۔

"میں اپنی جان کو کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا یہ فارس علی حیات کا وعدہ ہے۔" اچانک عقب سے فارس کی گمبھیر سرگوشی ابھری تو نیناں نے سرعت سے پلٹ کر دھندلائی آنکھوں سے دیکھنا چاہا مگر آنسوؤں کی لہر نے اسے کچھ دیکھنے نہ دیا۔ وہ بے اختیار روتی چلی گئی۔ فارس نے انتہائی نرمی سے اس کا سر اپنے شانے سے لگا دیا اور آہستہ آہستہ اس کے سر کو تھپکنے لگا۔ خوب سارا رونے کے بعد اسے کچھ خاص احساس ہوا تو اس نے سرعت سے سر اٹھایا۔ فارس کی لو دیتی نگاہوں سے نظریں چرا کر وہ فوراً سے اس سے دور ہٹی۔

"آپ بہت برے انسان ہیں' آپ جیسا انسان تو میں نے کہیں دیکھا ہی نہیں۔"

"کسی اور کو دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ بڑے اطمینان سے بولا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"آپ نے سونیا سے کہا تھا کہ آپ مجھے......؟" وہ فقط اتنا ہی بول پائی۔

"ہاں میں نے سونیا سے کہا کہ پہلے تو میں نے صرف سوچا تھا کہ نیناں کو میں آزاد نہیں کروں گا مگر اب...... اب یہ سوچا ہے کہ ایک پل' ایک گھڑی بھی میں اس سے دور نہیں رہوں گا۔" وہ اس کے قریب آ کر گنگنایا تو نیناں نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا اور وہ جیسے سمجھ گیا۔

"اُف! شکی لڑکی! میری بات کا یقین کرو اور اس خوب صورت رات کو انجوائے کرو' جو ہمارے ملن کا پیام لے کر آئی ہے۔"

"فارس بھائی! جلدی سے نیناں کو لے کر آ جیے۔ ہم گاڑی میں بیٹھنے جا رہے ہیں۔ مہندی لگوانے کے علاوہ آپ سے شاپنگ بھی کروانی ہے۔" باہر سے مہک کی چہکتی ہوئی آواز آئی تو نیناں جیسے حواس میں آئی۔

"آج تو میرے سنگ چلو گی نا اپنی مرضی سے......!" فارس محبت بھرے انداز میں بولا تو نیناں نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا اور فارس کے سنگ باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ یہ اجنبی اب اس کا اپنا تھا مکمل طور پر...... یہ سوچ کر نیناں نے آسمان کی جانب تشکر بھری نگاہ اٹھا کر دیکھا اور شانت سی ہو کر فارس کی گاڑی کے اگلے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

✿

## گزشتہ اقساط کا خلاصہ

پارس عرف پری عدم توجہی اور سوتیلے رشتوں کی بدسلوکی کا شکار ہے۔ دادی جان اس کے لیے گھر بھر میں واحد محبت کرنے والی شخصیت ہیں جبکہ اپنے والد فیاض صاحب سے اس کا رابطہ واجبی سا ہے۔ فیاض صاحب کی دوسری بیوی صباحت فطرتاً حاسد، فضول خرچ اور طمع پرست ہیں۔ ان کے یہی اوصاف ان کی بیٹیوں عادلہ اور عائزہ میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اپنی ان ہی خامیوں کی بدولت صباحت نا صرف فیاض صاحب کے لیے ناپسندیدہ ہیں بلکہ دادی جان سے بھی ان کا اختلاف رہتا ہے۔ البتہ پری اور دادی جان کی حیثیت گھر بھر میں

**قسط نمبر 5**

# بھیگی پلکوں پر

اقراء صغیر احمد

یوں دیکھنا اس کا کہ کوئی اور نہ دیکھے
انعام تو اچھا تھا مگر شرط کڑی تھی
کم مایہ تو ہم تھے مگر احساس نہیں تھا
آمد تیری اس گھر کے مقدر سے بڑی تھی

مضبوط ہے۔ دادی جان سے پری کا اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب آسٹریلیا سے ان کے پوتے طغرل کی بمعہ فیملی آمد کی اطلاع پر دادی پری کو اپنا کمرہ طغرل کے لیے خالی کرنے کو کہتی ہیں۔ اپنے کمرے سے دلی وابستگی کے سبب پری انکار کرتی ہے۔ بعدازاں آمادہ ہو جاتی ہے۔ طغرل دادی جان کا عزیز ترین پوتا ہے اسی لیے پری طغرل کے لیے دل میں عناد رکھتی ہے اور اسے غاصب سمجھتی ہے۔ رجاء ایک باپردہ اور حسین و جمیل لڑکی ہے جس کا تعلق مذہبی اور پابند گھرانے سے ہے۔ اس کی دوست وردہ اسے اپنے کزن سلمان عرف سنی کی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ جو اکثر و بیشتر انہیں کوچنگ جاتے ہوئے راستے میں ملتا ہے۔ وردہ گاہے بگاہے رجاء کے گھر کے پابند اور گھٹے ہوئے ماحول کی مخالفت کرکے رجاء کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ رجاء کے محلے میں ماہ رخ نامی ایک حسین و جمیل خاتون کے چرچے ہیں جو کردار کے حوالے سے مشکوک کہلائی جاتی ہے۔ طغرل کی آمد سے کچھ دن قبل پری اپنی نانو کے گھر رہنے جاتی ہے۔ طغرل کی آمد خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ پری کے ذہن میں طغرل اور اس کی بچپن کی لڑائیاں تازہ ہیں۔ پرانی چپقلش اور طغرل سے عناد کے باعث وہ طغرل کی آمد کے بعد بھی کافی عرصہ اس سے چھپ کر رہتی ہے مگر ایک روز طغرل اسے اپنے سامنے لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ روپ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ البتہ پری کی طغرل سے

رکھائی برقرار رہتی ہے۔ عادلہ طغرل پر ملتفت ہے اس کی وجاہت اور اس کے اسٹیٹس کے سبب۔ پری کی والدہ فیاض صاحب سے علیحدگی کے بعد اپنے خالہ زاد صفدر جمال سے شادی کرچکی ہیں جو ایک کامیاب بزنس مین ہیں۔ پری کے لیے ثمن کی محبت لازوال ہے۔ مگر صفدر جمال کو پری کا ذکر بھی ناپسند ہے۔ وردہ بالآخر رجاء کو سلمان سے باضابطہ ملاقات پر آمادہ کرلیتی ہے۔ مگر سلمان سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے رجاء کا حوصلہ ڈگمگانے لگتا ہے جس پر وردہ کے تیور بگڑ جاتے ہیں۔ جس کے سبب رجاء پر وردہ کی اصلیت آشکار ہوتی ہے اور وہ اس کے چنگل سے فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ وردہ اور سنی کا تعلق ایسے گروہ سے ہے جو معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر...... !طغرل پری کی خود سے رکھائی پر حیران اور اس بابت اس سے استفسار کرتا ہے۔

## اب آگے پڑھیے

اس کی گرفت میں اپنا ہاتھ دیکھ کر لمحے بھر کو وہ ساکت رہ گئی تھی۔ طغرل سے بھی یہ حرکت غیر ارادی طور پر ہوئی تھی۔ اس نے بھی ایک دم شپٹا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پری کو اس کی یہ نازیبا حرکت بالکل نہ بھائی تھی۔ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ آنکھوں میں ان غضب ناک شعلوں کا عکس تھا کہ وہ بُری طرح جزبز ہوکر گویا ہوا۔

''سو...... سوری!''

''کیا سوری؟ آپ نے جرأت کیسے کی میرا ہاتھ پکڑنے کی......؟'' اس کا مزاج کسی بپھری ہوئی موج کی مانند متلاطم تھا۔

''میرا مطلب ہے' میں نے تمہارا ہاتھ جان کر نہیں پکڑا۔'' اس کو اس طرح صفائی پیش کرنا بہت عجیب لگ رہا تھا وہ جہاں اتنا عرصہ گزار کر آیا تھا وہاں ایسی بے تکلفی معیوب بھی نہیں جاتی تھی اور وہ اس کو بُرا سمجھتا بھی نہیں تھا مگر ایسے مظاہرے وہ اپنے قریبی دوستوں اور کزنز کے ساتھ ہی روا رکھتا تھا۔ یہاں کے رسم و رواج اور تکلفات کو وہ بخوبی جانتا تھا۔ پری کے ساتھ ایسا نادانستگی میں ہوا تھا۔

''جھوٹ مت بولیں آپ؟'' وہ بلند آواز میں چیخی۔

''میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟'' وہ حیران ہوا۔

''اپنی نیت پر پردہ ڈالنے کے لیے جھوٹ کہہ رہے ہیں آپ!''

''کیا...... !یہاں نیت کہاں سے آگئی؟'' اس کے معذرتی انداز میں اشتعال و سنجیدگی آنے لگی تھی جب کہ پری پہلے ہی شعلوں کا روپ دھارے ہوئے تھی۔

''جانتی ہوں میں آپ کو اچھی طرح!''

''اچھا! کیا جانتی ہو؟ بتاؤ تاکہ مجھے بھی اپنے بارے میں پتا چل سکے کہ میں کیا ہوں اور کیسا ہوں؟'' اس کا لہجہ ناخوش گوار اور موڈ بگڑا ہوا تھا۔

''میں آپ سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔'' اس کا انداز ہنوز گستاخانہ تھا' وہ اس کی طرف سے سخت بدگمان تھی۔

''کیوں...... کوئی تو وجہ ہوگی؟'' اس کی تلخ آواز اماں جان کی سماعتوں تک بھی پہنچی تھی' اس وقت وہ نماز ادا کررہی تھیں' سلام پھیرتے ہی وہ ان کے درمیان چلی آئی تھیں۔

''کیا ہوا ہے' کیوں لڑ رہے ہو دونوں؟'' انہوں نے دونوں کے بگڑے مزاجوں اور سرخ چہروں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔



''دادی جان! انہوں نے...... ہاتھ پکڑا ہے میرا۔''

وہ جو اپنے آنسوؤں پر قابو کیے ہوئے تھی ان جیسی مہربان ہستی کو قریب دیکھ کر ان کے سینے سے لگ کر روتے ہوئے گویا ہوئی۔

وہاں موجود دونوں ہستیوں کی عجیب حالت ہوئی تھی طغرل جو پہلے ہی اس کی ذہنی کثافت پر چراغ پا تھا پھر دادی کی آمد اور مسزاد پری کے بیان اور آنسوؤں نے اس کو ان کے سامنے صفائی پیش کرنے یا سمجھانے کی قابل ہی نہ چھوڑا تھا۔ اسے محسوس ہوا وہ زمین کی عمیق گہرائیوں میں دھنستا چلا جارہا ہو۔ لمحے بھر کو اماں جان کو محسوس ہوا سر پر چھت آن گری ہو اور ان کا وجود ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گیا ہو یکلخت اندھیروں کی یلغار ہوگئی گھٹن و حبس اتنا بڑھ گیا کہ ان کو سانس لینے میں بھی دشواری ہونے لگی۔

''طغرل...... طغرل!'' انہوں نے پری کو سینے سے بھینچتے ہوئے دبے دبے انداز میں کہا ان کے لہجے میں بے یقینی و بے اعتقادی تھی۔ ''مجھے یقین نہیں آرہا ہے...... طغرل...... طغرل نے ایسی حرکت کی......؟ مجھے یہ امید نہیں ہے میرا خون ایسا گھٹیا نہیں ہوسکتا۔'' ان کی جہاندیدہ نگاہیں طغرل کے چہرے کو تکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ اس کی روشن پیشانی' براؤن آنکھوں سے چھلکتی ذہانت اور وجیہہ چہرے پر ثبت شجاعت و شرافت اس کے کردار کو روشن کیے ہوئے تھی کسی چاند کی مانند۔

❋ ◻ ❋

یہ کیا کہا تھا انہوں نے کہ وہ اس کی نگرانی کرتی تھیں کہ وہ گھر سے فرار نہ ہوجائے وردہ کی باتوں میں بہک کر......!!

''میں پاگل ہوجاؤں گی پلیز...... پلیز! آپ کو مجھ سے ذرا سی بھی ہمدردی ہے تو آپ مجھے وہ سب کچھ جو آپ جانتی ہیں' بنا کسی ہچکچاہٹ کے بتادیں۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر منت بھرے انداز میں گویا ہوئی۔

''ٹھیک ہے' مجھے بھی وقت کی نزاکت کا احساس ہے اور نہ ہی میں کوئی سنسنی پیدا کرنے کی شوقین ہوں۔ میں نے آپ کو بتایا کہ مجھے ازخود ہی آپ کے گھرانے سے ایک انسیت و قربت کا احساس ہوتا ہے' مجھے جب بھی اپنے والدین اور اپنا گھر یاد آتا تو میں گیلری میں کھڑی ہوکر تمہارے گھر کو دیکھا کرتی تھی۔ اسی دوران میں نے دیکھا تم کالج اور کوچنگ سینٹر ایک لڑکی کے ساتھ جاتی ہو اور وہ لڑکی جس کا نام مجھے بعد میں معلوم ہے' وردہ ہے۔ وہ لڑکی مجھے پہلی نگاہ میں مشکوک محسوس ہوئی تھی اور پھر آپ سے اس نے جس تیزی و ہوشیاری سے دوستی کی اس نے میرے گمان کو سچ کر دکھایا۔'' وہ کچھ توقف کے لیے چپ ہوئیں تو رجاء بول اٹھی۔

''لیکن...... آپ کو کیسے معلوم ہوا وہ سب' جو وردہ اور میرے درمیان تھا؟''

''وردہ کے ہاں جو ملازمہ کام کرتی ہے' وہ میرے ہاں کام بھی کرتی ہے۔ اس نے ہی ان لوگوں کی عجیب و غریب باتیں سن کر مجھے بتایا تھا کہ وہ لوگ اچھے نہیں ہیں۔ میں نے اس کو کہا وہ اپنے کام سے کام رکھے' کسی کے گھریلو معاملات کی ٹوہ نہ لے مگر جب وردہ کی دوستی آپ سے کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کرگئی اور وہ اپنے گھر آ کر آپ کے بارے میں اپنے گھر والوں سے باتیں اور منصوبہ بندی کرتی تو اس ملازمہ سے رہا نہ گیا اور وہ چھپ کر ان کی باتیں سنتی رہی اور مجھے بھی مطلع کرنے لگی کیونکہ آپ کے گھرانے سے مجھے جو انسیت تھی اس

سے وہ واقف تھی اور وہ خود بھی آپ لوگوں کی بے حد عزت کرتی ہے۔"

"منصوبہ بندی کیسی...... کیا اس کے گھر والے بھی شامل تھے؟" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے استفسار کیا۔

"وہ ایک گروہ ہے جن کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ حسین و کم عمر لڑکیوں کو وہ مختلف طریقوں سے اپنے جال میں پھنسا کر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس میں سے ایک طریقہ وردہ نے آپ پر آزمایا...... جس چالاکی سے اس نے آپ سے دوستی کی اور پھر ایک دن اتفاقاً سنی سے ملوادیا' حالانکہ وہ اتفاق نہیں تھا ایک منصوبہ تھا اور نہ ہی سنی کا رشتہ وردہ سے کزن کا تھا' دراصل وہ اس گروہ کا سرغنہ ہے۔ یہ لوگ لڑکیوں کو محبت کے جال میں جکڑتے ہیں' مہنگے مہنگے تحائف کے ذریعے انہیں للچاتے ہیں' پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ لڑکیاں ان کی محبت میں گھر چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں اور...... یہ لوگ ان کو فروخت کر کے اچھی رقم حاصل کر کے اگلے شکار کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔" وہ جو کہہ رہی تھیں کسی لفظ میں کوئی ابہام نہیں تھا۔

وردہ کی نیت پر قول و فعل پر اس کو اکثر شک سا ہونے لگتا تھا مگر پھر وہ یہ سوچ کر خود کو سرزنش کرتی کہ بھلا اس میں اس کا کیا مفاد...... ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے کزن سے بہت محبت کرتی ہے' اس کی خاطر یہ سب کر رہی ہے۔ اللہ نے اس کو بچالیا تھا' کسی نیکی کے عوض یا پھر ماں باپ کی دعا کے باعث...... بچپن سے کٹر مذہبی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود وہ وقتی طور پر بھٹک گئی تھی۔ وردہ اور سلمان کا پھیلایا ہوا جال ایسا دلفریب تھا کہ وہ اپنی حدود کو فراموش کر گئی۔ یہ بھی بھول گئی کہ اس کا تعلق اس گھرانے سے ہے جہاں پر عمل کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔

اس کی نیت میں کھوٹ تھا' بغاوت اور منافقت آ گئی تھی۔ یہی منافقت اس کو شیطان کے شر میں دھکیل گئی تھی لیکن یہاں بھی اس کے والدین کے اللہ سے تعلقات نے اسے رسوائیوں و گناہوں کے بحر میں ڈوبنے سے بچالیا تھا اس پر رحم و کرم کر دیا تھا۔ وہ پھر رونے لگی یہ تشکر کے آنسو تھے...... شرمندگی و ندامت کے آنسوؤں کا سیل رواں تھا اس عظیم ترین ہستی کے حضور جو خود فرماتا ہے۔

"تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

"مجھے معاف فرما میرے رب! مجھ عاصی کو معاف کر دے' تیری رحمتوں کی بارش تو سب پر یکساں برستی ہے تیری نعمتوں کی سرفرازی سے پتھروں کی کوکھ میں رہنے والے کیڑے بھی محروم نہیں رہتے' ہر برگ و شجر تیری تسبیح بیان کرتا ہے۔ اے خالق کائنات! تُو اپنے ہر بندے سے محبت کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد...... یہ تیری محبت ہے تُو ہے جو مجھ جیسی بھٹکی ہوئی منافق بندی پر تُو نے بے حساب فضل کر دیا۔" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش جاری تھی' وہ روئے جا رہی تھی۔

"شام گہری ہونے لگی ہے قبل اس کے کہ رات پھیل جائے آئیں میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں ورنہ آپ کی والدہ پریشان ہو جائیں گی۔" وہ خود بھی بے آواز رو رہی تھیں اس کے ساتھ...... پھر کچھ دیر بعد کھڑی ہو کر گویا ہوئیں۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں ہراس اُمڈ آیا تھا۔

"گھبراؤ نہیں! میں معاملہ سنبھال لوں گی۔" اس کو پریشان دیکھ کر تسلی دی۔

"نہیں...... نہیں طغرل ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کرسکتا' مجھے یقین نہیں ہے' تمہیں غلط فہمی ہے۔ یہ بھائی ہے تمہارا پری! تم غلط سمجھی ہو۔ جو غلط کام کرتے ہیں' جن کے ارادے بد ہوتے ہیں وہ نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہتے' ان کے چہرے سے کردہ ذہنیت جھانکنے لگتی ہے لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن تھا جس پر کسی شرمندگی یا خجالت کی نہیں بلکہ غصے و رنج کی سرخی تھی۔" اس نے نگاہ اٹھا کر دادی کو دیکھا تھا پھر نگاہیں جھکالی تھیں شدید دکھ تاسف تھا ان آنکھوں میں اور آنکھیں تو وہ جادوئی آئینہ ہیں جو ہمارے اندر کو بھی اسی طرح دکھاتی ہیں جس طرح ہمارے باہر کا عکس۔ دادی جو کسی خیال کے تحت کانپ اٹھی تھیں' طغرل کے چہرے و آنکھوں سے حقیقت جانچنے کے بعد نرمی سے گویا ہوئی تھیں۔

"دادی جان!" وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے غم زدہ لہجے میں بولی۔

"آپ......! آپ ابھی ان کی حمایت لے رہی ہیں...... یہاں بھی آپ کو میں جھوٹی لگ رہی ہوں؟ میں......!"

"دل چھوٹا مت کرو پری! میں کسی کی بھی جھوٹی حمایت نہیں لوں چاہے تم ہو یا یہ...... تم دونوں برابر ہو میرے لیے۔ دونوں میرے بیٹوں کی اولاد ہو' میرا خون ہو میں کس طرح کسی ایک کی حمایت لے سکتی ہوں۔ بتاؤ؟"

"دادی جان! ان محترمہ کو اخلاقی تربیت کی بے حد ضرورت ہے۔" وہ برہم نگاہ ان پر ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔

"تم خاموش رہو وہ بچی ہے ابھی......!"

"سوری دادی جان! یہ بڑی ہوگئی ہیں...... بلکہ "بہت زیادہ" بڑی ہوگئی ہیں اتنی بڑی کہ ان کو اخلاقیات کا کچھ خیال نہیں۔" اس کے لفظوں میں بھی تپش تھی۔ پری نے اس کی طرف دیکھنا گوارا نہ کیا' اس نے بھیگی نگاہوں سے دادی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"جن کی مائیں نہیں ہوتیں ہیں ان لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کل کو اس سے زیادہ بھی میرے ساتھ ہوجائے گا تو پھر بھی آپ یقین نہیں کریں گی۔" وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"یہ کیا کہہ دیا تو نے پری...... پری!" وہ گھبرائی ہوئی سی اس کے پیچھے جانے لگیں تب طغرل نے انہیں روک لیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھادیا۔

"یہ کیا کہہ گئی پری...... اس کی ماں نہیں ہے...... وہ بن ماں کی ہے۔" ان کا نازک بدن دھیرے دھیرے کانپنے لگا تھا۔ رنج و دکھ سے...... طغرل جو پہلے ہی شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا' ان کی حالت دیکھ کر وہ سخت سراسیمہ ہوگیا۔ پری کی بات نے دادی کی حالت غیر کردی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں دادو! ایسا ہوجاتا ہے کبھی کبھی۔" دادی جان نے کوئی جواب نہیں دیا' لمحے بھر میں وہ پسینے میں شرابور ہوگئی تھیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگی تھیں۔ طغرل نے ان کی طبیعت بگڑتے دیکھ کر فوراً ان کو بازوؤں میں اٹھایا اور ان کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ پری کمرے میں گھٹنوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔ اس نے آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو دادی جان طغرل کے بازوؤں میں تھیں' وہ بے حد پریشان سا انہیں اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔ وہ رونا بھول کر دادی کی طرف بڑھی تھی جن کو وہ بیڈ پر لٹا چکا تھا۔

"کیا ہوا دادی کو......؟" وہ بے حد پریشانی سے طغرل سے ہی مخاطب ہوئی۔

"اگر دادی کو کچھ ہوگیا ہے تو...... میں تمہیں قتل کردوں گا۔ یاد رکھنا!" اس کی بھاری آواز میں خوف ناک عزم



تھا۔ پری نے جواباً خاموشی اختیار کی اور تیزی سے آگے بڑھ کر سائیڈ ٹیبل سے ان کے لیے دوا نکالنے لگی۔ ان کی یہ حالت عموماً ہوجاتی تھی۔ طغرل ڈاکٹر کو فون کرنے لگا تو دادی نے منع کردیا تھا۔ وہ ان کے قریب بیٹھ کر سر دبانے لگا۔ پری نے ان کو دوا کھلائی اس کے چہرے پر ایک دم پریشانی و تفکر عیاں ہونے لگا۔ طغرل بیڈ پر بیٹھا دادی کا سر دبا رہا تھا۔ وہ اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ دوسرے کے بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی۔ پری دور سے ہی دادی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ دل میں ان کی صحت یابی کے لیے دعا گو تھی۔ چند لمحوں قبل ہونے والی بدگمانیاں وہ فراموش کر بیٹھی تھی یاد تھا تو صرف یہ کہ...... دادی اس کی کل کائنات ہیں' وہ ہیں تو سب کچھ ہے' وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

"طغرل! بس کرو...... کب سے دبا رہے ہو' آرام آگیا ہے مجھے۔" چند لمحوں کے بعد دادی کی پُرسکون آواز نے ماحول میں چھائی وحشت و سناٹے کو شکست دی تو ان کی شیریں آواز نے ان دونوں کے تفکر سے لبریز اذہان میں سکون و مسرت کی لہریں سی دوڑا دی تھیں۔

"شکر خدا کا دادی جان! میری بات مان لیں ڈاکٹر کو بلانے دیں مجھے۔" وہ دادی کے ہاتھ چومتا ہوا اصرار کرنے لگا۔

"کیا کرے گا وہ موا ڈاکٹر آکر...... ماسوائے سوئیاں چبھونے کے' تم جو میری اولاد میرے خاندان کے ہو' دراصل تم ہی میرے ڈاکٹر' تم ہی میرے مسیحا ہو۔ میرا علاج تمہارے ان ہاتھوں میں ہے تمہاری محبت ملے گی تو تمہاری لڑائیاں بیماری...... ویسے بھی اس عمر میں خوشی برداشت ہوتی ہے نہ دکھ۔"

"دادی جان! اس دنیا میں آپ میری عزیز ہستی ہیں آپ سے بڑھ کر میں کسی سے محبت نہیں کرتا اور آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں' ان محترمہ کو جو غلط فہمی ہوئی ہے...... بلکہ خوش فہمی ہوئی ہے کہ میں نے ان کا ہاتھ پکڑا ہے تو بس اگر میں نے از حد خود ایسی گری ہوئی حرکت کی ہو جو آپ کو ہی نہیں' مجھے میری نظروں سے گرادی...... بلکہ اگر کسی کو آپ کے سر کا یقین نہ آئے تو میں اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں' غیر ارادی طور پر ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا تھا' اگر جھوٹ بولوں تو ابھی مرجاؤں۔" اس نے ان کے سر سے ہٹا کر ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا تھا اور بہت سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا تھا' درحقیقت وہ غیر محسوس طریقے سے پری سے مخاطب تھا۔ اس کی پشت اس کی طرف تھی' وہ دراز قد سیدھا تنا ہوا تھا۔

"کیسی دادی کا دل ہلانے والی بات کرتے ہو طغرل! تم ہزاری عمر پاؤ۔ مریں تمہارے دشمن۔" وہ دہل کر گویا ہوئی۔

"میرے دشمن بڑے ڈھیٹ ہیں' آسانی سے نہیں مریں گے۔" پری کو محسوس ہوا وہ دانستہ اس کو سنا رہا ہے۔ وہ مجبوراً چپ رہی تھی۔

"تم کیا وہاں کھڑی منہ بسور رہی ہو' یہاں آؤ میرے قریب۔" وہ زیادہ دیر اس سے خفا نہیں رہ سکتی تھیں۔

اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر ان کے سینے سے لگ جائے۔ ان کو کہے گئے لفظوں کی گہرائی کا اس کو اب اندازہ ہوا تھا کہ وہ غصے و جذبات میں ان کو کتنا بڑا طعنہ دے گئی تھی جو کسی طرح بھی مناسب و برحق نہ تھا۔

"دادی جان! ابھی آپ لیٹی رہیں آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" وہ جو پری کو سینے سے لگانے کے لیے اٹھ رہی تھیں اس نے انہیں اٹھنے نہیں دیا تھا۔ پری کو آگے بڑھتے دیکھ کر دادی کے قریب ہی نیم دراز ہوگیا تھا۔ پری

کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ وہ جانتی تھی اس سے جو غصے میں انتہائی بے وقوفی ہوئی ہے اس کے بدلے میں اس کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

"دادی جان! چائے لاؤں آپ کے لیے؟" دور سے ہی دریافت کیا۔

"ہاں! لے آؤ' طغرل اور اپنے لیے بھی لانا۔" وہ سر ہلاتی ہوئی کمرے سے نکل آئی' کچن میں جانے کے بجائے ٹیرس پر چلی آئی تھی۔ موسم ابر آلود تھا۔ بھیگی بھیگی ہوا نے اس کی اندر کی گھٹن کو قدرے سکون بخشا تو وہ گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی خود کو ملامت کرنے لگی۔

"یہ کیا ہو گیا تھا مجھے...... کیوں کہا میں نے اس کو ایسا...... وہ لاکھ آزاد خیال سہی' یہاں آ کر اس کی ہمت نہیں ہو سکتی' کسی ایسی ویسی حرکت کی۔"

"جب اس کو معلوم تھا گھر میں دادی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے پھر دادی جب عبادت کرتی ہیں تو اردگرد سے بالکل ہی غافل ہو جاتی ہیں پھر اس کو معلوم ہے تم کمرے میں تنہا ہو اس کو پسند نہیں کرتی ہو تو وہ کسی اچھی نیت سے نہیں آیا ہو گا۔" اس کے اندر سوال و جواب جاری تھے۔

"اس نے دادی کی قسم کھائی ہے اور میں جانتی ہوں' اس میں ڈھیروں برائیاں ہیں' مگر وہ دادی سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ کبھی ان کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔ مجھے ہی غلط فہمی ہوئی تھی مگر میں نہیں مانوں گی۔" وہ خود کو تسلی دے کر کچن میں چلی آئی' چائے دادی کی من پسند تھی اس کو جب بھی ان سے کوئی بات منوانی ہوتی یا کوئی ناراضی دور کرنی ہوتی تو وہ ان کو چائے پلا کر ہی راضی کر لیا کرتی تھی۔

"دادی جان! آپ نے مجھے معاف کر دیا نا! حالانکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا اور نہ ہی میں اس کو ایسا تنگ نظر تاریک ذہن سمجھتا تھا۔" پری کے وہاں سے جانے کے بعد وہ بیٹھ کر ان سے رنجیدگی سے مخاطب ہوا تھا۔

"یہاں معافی تلافی کا سوال نہیں ہے بیٹا! بات آ جاتی ہے ہمارے رہن سہن اور عادت و مزاج کی' میں نے تصویروں میں دیکھا ہے تمہیں' کس طرح تم گوری میموں کے ساتھ جڑ کر بیٹھے ہو' کھڑے ہو ان بے حیاؤں میں تہذیب ہے نہ تمیز ہے۔"

"اوہ! آپ نے تصویریں کیسے دیکھ لیں؟" وہ بری طرح خجل ہوا۔

"ابرو لے کر آئی تھی میرے پاس...... میں نے تو ان بے حیاؤں کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھا اور تم ان سب سے کس بے تکلفی سے جڑے کھڑے ہو' تمہاری غیرت و حمیت اس وقت کہاں چلی گئی تھی؟" انہوں نے حقیقت میں اس کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے [illegible] چاہا ہی نہ تھا کلاس فیلوز اور فرینڈز کے ساتھ کے وہ یادگار لمحے جو تصویروں کی صورت میں قید ہو چکے تھے' کبھی ان کے سامنے بھی آ جائیں گے اور وہ نگاہ نہ اٹھا سکے گا۔

"وہ...... دادی! میرے ساتھ پڑھنے والی لڑکیاں ہیں' کچھ پپا کے دوستوں کی بیٹیاں ہیں۔" وہ بُری طرح پھنس گیا تھا۔

"تمہارے لیے تو نامحرم ہی ہوئیں نا سب کی سب......؟"

"وہ سب چلتا ہے۔ پپا نے آزادی دینے سے قبل ہمیں ہماری حد بھی سمجھا دی تھی اور ہم نے کبھی وہ حد عبور کرنے کی سعی بھی نہیں کی۔"



"ارے بچے! تو حد عبور کرنے میں پھر دیر ہی کیا جاتا ہے۔ ان ہی آزادیوں نے تمہیں یہ دن دکھایا ہے۔ اگر تمہاری عادت لڑکیوں سے بے تکلفی کی نہیں ہوتی تو تم غلطی سے بھی پری کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے تھے۔" وہ دو ٹوک انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"میں یہاں کے ماحول' ریت رواجوں کو جانتا ہوں' سمجھتا بھی ہوں۔ رشتوں کا تقدس و احترام میرے اندر ہمیشہ سے موجود ہے۔"

"یہاں اور وہاں کیا......؟ عورت جہاں کی بھی ہو احترام کے قابل ہوتی ہے۔ ہر عورت کا ایک تقدس و وقار ہوتا ہے۔ میری یہ تربیت تو نہیں ہے کہ تم صرف گھر اور خاندان سے وابستہ عورتوں و بچیوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھو اور پھر مرد تو وہی اصل ہوتا ہے جو ہر موقع' ہر جگہ پر اپنے نفس کو قابو کرے۔"

"اب ایسا نفس پرست بھی نہیں ہوں دادی جان!" اس نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے شرمسار لہجے میں کہا۔

"آپ سے دوری کا [illegible] جب یہ دوستیاں بنی ہیں' آپ میرے پاس ہوتیں تو مجھے کسی سے دوستی کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تمہاری ماں اور باپ تمہیں کتنا وقت دیتے ہوں گے یہ میں دیکھ رہی ہوں۔ بہو ہفتے کا کہہ کر گئی تھیں' چار ہفتوں بعد بھی آنے کا ارادہ نہیں ہے۔ یہی حال تمہارے باپ کا ہے' بہن بھائی بھی اپنے گھروں میں مگن ہیں' ایسے میں تم باہر دوستیاں نہ پالو گے تو کیا کرو گے؟" دادی کو جلد ہی اس کی بات پر یقین آ گیا تھا۔ وہ پری کے آنے سے قبل ہی کمرے سے چلا گیا تھا۔

❁ ◻ ❁

وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو اس کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ وہ جس امتحان سے گزر کر آئی تھی اس نے اس کی تمام توانائیاں سلب کر لی تھیں۔ قدم قدم پر وہ لڑکھڑا رہی تھی' اگر ان جیسی مہربان ہستی کا سہارا نہ ہوتا تو وہ چل نہیں پاتی۔ وقت بھی اپنے اندر کتنے اسرار' کتنے بھید رکھتا ہے' آنے والے ہر لمحے کی خبر اسے ہوتی ہے۔ صبح جب وہ وردہ کے ساتھ گھر سے نکلی تھی تو اس کو کیا معلوم تھا کہ شام کے ڈھلتے سائے میں اسی گھر میں قدم رکھتے ہوئے اس کو اجنبی درد سے گزرنا پڑے گا۔ ندامت و شرمندگی کے بوجھ سے سر جھکا رہے گا۔ دروازہ امی نے ہی وا کیا تھا۔

ان کے چہرے پر طمانیت بھری دھیمی مسکان تھی کوئی وحشت و فکر نہ تھی۔ رجاء کے ساتھ اس خاتون کو دیکھ کر لمحے بھر کو وہ تحیر کی شکار ضرور ہوئی تھیں۔ اس عورت کو پورا محلہ ناپسند کرتا تھا کہ بدنام تھیں وہ محلے میں...... لیکن ان کی خوش خلقی و نرم مزاجی کا درس تھا کہ انہوں نے پورے خلوص سے ان کے سلام کا جواب دے کر اپنے گھر میں خوش آمدید کہا تھا۔

"یہاں کے لوگ تو مجھے بہت ناموں سے پکارتے ہیں' آپ جانتی ہوں گی۔" وہ کارپٹ پر احترام سے بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"لوگوں کو چھوڑیئے آپ مجھے اپنا نام بتایئے؟" رضیہ کے لہجے میں محبتوں بھرا اصرار اور بے غرض خلوص تھا۔

"جی میرا نام ماہ رخ ہے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"ماشاء اللہ! اسم با مسمیٰ ہیں آپ...... گھر والوں نے بڑی چاہت سے نام رکھا ہوگا؟" رضیہ ان کی ہم عمر ہی تھیں مگر ان کی طبیعت میں جو عاجزی' انکسار و بزرگانہ پن رچ بس گیا تھا اس کے باعث کوئی بھی ان کے سامنے ہوتو ان کا انداز ایسا ہی بزرگانہ و مشفقانہ ہوتا تھا۔

"میں ڈر رہی تھی یہاں آتے ہوئے' کہیں آپ مجھے گھر میں داخل نہ ہونے دیں کیونکہ میرے آنے سے قبل ہی یہاں میری رسوائیوں کے چرچے پہنچ چکے ہیں مگر آپ نے تو بے حد فراخدلی سے میرا استقبال کیا ہے' مجھے عزت دی ہے۔" ماہ رخ رجاء کے ساتھ آتے ہوئے خوف زدہ تھیں کہ ان جیسی بدنام عورت کے ساتھ وہ اپنی بیٹی کو آتے دیکھ کر نہ معلوم ان کا کیا رویہ ہو؟ وہ اس کو اپنی دہلیز پار کرنے نہیں دیں گی یا شاید اندر بلا کر بے عزت کر کے نکالیں گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ محلے والوں کے خوف سے چادر میں منہ چھپا کر آئی تھیں...... ورنہ ان کے نیک ارادے کی بے حرمتی بھی زندگی میں چند کھیلتے بچوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

"عزت و ذلت سب رب کے ہاتھ میں ہے' میرے گھر آنے والا ہر مہمان قابل عزت ہوتا ہے پھر آپ کی یہاں آمد سے میرا دل گواہی دیتا ہے میرے رب نے مجھ پر کوئی خصوصی کرم کیا ہے' آپ کی آمد باعث رحمت ہے بہن!" وہ سادہ لہجے میں بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔

ماہ رخ سوچنے لگیں انہیں اس اندوہناک حادثے کا اس انداز میں بتائیں کہ رجاء کی عزت و وقار بھی ان کی نگاہوں میں مجروح نہ ہو اور ان کا اعتماد و اعتبار بھی سلامت رہے۔ وہ بے حد احتیاط سے لفظوں کی مالا پرونے لگیں۔ رجاء دوسرے کمرے میں چلی آئی تھی اس پر حزن و ملال طاری تھا آج کے دن کتنے تجربوں سے گزری تھی وہ...... کتنے دھوکے کھائے تھے۔

دردہ کی دوستی میں دھوکا اور سنی کی محبت کا فریب!

اس کے دل میں شکستگی پھیل گئی تھی' مہیب سناٹا ہر سو چھا گیا تھا۔ ماہ رخ نے مختصر لفظوں میں رضیہ کے گوش گزار حقیقت کردی تھی۔

"یہ رجاء نہیں' میری غلطی تھی۔ میں نے کیوں اعتبار کیا اس لڑکی پر...... وہ دونوں کمرے میں گھنٹوں کیا باتیں کررہی تھیں' یہ مجھے سن گن لینا چاہیے تھی۔" رضیہ نے خود کو ہی مورد الزام ٹھہرایا۔

"اس دور میں تو خصوصاً لڑکی کی دوستوں پر نگاہ رکھنی چاہیے ورنہ بعض اوقات اتنے بڑے نقصان سے گزرنا پڑتا ہے کہ جس کا ازالہ کبھی بھی نہیں ہو پاتا' کسی صورت بھی نہیں۔" ان کی آنکھوں میں نمی درد بن کر ابھرنے لگی تھی۔

دل کی دنیا تو رضیہ کی بھی زیر و زبر تھی پر ان کو جذبات پر دسترس حاصل تھی۔ وہ صبر و استقلال کا پیکر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"مجھے اپنے اللہ پر پورا یقین ہے اس کو میں نے کبھی اپنے گمان سے مخالف نہیں پایا ہے۔ رجاء کو جاتے وقت میں نے اسی رب کائنات کے سپرد کیا تھا اور جس طرح اس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھا' ایسی عنایت اس نے مجھ گناہ گار پر بھی کی ہے' میری بچی کو بھنور سے صحیح و سالم نکال لایا ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے رب کا شکر ادا کروں گی جس نے اتنی بڑی آزمائش سے مجھ خطا کار کو نکال لیا' جس کا میں آخری دم تک شکر ادا کرتی رہوں گی۔" وہ ایک عجیب سے عالم میں وضو کرنے کے لیے اٹھی تھیں۔



"میں اب اجازت چاہوں گی۔" ماہ رخ بھی کھڑی ہوگئی تھیں۔

"آج میرے شوہر شب جمعہ میں گئے ہوئے ہیں' صبح ہی آئیں گے میں آپ کو کھانا کھائے بنا جانے نہیں دوں گی۔" وہ پرخلوص انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

رات قطرہ قطرہ بھیگتی جارہی تھی' نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایک ہفتہ گزر گیا تھا اس کے اور طغرل کے درمیان لڑائی ہوئے۔ اس دن سے اس نے اس راہ پر گزرنا چھوڑ دیا تھا جہاں سے اس کا گزر ہوتا وہ بھی اس کو پوری طرح سے نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ ان دونوں کے درمیان جاری سرد جنگ سے صرف دادی ہی واقف تھیں اور اس بار انہوں نے ان کی صلح کرانے کی سعی بھی نہ کی تھی۔ وہ زیادہ تر چپ رہنے لگی تھیں اور اس دوران طغرل نے بھی گھر سے باہر زیادہ وقت گزارنا شروع کردیا تھا۔ اب اللہ ہی جانے وہ سچ مچ مصروف تھا یا مصروفیت کا بہانہ تھا' وہ جانتی تھی دادی اس میں بھی اس کا قصور ہی ٹھہرائیں گی کہ "خوش ہوجاؤ' تمہاری وجہ سے یہ گھر سے باہر رہنے لگا ہے۔ تم چاہتی بھی یہی تھیں نا!" لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔ دادی چپ تھیں۔ ڈانٹ ڈپٹ بھی نہیں کی تھی...... اور اسے ان کی یہ خاموشی کسی سزا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ ان کی سنجیدہ خاموشی میں اس قدر رعب و دبدبہ تھا کہ وہ ہزار ہا کوششوں کے باوجود بھی کچھ کہہ نہ پائی تھی۔ خاموشی کی مار وہ جو کسی اپنے کی "خاص" بندے کی طرف سے پڑے تو کتنا درد دیتی ہے وہ ہی جان سکتا ہے جس نے یہ مار سہی ہو' وہ بھی ہوگئی تھی اب برداشت کی تاب ہی نہ تھی کہ روح تک میں تھکن اتر گئی تھی۔ اس نے دیکھا دادی سو رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور ان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

دادی وہی تھیں' چہرہ بھی وہی تھا۔ لیکن...... ان کا مزاج بدل گیا تھا۔ ان کی محبت بدل گئی تھی اور وہ خود بدل گئی تھیں' اس شخص کے لیے جس کو سب کچھ حاصل تھا۔ ماں باپ کی محبت' بہن بھائی کا پیار' دوستوں' کزنز کی چاہتیں' وہ ہر محبت سے سیراب تھا اور اس کے پاس کیا تھا......؟ ماں و باپ کے ہوتے ہوئے بھی وہ ان سے محبت حاصل نہ کرسکی تھی۔ بہن بھائی بھی سوتیلے رشتوں میں جکڑے ہوئے تھے' ہر رشتہ اس کے لیے مفاد و غرض کی دھند میں لپٹا ہوا اور اس سے دور تھا۔ فقط ایک دادی تھیں جو اس کے لیے ہر رشتے کا بدل تھیں اور جب سے وہ بے خبری میں اپنی ڈار سے جدا ہوگئی ہوا اور رات کی تاریکی میں بھٹکتی پھر رہی ہوا' اپنے آشیانے کی تلاش میں اور تلاش تھی کہ ختم ہونے میں نہ آرہی تھی۔

"دادی! دادی جان! مجھے معاف کردیں۔" وہ تہجد کے لیے بیدار ہوئیں تو اس کو روتے ہوئے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھیں پھر قبل اس کے کہ وہ بولتیں' پری ان سے لپٹ کر بولی۔

"ارے کیا پاگل ہوگئی ہے پری!" وہ آنکھ کھلتے ہی اس افتاد پر بوکھلا گئیں۔ "رات کے اس پہر کس خطا کی معافی مانگی جارہی ہے بھلا۔"

"مجھے معاف کردیں' آپ خفا ہیں نا مجھ سے اس دن سے ہی......؟" وہ کسی جونک کی مانند ان سے لپٹ گئی تھی۔

"ارے تو مجھے چھوڑ تو سہی......"

"نہیں...... میں آپ سے اسی وقت تک لپٹی رہوں گی جب تک آپ مجھے معاف نہیں کریں گی۔" وہ

روئے جارہی تھی۔

''یہ تم مجھ سے معافی مانگ رہی ہو یا مجھے جکڑ کر سزا دے رہی ہو۔''

''دادی! خدارا آپ مجھے ماریں' ڈانٹیں' سزا دیں۔ مجھے سب منظور ہے مگر مجھ سے خفا مت ہوں' آپ کے بغیر کہاں جی پاؤں گی میں۔'' وہ ان سے لپٹے روتے ہوئے کہہ رہی تھی' اس کے انداز میں جو تڑپ جو اضطراب بے چینی تھی' سب سے دادی واقف تھیں۔

''بہت جلدی احساس ہوگیا تمہیں میری خفگی کا......؟'' وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''سوری دادی! بہت پہلے مجھے احساس ہوگیا تھا۔ اسی دن کہ میں آپ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر بیٹھی ہوں' اسی وقت میں معافی مانگنا بھی چاہتی تھی بلکہ کوشش بھی کی پر آپ نے موقع ہی نہیں دیا۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' ان کے لہجے میں سنجیدگی تھی' پری بھی ان کے قریب بیٹھی بغور ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''ہاں' فکرمند ضرور ہوں' اس دن معمولی بات پر کتنا بڑا ہنگامہ کھڑا ہوا۔ بات ساری سوچ کے فرق کی تھی' شاید دل کے اندر بھری اس نفرت کی جو اچھائی کو بھی برائی میں بدل دیتی ہے' یہی نفرت بہت بڑا شر پھیلا سکتی تھی' اگر اس دن بہو اور بچیاں گھر میں موجود ہوتیں تو...... !تم تو جانتی ہو تمہاری سوتیلی ماں اور بہن کس طرح تمہارے خلاف رہتی ہیں؟'' وہ سر جھکائے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ ''خود سوچو! اس دن صباحت' عادلہ' عائزہ گھر میں ہوتیں تو کیا عزت رہ جاتی طغرل کی...... اور تم بھی کس طرح صفائی پیش کرسکتی تھیں؟ ساری زندگی کے لیے منہ کالا ہوکر رہ جاتا' صباحت تو پورے خاندان میں ڈھنڈورا پیٹ دیتی' کس طرح بیٹے پر الزام تراشی کرتی اور بھائی بھائی سے روٹھ جاتا' خاندان ہی بکھر کر رہ جاتا اور بکھری ہوئی ذاتیں آسانی سے نہیں سمٹ پاتی ہیں پری!'' ان کی دوراندیشی نے لمحہ بھر میں ساری صورت حال کا تجزیہ کردیا تھا جو ذرا بھی غلط نہ تھا۔

''سوری دادی جان! مجھے اتنی گہرائی میں سوچنا نہیں آتا ہے اور نہ ہی جان بوجھ کر میں نے وہ حرکت کی تھی۔ آپ نے بچپن سے ہمیں سمجھایا کہ اپنی حفاظت کرو' کوئی بلائے تو مت جانا' کوئی چاکلیٹ' بسکٹ' کھلونا وغیرہ دے تو مت لینا اور کوئی ہاتھ پکڑے تو منہ توڑ دینا' یہی سب سمجھاتی آئی ہیں نا آپ مجھے؟'' دادی نے اس کی بات پر سر پکڑ لیا تھا۔ ''شکر کیجیے میں ان کے ہاتھ پکڑنے پر پنجی بھی منہ نہیں توڑ آئی تھی۔''

''ہیں...... ہیں...... ہیں......! زبان کو لگام دے لڑکی! جو منہ میں آرہا ہے وہ بکے جارہی ہے۔ آئی بڑی نارزن کی اولاد منہ توڑنے والی! وہ سب میں نے باہر کے مردوں کے لیے کہا تھا یا یہ کہا تھا کہ گھر کے مردوں پر ہی بے اعتباری جتانے لگو؟'' وہ اس کو ڈانٹتے ہوئے تیز لہجے میں بول رہی تھیں۔ ''بہت عقل مند بنتی ہے پر عقل نکلے کی نہیں ہے تجھ میں...... آئندہ کوئی ایسا واویلا مچانے کی ضرورت نہیں ہے' اپنی اور دوسروں کی عزت کا خیال کرنا سیکھو۔ طغرل کو میں سمجھا چکی ہوں کہ وہ یہاں یورپ کے درمیاں ہے' ان نامحرموں کے درمیان میں نہیں ہے جو مادر پدر آزاد ہیں' تم بھی خود پر قابو پاؤ یہ نہیں کہ تمہیں بند کرکے منہ کھول دیتی ہو' اچھا نہیں ہے۔'' وہ اپنے اصل میں آگئی تھیں۔ پری کو ان کی ڈانٹ میں بھی اپنائیت محسوس ہورہی تھی۔

❁......□......❁

فیاض صاحب مطالعے میں مصروف تھے' جب وہ دروازے پر دستک دے کر اندر آیا۔

''آئیں طغرل!'' انہوں نے کاغذات ایک جانب رکھتے ہوئے گرمجوشی سے بھتیجے کا کھڑے ہوکر



استقبال کیا۔

''پلیز...... پلیز انکل! آپ اٹھیں نہیں۔'' اس نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں یار! آرام سے بیٹھو۔'' انہوں نے اپنے قریب جگہ دی۔ وہ چچا کی اسی بے تکلفی و دوستانہ انداز کا دلدادہ تھا۔ سو جھٹ ان سے جڑ کر بیٹھ گیا اور ساتھ ہی ان کے شانے پر ہاتھ بھی رکھ دیا۔

''یہاں آکر کیسا محسوس کررہے ہو' بوریت تو نہیں ہورہی؟''

''بہت جلدی خیال آگیا ہے آپ کو میری بوریت کا......؟'' وہ ہنستا ہوا بولا۔

''دو ماہ کا عرصہ گزرنے کو ہے اور آپ بور ہورہے ہیں' خیر دیا یہ درست آید۔ میں بور بالکل نہیں ہورہا بہت خوش ہوں یہاں آکر۔'' انہوں نے پیار بھری نظروں سے بھتیجے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ کی مدد و رہنمائی کی ضرورت ہے۔''

''کیوں نہیں...... مسئلے سے بتائیں تو......'' وہ سنجیدہ ہوگئے تھے۔

''مسئلے والی بات نہیں ہے انکل! وہ دراصل پپا کاروبار یہاں جمانا چاہ رہے ہیں اس کے لیے مجھے آپ کا وقت چاہیے' بروکر نے کمرشل ایریاز میں زمینیں دیکھی ہیں' میں چاہتا ہوں آپ چل کر دیکھیں تاکہ پھر میں فائنل کروں۔'' کئی ہفتوں سے وہ اپنی مصروفیات میں الجھا ہوا تھا' پہلے دن ہی وہ ان سے تعاون چاہتا تھا مگر وہ زیادہ ہی بے تحاشا مصروف تھے۔ صبح کے نکلے رات کو گھر آتے تھے' کھانے کے دوران گفتگو ہوتی تھی پھر کچھ دیر اسٹڈی روم میں گزارتے اور پھر سونے چلے جاتے تھے۔ یہاں کا معمول تھا وہ دیکھ رہا تھا فیاض صاحب خود کو بہت ہشاش بشاش ظاہر کرتے ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا' شاید ان کو کچھ مسائل درپیش تھے۔ جو وہ کسی سے بھی نہیں کہتے تھے۔

آج اتوار ہونے کے باعث وہ اس کو اسٹڈی روم میں مل گئے تھے۔

''ہوں' کب چلنا ہے بتائیں؟'' انہوں نے عینک اتار کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''جب بھی آپ فارغ ہوں۔''

''اتوار کے لیے فارغ ہی ہوتا ہوں' کل چلتے ہیں کام کے لحاظ سے وہ جگہ مناسب ہے یا نہیں' چھان بین کرتے ہیں۔''

''جی! یہ سب آپ کی ذمے داری ہوگی تقیر سے افتتاح تک کی۔'' اس کے بھاری لہجے میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

''میری......؟ میں اتنی بڑی ذمے داری نہیں اٹھا سکوں گا بیٹے! یہ میرا وعدہ ہے آپ کو جب بھی میری مدد کی ضرورت پڑے گی مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔''

فیاض جیسے سیو اور خوددار مرد کو شدید جھٹکا لگا تھا' ان کا بزنس چھڑے سے جڑا ہوا تھا جو ان کے کمزور پڑتے مالی حالات اور ملک کے دگرگوں حالات کے باعث بد سے بدتر ہوتا جارہا تھا۔ وہ وقت کی اس نہج پر پہنچ گئے تھے کہ دوست واحباب تو درکنار' بینک بھی ان کو قرضہ فراہم کرنے پر تیار نہ تھا۔ ایسے میں جب وہ خود مالی پریشانی کا شکار تھے' طغرل کی اس کھلی پیشکش پر وہ بوکھلا سے گئے تھے۔

''طغرل کو معلوم تو نہیں ہوگیا میری مالی پریشانیوں کا؟'' ان کے اندر یہ سوال برق کی طرح دوڑا تھا۔ وہ بغور

اس کی ذہین آنکھوں میں جھانک رہے تھے گویا بھید پانا چاہ رہے ہوں مگر وہاں صرف روشنیاں تھیں۔

"دراصل انکل! میں اپنے پراجیکٹ پر علیحدہ کام کروں گا۔" وہ ان کی سوچوں سے بے خبر کہہ رہا تھا۔ اسی اثناء میں صباحت اسٹرابیری شیک کا گلاس لے کر وہاں حاضر ہوئی تھیں اور ان کو پیش کیے تھے۔

"یہاں تو ہر وقت چائے چائے کے چرچے ہوتے رہتے ہیں میں نے سوچا کیوں نا آج ٹھنڈا ٹھار سا اسٹرابیری شیک بنا کر خود بھی پیوں اور آپ لوگوں کو بھی پلاؤں۔" صباحت اپنا گلاس لے کر وہیں بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"ہم تو چائے کے عادی لوگ ہیں ہماری پہچان ہی چائے ہے۔ ہم خود شوق سے پیتے ہیں مگر کسی کو مجبور نہیں کرتے زبردستی پینے پر...... کیوں طغرل بیٹے! آپ نے دیکھا ہم نے کبھی آپ کی آنٹی کو زبردستی چائے پلائی ہو؟ یہ اپنی مرضی سے کوئی نہ کوئی شیک پی رہی ہوتی ہیں ہم کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا ہے مگر ان کو ہماری "چائے" پر بہت اعتراض ہوتا ہے۔" ان کا انداز خاصا شگفتہ تھا۔

"دل جلاتی ہے چائے۔" وہ تنک کر گویا ہوئیں۔

"جو پہلے سے دل جلے ہوں ان کو بھلا چائے کیا جلائے گی۔" وہ شاید شوخی میں کہہ گئے تھے۔ صباحت کو کسی کانٹے کی طرح چبھی تھی یہ بات قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتیں فیاض کسی کی کال آنے کے باعث وہاں سے معذرت کرتے ہوئے چلے گئے تھے وہ ان کی پشت کو گھورتی رہ گئی تھیں۔

"آپ مائنڈ کرگئی ہیں آنٹی! انکل مذاق کررہے تھے آپ کو چڑانے کے لیے۔" طغرل نے گھونٹ لیتے ہوئے ان کے بدلتے تیور دیکھ کر کہا۔

"نہیں وہ مذاق نہیں کرتے۔ یہ ان کے دل کی آواز ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ اتنے سال گزرنے کے باوجود فیاض اس چڑیل کو دل سے نہیں نکال پائے ہیں آج بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور آخری دم تک کرتے رہیں گے۔" وہ روہانسی ہوگئی تھیں۔ گلاس بے دلی سے میز پر پٹخا تھا۔

شادی کی پہلی شب سے ہی وہ سوکن کے جلاپے میں مبتلا ہوگئی تھیں مثنیٰ کو طلاق دینے کے ایک ماہ بعد ہی وہ ان کو دلہن بنا کر لے آئے تھے چند ماہ کی پری جب دادی کی گود میں تھی۔ غصے جنون اور انتقام میں یہ سب ہوا تھا' صباحت صابر و دانش مند دوراندیش عورت ہوتیں تو بہت آسانی سے ایک عورت کے ٹھکرائے ہوئے مرد کو محبت و چاہت نچھاور کرکے ہمیشہ کے لیے اپنا اسیر کرسکتی تھیں مگر وہ اپنی کم عقلی کے سبب احساس کمتری کا شکار تھیں۔ مثنیٰ کو انہوں نے دیکھا ہوا تھا' ان کی بے تحاشا خوب صورتی سے وہ ڈر گئی تھیں ان کا حسن کسی آگ کی مانند ان کے اندر بھڑکنے لگا تھا۔ جب کہ محبت حسن سے مشروط نہیں ہوتی' یہ وہ چشمہ تھا جو احساسات کی زمیں سے نکلتا ہے اور وجود کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ رقابت کی آگ میں یونہی جلتی رہتی تھیں۔

"نہیں آنٹی! آپ اتنی سویٹ اور کیوٹ ہیں' انکل کسی اور کو یاد رکھ ہی نہیں سکتے' آپ بہت اچھی بیوی ہیں ان کی۔"

"اچھا...... آپ کہتے ہیں تو مان لیتی ہوں۔" وہ مسکرائیں۔

"یقین کریں میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" اس کے انداز میں احترام تھا۔

امی نے فراخ دلی سے اس کو معاف کر دیا تھا نہ شکوہ نہ کوئی شکایت کی تھی' نہ ان کا انداز بدلا تھا' نہ لہجے میں تبدیلی آئی تھی' وہ اسی طرح شاکر و صابر تھیں مگر وہ خود کو ان کے آگے نگاہ اٹھانے کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔
انہوں نے ماہ رخ کو رات کھانا کھانے کے بعد جانے دیا تھا' جانے سے قبل انہوں نے رجاء سے معافی مانگنے کا کہا تھا ساتھ امی سے بھی التجا کی تھی اسے معاف کرنے کی کہ انجانے میں جو خطا وہ کر بیٹھی تھی اس پر اس کو معاف کر دیا جائے۔ رجاء نے رو کر ماں سے معافی مانگی۔ رجاء کے ساتھ ماہ رخ بھی رو رہی تھی زار و قطار' وہ اتنا روئیں کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ امی کو رجاء کو چھوڑ کر انہیں سنبھالنا پڑا۔
"رجاء! بہت خوش قسمت ہو جو پہلے ہی قدم پر رہنمائی مل گئی' غلاظت کے جوہڑ میں گرنے سے بچالیا گیا' ماں سے معافی بھی مل گئی' کچھ لوگ ایسے بُرے بدنصیب بھی ہوتے ہیں' جن کو نہ معافی ملتی ہے نہ رہنمائی اور نہ ہی ماں باپ۔" امی نے انہیں پانی پلایا' تسلی دی مگر جاتے وقت تک ان کے آنسو تھمے نہ تھے۔
"اس رات بہت عرصے بعد وہ امی کے ساتھ سوئی تھیں۔ تنہا کمرے میں سوتے ہوئے اس کو پہلی بار خوف محسوس ہوا تھا۔ امی ساری رات پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہیں کہ وہ سوتے میں بھی ڈرتی رہی تھی۔ صبح وہ ناشتا کر کے فارغ ہی ہوئی تھیں کہ خالہ حاجرہ اپنے مخصوص انداز میں چلی آئی تھیں۔ فرش صاف کرتی رجاء کے ہاتھ میں وائپر لرز اٹھا اس خیال سے کہ کہیں ان کو کل کے واقعے کی خبر تو نہیں مل گئی' وردہ کا گھر ان کی گلی میں تھا' یہ بھی ممکن تھا کہ انہوں نے ماہ رخ کو اس گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہو' اگر ایسا ہو گیا تو وہ محلے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ فکر کی ایک لہر اس نے امی کے چہرے پر بھی دیکھی تھی مگر وہ جلد ہی خود پر قابو پا گئی تھیں اور حسب عادت خوش دلی سے ان کو خوش آمدید کہا تھا۔
"کل رات محلے میں عجیب انوکھا تماشا ہوا رضیہ بہن!" بیٹھتے ہی وہ اپنے سنسنی خیز انداز میں گویا ہوئی تھیں۔
"خیریت تو رہی نا؟" رضیہ کا دل کانپ اٹھا تھا۔
"ہاں بس یہی سمجھ لو اگر وہ لوگ یہاں رہتے تو نامعلوم کس کس کی عزت کو داغ لگتے' نامعلوم کتنے گھروں کے چراغ گل ہوتے۔"
"کون لوگ...... کس کی بات کر رہی ہو حاجرہ! ہوا کیا رات کو......؟"
"وہ لڑکی...... وردہ' جو تمہاری بیٹی کی سہیلی تھی۔" انہوں نے بیسن دھوتی ہوئی رجاء کی جانب دیکھتے ہوئے جتانے والے انداز میں کہا۔ وہ وردہ کے نام پر کانپ اٹھی تھی کہ نامعلوم وہ اب کیا کہنے والی ہیں۔
"میں تمہیں پہلے کہتی تھی' رجاء سے اس لڑکی کی دوستی مجھے کھٹکتی ہے' وہ لڑکی شکل سے ہی چلتی پرزہ لگتی تھی۔ رجاء اور اس لڑکی کا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا' کہاں یہ پردے والی لڑکی' کہاں وہ راہوں کی دھول۔" وہ جتنا چاہ رہی تھی وہ فٹافٹ حقیقت بیان کر دیں' بات اتنا ہی طول پکڑ رہی تھی' ان کی عادت تھی اسی طرح سنسنی پھیلا کر بات کرنے کی۔
"رات میں ہوا کیا ہے بتاؤ تو سہی؟" رضیہ نے بے چینی سے کہا۔
"رات پولیس نے چھاپا مارا ہے ان کے گھر۔"
"کیوں......؟"
"سنا ہے وہ غلط لوگ تھے' غلط دھندے تھے ان کے۔"



"سب پکڑے گئے؟" پہلا موقع تھا جو رضیہ ان کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھیں کہ یہاں ان کی بیٹی کا معاملہ تھا' اگر کوئی بات بھی اس کے حوالے سے سنی گئی تو سالوں کی عزت خاک میں مل جائے گی' یہی خیال اس وقت ان کو بدل گیا تھا۔ پودوں کو پانی دیتی رجاء زرد پڑ گئی تھی۔ گناہ جان کر کیا جائے یا انجانے میں' ایسی ہی ابری اذیت میں مبتلا رکھتا ہے۔
"نہیں! نامعلوم کس وقت بھاگ گئے وہ لوگ۔" ان کے انداز میں بہت دکھ تھا کہ وہ ایک تماشا دیکھنے سے محروم رہ گئیں۔
"دراصل کل آدھے سے زیادہ محلہ اپنے محلے کے [illegible] رہنے والے ہارون بھائی کے بیٹے کے ولیمے میں شریک تھا اس لیے کسی نے نہیں دیکھا ورنہ اتنی آسانی سے کوئی جانے دیتا؟ پولیس گھر سیل کر گئی ہے وارنٹ نکل گئے ہیں ان کے۔" رضیہ اور رجاء [illegible] سو وہ سانسیں برآمد ہوئی تھیں۔ وہ اپنے رب کی مزید شکر گزار تھیں کہ یہاں بھی خدا نے سرخروئی عطا فرمائی تھی۔
"ہماری پولیس [illegible] پکڑے بھی جائیں گے تو ٹکا کر کے چپ چاپ بھگا دے گی۔" حاجرہ نے ساتھ ہی پولیس پر بھی طنز کیا تھا۔
"اللہ سب کو ہدایت' توفیق دے نیک کام کرنے کی۔" رضیہ نے صدق دل سے دعا کی تھی۔
"رجاء سے اس کی اتنی دوستی تھی' کبھی اس نے فائدہ اٹھانے کی تو کوشش نہیں کی؟" جو کھد بد ان کے دل میں [illegible] وہ زبان پر آ گئی تھی۔ وہ خاموش رہیں کہ جھوٹ بولنے کی ان کو عادت نہیں تھی اور حقیقت کس طرح بتائی جاتی کہ جس رسوائی پر اللہ نے پردہ ڈالا وہ کس طرح عیاں کرتیں۔
"کس طرح سے لوگ دھوکا دیتے ہیں' دیکھنے میں شریف ملنسار تھے' کوئی ایسی بات ہی نہ تھی جس سے معلوم ہوتا کچھ گڑبڑ ہے۔" حاجرہ ان سے سوال کر کے خود ہی جھینپ گئی تھیں' سو خود ہی جلدی سے بولیں۔
"باطن کی خبر اس ذات کو ہی ہوتی ہے جو سب کی ظاہرہ پوشیدہ باتوں سے واقف ہے' وہ ہی سب کے بھید جانتا ہے اور رازوں کا امین ہے۔"
"رجاء بیٹی کس کے ساتھ جائے گی کالج اور کوچنگ......؟ محلے کی کوئی لڑکی اس کے ساتھ پڑھتی نہیں ہے اول تو دور ایسا نہیں ہے کہ یہ تنہا کالج وغیرہ جائے اور اگر جانے کی کوشش بھی کرے گی تو کس طرح جائے گی؟ بچی کو تنہا نکلنے کی عادت جو نہیں ہے۔" ان کو نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔
"اللہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا ہی دے گا' میں ساتھ جایا کروں گی' چند دنوں کی تو بات ہے امتحان تک تھوڑی مشقت کرنی پڑے گی مجھے۔"
"فکر مت کرنا' کبھی کبھی میں بھی چلی جایا کروں گی' تمہیں بہن کہا ہے خالہ کا حق تو ادا کرنا پڑے گا نا۔" ان کے لہجے میں پہلی بار خلوص شامل ہوا تھا' وجہ رضیہ کی پُرخلوص و مہربان شخصیت تھی جو ان کو بھی متاثر کر گئی تھی' وہ خاصی دیر تک میٹھی باتیں کرتی رہیں پھر گھر سے بچہ بلانے آیا تو چلی گئیں۔
"امی! ابو کو معلوم ہو جائے گا وردہ کے گھر والوں کے بارے میں تو پھر وہ ناراض ہوں گے' کہ میں نے ایسی لڑکی سے دوستی کیوں کی؟" رجاء ان کے قریب آ کر بولی۔
"میں شکر کر رہی ہوں' تمہارے ابو کاروباری کام کے باعث ایک ہفتے کے لیے کوئٹہ چلے گئے ہیں ورنہ

یہاں ہوتے تو شاید ان کو یہ معلوم ہو جاتا پھر خدا جانے ان کا ردعمل کیا ہوتا؟ انہوں نے دبے لفظوں میں مجھ سے کئی بار کہا بھی تھا کہ تمہارا اس لڑکی کے ساتھ میل جول' کالج وکوچنگ جانا ان کو بالکل پسند نہیں ہے۔ میں نے ہی ان کی اور تمہاری حمایت لی کہ ہماری بیٹی کی تربیت جن خطوط پر ہوئی ہے وہ اس کو بھٹکنے نہیں دیں گے۔''

''میں پھر بھی بھٹک گئی' آپ کے اعتماد کو کرچی کرچی کر دیا ہے میں نے۔ امی! آپ نے مجھے معاف کر دیا' شاید اللہ بھی معاف کر دے مگر میں...... میں خود کو بھی معاف نہ کر پاؤں گی' کبھی بھی نہیں۔'' وہ ان سے لپٹ کر رو دی۔

''چپ ہو جاؤ' یہ آنسو تمہارے کچھ عرصہ بعد خشک ہو جائیں گے مگر تاحیات جب بھی ماضی کی کتاب کے اوراق پلٹے جائیں گے' ان میں شامل یہ چند ورق تمہیں ایسی ہی روحانی اذیت میں مبتلا رکھیں گے۔'' بہت سنجیدگی سے انہوں نے رجاء کے آنسو صاف کیے تھے۔

''امی! ابو کو وہاں سے آنے کے بعد معلوم ہو گیا تو پھر......؟''

''میرا دل کہتا ہے ان کو معلوم نہیں ہوگا' کیونکہ اتنے دنوں تک بات دب جائے گی پھر یہاں کے لوگ تمہارے ابو کا اتنا احترام کرتے ہیں فالتو بات نہیں کرتے ہیں اور ایسی بات تو بالکل بھی نہیں کریں گے۔'' انہوں نے تسلی دی۔

''ہم ابو کے آنے تک ماموں کے ہاں رہیں گے' میرا دل نہیں لگ رہا یہاں اور وہاں میں فاطمہ باجی سے نوٹس وغیرہ بھی لے لوں گی۔''

❁......□......❁

نہ فکر فردا نہ یاد ماضی
نہ چین دل کو نہ بے قراری
نہ وصل کی سرزنشیں نظر میں
نہ بے بسی ہجر کے [illegible]
نہ حد سے گزرا ہوا جنوں [illegible]
نہ بے کلی وہ پہلے جیسی
بس اک اداسی ہے [illegible] ویسی
بس اک خوشی ہے گراں سی
بس اک بے نام سی جلن ہے
بس اک بے نام سی تھکن ہے
جو زندگی کے ادھورے پن کو
حدوں سے آگے بڑھا رہی ہے

ائیر فریشنر کی خوش بو میں تازہ پھولوں کی مہک مل کر فضا کو معطر کیے ہوئے تھی۔ بہت خوب صورت اسٹینڈز میں موم بتیاں روشن تھیں' جن سے ماحول بڑا فسوں خیز و رومانٹک تھا۔ میز پر ان کی پسندیدہ ڈشز موجود تھیں' کینڈل لائٹ ڈنر انہیں ہمیشہ سے پسند تھا اور خوش بوئیں یونہی انہیں اپنے سحر میں جکڑ لیا کرتی تھیں اور بے خود



وہ ان اس پیار کے ساگر میں ڈوب جاتی تھیں' خوشیاں ان کے انگ انگ سے چھلکتی تھیں۔ اب بھی ماحول وہی تھا' نیم اندھیرا تھا' خوش بوئیں تھیں' چاہتیں تھیں۔ سامنے بیٹھا وہ شخص جو ان کا شریک حیات تھا مخمور نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں بھرپور استحقاق تھا۔ وہ ان سے اظہار محبت کر رہا تھا۔ دن و رات کے ان گنت لمحوں میں وہ اپنی محبت کا اظہار بے شمار بار کرتا تھا شاید ان کو اس عمل سے خوشی ہوتی تھی یا وہ خود کو یقین دلاتا تھا یا اس سے یقین حاصل کرنا چاہتا تھا۔

مگر وہ برف کا گلیشیر تھی۔ برف کی موٹی تہوں میں ہر جذبہ' احساس' محبت' اظہار سب دفن ہو چکا تھا۔ ان کی ذات برف میں چھپی مرقد بن چکی تھی۔

''شنی! کیا میں وہ لمحے کبھی حاصل نہ کر سکوں گا جو فقط میرے لیے ہوں گے...... جن میں صرف میری محبت کی خوش بو مہک رہی ہوگی...... جن میں علاوہ میرے کسی اور کا عکس نہ ہوگا؟'' وہ ان کے نرم و نازک خوب صورت ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ کر گویا ہوئے۔

''ایک بات کہوں......؟'' انہوں نے بوجھل پلکیں اٹھا کر سوالیہ انداز میں کہا۔

''ایک بار نہیں ہر وہ بات جو ہمیں قریب سے قریب تر کر دے۔'' صفدر کے دھیمے لہجے میں گرم جوشی تھی۔

شنی کی نگاہیں ان کے چہرے پر تھیں' لبوں پر ہلکی سی تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

''نہ معلوم کس قسم کی قربت چاہتے ہیں آپ' میں آپ کی بیوی ہوں' آپ کے بیٹے کی ماں ہوں ہمارے درمیان بے گانگی نہیں ہے۔''

''مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ آپ میری بیوی ہیں' میرے بیٹے کی ماں ہیں' آپ نے مجھے وہ ساری خوشیاں دی ہیں جو ایک عورت دیتی ہے مگر......''

''مگر...... کیا؟'' وہ مسکرائیں پھر یکلخت سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔ ''یہ 'مگر' کسی آدم خور مگرمچھ کی مانند میری حیات کے لیے خطرہ بن گیا ہے' میں جتنا اس سے بچنا چاہتی ہوں یہ اتنا میرا تعاقب کرتا ہے۔'' انہوں نے ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔

ان کے خوب صورت چہرے پر آزردگی پھیل گئی تھی' پرفسوں ماحول میں دھواں سا پھیلنے لگا تھا جس میں ان کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے ڈیئر! میں آپ پر اعتبار کرتا ہوں' مجھے یہ بھی معلوم ہے آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں مگر...... مجھے اکثر محسوس ہوتا ہے آپ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہوتیں' آپ کی محبت اس پھول کی مانند ہے جو اپنی خوب صورتی میں ثانی نہیں رکھتا مگر خوش بو سے عاری ہوتا ہے۔'' صفدر جمال کے دل کی خلش اکثر و بیشتر ان کے لہجے سے عیاں ہو جاتی تھی جس کو بیان کرنے کے لیے وہ موقع دیکھتے تھے نہ وقت۔

''بات ساری یہ ہے صفدر جمال صاحب! مرد ہمیشہ کم ظرف و کینہ پرور رہتا ہے۔ خود وہ کتنے بھی پہلوؤں میں وقت گزارے' کتنے ہی دامن تار تار کر دے پھر بھی خود کو حق بجانب' نیک و پارسا ہی گردانتا ہے اگر بدقسمتی سے کوئی عورت کسی وجہ سے دوسرے مرد سے رشتہ وابستہ کرتے تو وہ کبھی بھی قابل اعتماد نہیں رہتی' پوری سچائی' مکمل ایمان داری سے تعلق نبھانے کے باوجود بھی پہلے ''مرد'' کے حوالے سے اس پر سنگ باری جاری رہتی

ہے۔" شئی کے لہجے میں سسکتی ہوئی سچائی نے صفدر جمال کو شرمندہ کر دیا تھا۔

"سوری ڈارلنگ! واپس آ جاؤ' کیوں ماضی کے لیے ہم اپنی قربت خراب کریں۔"

❁......□......❁

دو دن سے طغرل کی طبیعت ناساز تھی۔ نزلہ' بخار' کھانسی متحد ہو کر اچانک ہی اس پر حملہ آور ہوئے تھے گو کہ فیاض صاحب نے فوراً ہی ڈاکٹر کو بلوا لیا تھا۔ دوا سے بیماری میں افاقہ تو ہوا تھا مگر بخار کی حرارت باقی تھی' دادی جان نے اس کو ان دنوں ہتھیلی کا چھالا بنا لیا تھا' ان کا سارا وقت اس کے کمرے میں ہی گزرتا تھا اور ان سے بعید نہ تھا کہ وہ رات میں بھی اپنا بستر اس کے کمرے میں ہی لگوا لیتیں اگر ان کا لاڈلا انہیں منع نہ کرتا۔

دادی سے زیادہ اس کی صحت یابی کی دعائیں پری مانگ رہی تھی کہ اس کے بیمار پڑنے سے اس کی اصل شامت آ گئی تھی۔ دادی پہلے ہی کیا کم اس پر جان دیتی تھیں مگر ان دنوں تو وہ اس پر کچھ اس طرح نثار تھیں کہ پری کو خوب ہلکان کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے اسی کو دادی نے ڈیوٹی سونپی تھی کہ ملازماؤں پر وہ اعتبار کرنے کی عادی نہ تھیں' صباحت' عادلہ و عائزہ ان کے معیار پر پوری نہ اترتی تھیں' ایک وہ ہی تھی جو ان کے مزاج و پسند سے بخوبی واقف تھی' وہ اس پر مکمل طور پر اعتماد کرتی تھیں' یہ دوسری بات کہ ان کے اعتماد نے اس کو گھن چکر بنا دیا تھا۔ سوپ' دلیہ' کھچڑی' جوس ایک کے بعد ایک فرمائش ہوتی تھی اور سب کچھ صرف چکھا جاتا تھا۔ دو سے تیسرا چمچ اس کے منہ میں نہیں جاتا تھا۔ اب بھی دادی اس کو چکن دلیے کی ہدایت دے رہی تھیں۔ ساتھ میں چائنیز سوپ بنانے کا آرڈر بھی شامل تھا۔ دلیہ دیگچی میں رکھ کر وہ بوائل چکن کے ریشے کرنے لگی دادی بھی وہیں موجود تھیں متفکر سی۔

"کیا سوچ رہی ہیں دادی جان؟" وہ بھی پریشان سی ہو گئی تھی۔

"میرے منہ میں خاک...... کہیں میرے بچے کو وہ "ڈھوگی" تو نہیں ہو گیا ہے؟ بخار اترنے کا نام نہیں لے رہا' دن بہ دن بچہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔" دادی کو نئی فکر ستائی تو وہ بول اٹھیں۔

"دادی جان! ڈھوگی نہیں ڈینگی کہتے ہیں۔" اس نے تصحیح کی۔

"ہاں ہاں وہی ڈنگی نہ ہو گیا ہو میرے بچے کو...... ابھی لان میں مچھر دیکھے ہیں میں نے تب سے ہی دم آ رہا ہے مجھے۔"

"آپ کے لاڈلے میں اتنا زہر ہے کہ مچھر خون پی کر مر جائے گا۔"

"کیا بڑبڑا رہی ہے' ذرا اونچا بول......" دادی نے گھور کر کہا۔

"ہر جگہ اسپرے ہوتا ہے' مچھر کہاں سے آئیں گے البتہ تتلیاں ضرور دکھائی دیں۔"

"آئے ہائے نگوڑی! اب میری نگاہیں اتنی بھی کمزور نہیں ہوئی ہیں کہ تتلیاں مجھے مچھر کے سائز کی دکھائی دینے لگیں۔" وہ فوراً ڈپٹ کر گویا ہوئی تھیں۔

"یہ میں نے کب کہا دادی جان! میں تو یہ کہہ رہی تھی آپ طغرل صاحب کے ناز نخرے کم ہی اٹھائیں تو بہتر ہے ورنہ وہ کبھی تندرست نہ ہوں گے۔"

"ہیں...... یہ کیا بات کی تُو نے؟" وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرانی سے بولیں۔

"جی ٹھیک کہہ رہی ہوں میں' جس طرح سے آپ نے ان کو سر پر بیٹھا رکھا ہے اس طرح بیماری بھاگنے کے



بجائے چمٹ کر رہ جائے گی۔"

"اچھا...... مجھے تو اس بات کی عقل ہی نہیں ہے...... ہوں!" وہ بے حد بارعب انداز میں اس کو گھور کر گویا ہوئی تھیں۔

"کتنی مرتبہ سمجھایا ہے تجھے' میں تیری دادی ہوں تُو میری دادی بننے کی کوشش نہ کیا کر...... اپنے فضول مشورے اپنے پاس رکھا کر ضرورت نہیں ہے مجھے۔"

"آپ کو تو ہر بات بکواس لگتی ہے میری۔"

"بکواس ہوگی تو بکواس ہی لگے گی نا!"

"آج سے چند ہفتے قبل تک تو ایسا کبھی نہیں ہوا کرتا تھا۔"

"آج سے آنے والے دنوں تک بھی سب ویسا ہی ہو سکتا ہے جیسے پہلے تھا' بس تم اپنا رویہ درست کر لو طغرل کے ساتھ تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں نے کون سا ان کو سولی پر لٹکایا ہوا ہے؟" اس نے پیالہ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تم نے غلطی کی' اس پر الزام لگایا ہاتھ پکڑنے کا' بچے نے بتا دیا کہ اس سے انجانے میں ایسا ہوا اس کے باوجود تم نے کسی محبت و رشتے کو خاطر میں لائے بنا کھری کھری سنا ڈالیں' وہ شرمندگی سے نگاہیں نہ اٹھا سکا' معذرت کر لی غلطی نہ ہونے کے باوجود بھی اور تم اکڑی اکڑی گھوم رہی ہو اور جانتی ہو تمہاری ماں چیل کی طرح لگتی ہیں۔" ان کے آخری جملے پر اس کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"مما نے کچھ کہا ہے دادی جان!" وہ ان کے قریب آ کر استفسار کرنے لگی۔

"مجھ سے کچھ کہنے کی ہمت اس میں نہیں ہے۔"

"پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ متجسس ہیں؟"

"میری عمر میں اتنا شعور آ جاتا ہے کہ بندہ سامنے والے کو سمجھنے لگتا ہے۔ عادلہ بے حساب چکر لگاتی ہے طغرل کے پاس' صباحت اور عائزہ بھی حاضری دیتی ہیں' ایک تم ہی ہو جو ایک دفعہ بھی اس کے پاس نہ گئیں۔ وہ تو سمجھیں گی نا' کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے جو تم اس سے کترا رہی ہو۔" وہ حسب عادت اس کو جھاڑ پلا رہی تھیں۔

"آپ کیوں ایسا سوچتی ہیں؟ میرے جانے نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ جھنجلا کر رہ گئی۔

"ہاں بھئی! امن مائی کی تمہاری عادت پرانی ہے' کب مانو گی۔" وہ ایک لٹھ سا مار کر وہاں سے چلی گئی۔

"کیسا منحوس شخص ہے جب سے آیا ہے میری زندگی اجیرن کر دی۔ کاش! میں تمہارے سوپ میں زہر ملا کر پلا سکتی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی تھی' دادی خفگی بھرے انداز میں وہاں سے چلی گئی تھیں' جس کا مطلب تھا ان کے لاڈلے کی عیادت کیے بنا اور کوئی چارہ نہ تھا ورنہ ان کا موڈ درست ہونے والا نہ تھا۔ سوپ اور دلیہ تیار ہوا تو وہ دل نہ چاہنے کے باوجود ٹرالی سجا کر وہاں آ گئی' اس جگہ جہاں اس کی مرضی کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا اور آج وہ خود بے دخل کر دی گئی تھی۔

وقت بھی شطرنج کی بساط کی مانند ہے اس کے احاطے میں ہر چال موجود ہے' جس کو عموماً یہ بڑی چالاکی سے تو

کبھی بے حد سفاکی سے چلتا ہے......

کبھی عروج کو زوال دیتا ہے

کبھی ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے
کسی کو شہرت کی بلندی عطا کرتا ہے
کسی کو گمنامی کی پستی میں دفن کر دیتا ہے

جیسے آج وہ اپنے ہی کمرے کے دروازے پر کھڑی دستک دے رہی تھی۔

''آ جاؤ......'' اندر سے طغرل کی آواز آئی اور وہ لمبی سانس لے کر اندر داخل ہوگئی۔ کمرا معطر تھا' کوئی بے ترتیبی وہاں موجود نہ تھی۔ ٹرالی بیڈ کے پاس لاتے ہوئے اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر طغرل کی جانب اٹھیں' بیڈ کے بیچوں بیچ وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ وجیہہ چہرے پر نقاہت تھی۔ دو تین دن سے شیو نہ کرنے کی باعث خاصی شیو بڑھ گئی تھی' جس نے اس کی شخصیت کو پُر وقار بنا دیا تھا' بال بے ترتیبی سے کشادہ پیشانی کو چوم رہے تھے۔

پری کا آنا اس کے کمرے میں اس کے لیے بھی غیر متوقع تھا' وہ بھی حیران نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ لمحے بھر کو دونوں کی نگاہیں ملی تھیں' پری نے فوراً ہی نگاہیں نیچے کرلیں۔ طغرل کی نگاہیں ہنوز اس کے چہرے پر تھیں' ابھی ہوئی بے چین آنکھیں...... ! لمحے بھر کو ان کی نگاہیں ملی تھیں اور اس لمحے بھر میں اس نے جان لیا تھا کہ پری کی نگاہوں میں کتنی سرد مہری اور لاتعلقی تھی۔ گویا ناشناسی ہی ناشناسی۔

آنکھیں! جو دل کا آئینہ ہوتی ہیں...... ! جو دل کا وہ بھید بتاتی ہیں جس سے زبان ناآشنا رہتی ہے۔

''طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' بہت پُر تکلف انداز تھا اس کا۔

''ٹھیک...... ٹھیک ہے۔'' اس نے احساسات کو جھٹکتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''دادی جان یہاں آئی تھیں مگر...... یہاں تو نہیں ہیں؟'' وہ سوچ رہی تھی اس کو صلواتیں سنا کر وہ یہاں آئی ہوں گی اور وہ ان کی موجودگی میں اس کی طبیعت پوچھ کر چلی آئے گی' اس طرح دادی خوش ہو جائیں گی۔ ممانی عادلہ اور عائزہ کو بھی کچھ تجسس نہ رہے گا کیونکہ وہ تینوں اس کا یہاں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں' ان کی اوّل روز سے ہی یہی خواہش تھی کہ وہ اس گھر سے چلی جائے' یہاں نہ رہے۔ یہ دادی کی محبت بھری مہربانی تھی جو وہ یہاں موجود تھی' وہ اب بھی ایسے کسی موقعے کی تلاش میں رہتی تھیں جو انہیں میسر آئے اور وہ اس کو ذلیل و خوار کر کے گھر سے نکال باہر کریں۔

''آپ کا مطلب ہے' میں جادوگر ہوں...... دادو کو میں نے غائب کر دیا ہے' جو وہ تمہیں یہاں نظر نہیں آ رہی تھیں؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ تپ کر بولی اور جانے لگی۔

''جا کہاں رہی ہو؟ دادی اپنے کمرے میں نماز ادا کرنے گئی ہیں' وہ تو جلدی نہیں آئیں گی' مجھے بھوک لگ رہی ہے' پلیز تو پیش کرتی جاؤ۔'' وہ خاموشی سے ٹرالی کی طرف بڑھی' ڈش کا ڈھکن ہٹا کر پلیٹ میں دلیہ نکالا' پیالے میں سوپ ڈال کر چمچ سمیت ٹرے میں رکھ کر اس کے قریب ٹرے رکھ دی تھی۔ عقبی جانب رکھے فریج سے منرل واٹر کی بوتل اور گلاس بھی قریب ہی اس کے رکھ دیا تھا اور پھر پلٹنے لگی۔ تو اس نے پھر ٹوک دیا۔

''کہاں جا رہی ہیں؟''

''اور کچھ چاہیے آپ کو......؟'' اس نے پلٹ کر پوچھا۔



''ہاں......!'' وہ سنجیدہ تھا۔

''کیا......؟''

''زندگی......!''

''کیا مطلب......! آپ زندہ سلامت دکھائی دے رہے ہیں۔''

''یقیناً...... مگر آگے کچھ پتا نہیں۔''

''آگے کا پتا تو کسی کو بھی نہیں ہے۔''

''میرا مطلب ہے......'' اس نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایک چمچ دلیہ' ایک چمچ سوپ پہلے آپ کھا کر دکھائیں پھر...... میں کھاؤں گا' دشمن پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے' کیا معلوم......''

''شٹ اپ...... شٹ اپ' آپ کا مطلب ہے میں اس میں زہر ملا کر لائی ہوں؟'' مارے غصے کے وہ لال بھبوکا ہوگئی۔

''میں بھری جوانی میں مرنا نہیں چاہتا۔'' اس نے خوف زدہ ہونے کی ناکام اداکاری کی' اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

''بھری جوانی میں نہیں' بھرے بڑھاپے میں مریں گے آپ۔''

''یعنی تم دعا بھی بددعا کی طرح دیتی ہو۔'' وہ اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''غصہ مت ہو پلیز! صرف ایک بات ایمان داری سے بتا دو؟ کھانا بناتے وقت تمہارا دل چاہتا ہے نا کہ زہر ملا دو؟'' ایک پل کو تو اس کا دل بند سا ہوا یہ سوچ کر کہ وہ کتنی سچائی سے اس کے دل کا بھید پا گیا تھا۔ وہ سن سی رہ گئی۔

''میں نے ایمان داری سے کہا ہے' ڈنڈی مت مارنا۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں یقین کی شمعیں روشن تھیں اور وہ انکار و اقرار کی حالت میں نہ تھی۔

''اگر مجھے آپ کو زہر دینا ہوتا تو پہلے دن ہی دیتی۔''

''یہ بے ایمانی ہے' یہ دوغلا جواب نہیں چاہیے مجھے۔''

''اگر آپ کو کھانا ہے تو کھائیں ورنہ باہر ہوٹل موجود ہیں اور وہاں آپ کا کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے میں تو مذاق کر رہا تھا۔ جب تک میں کھاؤں تب تک تم بیٹھو نا یہاں۔ دراصل تنہائی میں مجھ سے کھایا نہیں جاتا ہے۔'' شرافت سے درخواست کی گئی تھی' وہ خاموشی سے ریک میں رکھی کتابیں درست کرنے لگی' تب ہی عجیب سی آواز پر پلٹ کر دیکھا' طغرل کے منہ سے سفید جھاگ نکل رہے تھے' وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

# طلوعِ سحر

طلعت نظامی

اتنا آساں بھی نہیں اپنی ہستی سے گزر جانا
اُترا جو سمندر میں تو دریا بہت رویا
جو شخص نہ رویا تھا تپتی ہوئی راہوں میں
جب سایۂ دیوار میں بیٹھا، تو بہت رویا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"اور ہم تمہیں اولاد اور مال عطا کر کے آزمائش میں ڈالیں گے۔"

آج یہ فرمان ذہن کے گنبد میں بگولوں کی طرح گھوم رہا تھا۔ نگاہیں دل اور اپنے کہے گئے وہ جملے جو شاید تکبر میں پنہاں محسوس ہوئے تھے۔ وہ قدموں تلے روندتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ نگاہیں چکا چوند تھیں تو قدرت کی ستم ظریفی پر...... دل بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا تو نہ ختم ہونے والا آزمائش در آزمائش کا سلسلہ دیکھ کر الفاظ گنگ ہو گئے تھے اپنی ہی اولاد کے جملے سن کر آنسو بھی ڈر کر پلکوں پر ہی سمٹ کر رہ گئے تھے کہ کیا شکار ہوں گے تو دنیا والوں کے قہقہوں کی وجہ بن جائیں گے۔ اپنے ہاتھوں کی طرف نظر اٹھائی تو خالی محسوس ہوئے سدا کی طرح۔ میں جو اس گھمنڈ میں مبتلا تھی کہ چار اولادوں کی بہترین تعلیم و تربیت کی دولت میرے ہاتھ آ گئی ہے اب میں ان چمکتے دمکتے ہیروں کی چکا چوند سے دنیا والوں کی آنکھیں خیرہ کر دوں گی کہ دیکھو میں منفرد [illegible] تو میری اولاد میں بھی میری [illegible] انفرادیت رچی بسی ہوگی۔ آج میرا سر نگوں نہیں بلکہ میں فخر سے سینہ تان کر اپنی اولاد کی سیرت و کردار کی مضبوطی، تعلیم و تربیت میں تم سب سے آگے ہونے اور شخصیت کو صحیح خطوط پہ استوار کرنے والی ماں کا تاج پہنوں گی۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ میرے اوپر انگلیاں اٹھانے والوں کے ہاتھ تھک کر خود بخود گر جائیں گے لیکن انہیں کوئی ایسا محرک نہیں نظر آئے گا [illegible] پر وہ مجھ پر کیچڑ اچھال سکیں گے۔ میں [illegible] کے درمیان سے نکل [illegible] ان لوگوں کو سوائے کردار کشی، غیبت، چغلی [illegible] اڑانے کے علاوہ کوئی کام نہیں [illegible] اس لیے مجھے ایسے لوگ بھی [illegible] معاشرے میں الگ مقام رکھتی ہوں [illegible] ہوں مجھے صرف لفظوں کی عمارت تعمیر کرنا نہیں آتا بلکہ میں اپنے بچوں کی بھی بہترین کردار سازی کروں گی کہ واقعی میرے خاندان والوں کو اپنے بچوں میں اور میرے بچوں میں واضح امتیاز نظر آئے گا اور وہ دن میرے لیے فخر و انبساط کا دن ہوگا جب مضبوط کردار کی حامل اولاد کے درمیان ایک بہترین ماں ہونے کا شرف حاصل ہوگا...... اور ایک

سنگھاری کو اپنے خوب صورت جملوں کو حقیقت ہونے کا حق نصیب ہوگا میں پورے وثوق سے کہہ سکوں گی کہ آپ لوگوں سے علیحدگی نے میرا کچھ بگاڑا نہیں بلکہ سنوارا ہے کہ میری تربیت میں چغلی بدگوئی تمسخر کا کوئی عنصر نہیں بلکہ تہذیب اعلیٰ اقدار کے موتی دور سے ہی لشکارے مار رہے ہیں۔

لیکن......! یا اچانک کیا ہوا......؟

میری اولاد میری آنکھوں کے سامنے خود میرا تمسخر اڑانے کو کھڑی تھی؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذہن پہ دستک دے رہا تھا۔

"میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا پہچانا ہے۔"

شاید یہی زندگی ہے۔ اگر اسی کو زندگی کہتے ہیں تو یہ بہت بھیانک حقیقت بن کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ کوئی معمولی حادثہ نہیں بلکہ آسمان کا ٹوٹنا شاید اسی کو کہتے ہیں۔ جبہ میرے سامنے سے جا چکی تھی اپنا مصمم ارادہ میرے سامنے آشکار کر کے کہ وہ ولید سے شادی ضرور کرے گی چاہے اس میں میری اور اس کے پاپا کی مرضی شامل ہو یا نہ ہو بصورت دیگر وہ کورٹ میرج کر لے گی۔

ولید کے بارے میں میں کیا کہوں صرف اتنا اس کی شخصیت کا پہلو جائزہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ ایک لڑکی جس سے اس کا تعلق چند ہی مہینوں کا ہوگا اسے والدین کے خلاف کورٹ میرج تک پر آمادہ کر چکا تھا۔

یہ کسی کے اچھے انسان ہونے کی نشانی تو نہیں......؟

اسے میں جانوں یا نہ جانوں لیکن آج اسے اپنی چہیتی بیٹی جبہ کے ساتھ دیکھ لینا ہی کافی تھا۔ سیاہ پینٹ پر کھلی شرٹ پہنے کلائی میں سیاہ پلاسٹک کا حلقہ آنکھوں پر سن گلاسز لگائے اور ایک ہاتھ میں قیمتی موبائل سیٹ اٹھائے بگڑا ہوا رئیس زادہ تو ضرور لگ رہا تھا۔ کوئی سلجھا ہوا جوان نہیں۔ بلاشبہ وہ بے حد خوب صورت تھا لیکن ایسی خوب صورتی کا کیا فائدہ جس میں قرینہ ہی نہ ہو۔

میں جبہ کے رنگ ڈھنگ چند دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ اس میں ایک بدلاؤ سا آ گیا ہے۔ وہ اپنے اوپر کچھ زیادہ ہی توجہ دینے لگی تھی اور تو اور ہمیشہ کی بے پروا رہنے والی لڑکی خود کو سجانے سنوارنے کو کچھ زیادہ ٹائم دینے لگی تھی کیونکہ وہ تو ایسے ہی بہت خوب صورت تھی صرف اپنی تعلیم پر توجہ دینے والی میری بیٹی لپ اسٹک لگا کر کالج جا رہی تھی تو یہ کوئی انہونی نہیں تھی کیونکہ کالج کی اکثر لڑکیاں خود کو سنوار کر جاتی ہیں لیکن میری جبہ کے لیے یہ غیر معمولی بات ضرور تھی کیونکہ وہ تو شادی تک میں جانے کے لیے بہت مشکل سے میک اپ کیا کرتی تھی۔ وہ ایسے ہی اچھی تھی گندمی کھلتی ہوئی رنگت بڑی بڑی غلافی آنکھیں گلابی ہونٹ اور پشت پر چھائے گھنے آبشار جیسے بال اسے سجنے کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ میری شادی [illegible] مکمل لڑکی تھی لیکن اچانک خود کو سنوارنے کے لیے کافی دیر تک آئینے کے سامنے کھڑے رہنا جلدی کالج کے لیے نکل جانا اور دیر سے گھر واپس آنا یہی سب محسوس کرتے ہوئے اس سے میں نے بات کرنے کی ٹھانی تو جواباً وہ عجیب نظروں سے مجھے دیکھنے لگی جیسے کوئی لایعنی بات اس کے آگے کر دی گئی ہو۔ اس نے مجھے آج تک ایسے نہیں دیکھا تھا آج میرے لہجے کی سختی بھی اس کی پلکیں جھپکا نہ سکی تھی۔

"مما! آپ بھی نا! ابھی تک میرے بچپنے سے نہیں نکلیں۔ میں اب کالج اسٹوڈنٹ ہوں۔ وہاں لڑکیاں جس روپ میں آتی ہیں نا اگر دیکھ لیں گی تو آپ سکتے میں آ جائیں گی۔"

"ضرور آتی ہوں گی اس میں سکتے میں آنے والی کوئی بات نہیں لیکن ہم جس فیملی سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ان لڑکیوں سے میل جول بڑھانا بالکل مل جانا ضرور سکتے میں آنے والی بات ہوگی میں بھی کالج اور یونیورسٹی کی طالبہ رہی ہوں بیٹا! کسی اندھے کنویں کی لڑکی نہیں جسے بدلتے ادوار کی خبر نہ ہو۔" میرا لہجہ خود بخود کچھ اور سخت ہو گیا۔

"آپ کا زمانہ اور تھا مما! یہ زمانہ اور ہے۔ اس میں ماحول کی مطابقت سے نہ چلا جائے تو لوگ گنوار کہتے ہیں اس لیے سب کی دوڑ کے ساتھ ہی دوڑنا چاہیے۔" وہ قطعیت سے بولی۔

"گرچہ کہ یہ دوڑ اندھے کنویں کی طرف ہی کیوں نہ ہو......؟"

"ہم لوگ بے عقل نہیں مما! آپ سمجھتی کیوں نہیں؟" وہ زچ ہوگئی لیکن اس کے جملوں کی مضبوطی سے مجھے خطرے کی بو محسوس ہو چکی تھی۔

اب اس پر میری کڑی نظر تھی اور لبوں پر دعا کہ "خدایا! مجھے وہ دن نہ دکھانا جب میرے فخر و غرور کی عمارت میرے ہی اوپر نہ گر جائے۔" پھر میں نے اس کا پیچھا کیا۔ کالج آف ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے اسی جگہ پہنچی جہاں سے کالج گیٹ صاف دکھتا تھا اور میں نہیں۔ میری بیٹی دوسری لڑکیوں کے ساتھ عام سے انداز میں نکلی تھی لیکن کالج بس میں سوار نہیں ہوئی۔ بس یہیں سے شروعات تھی میرے دل کی دھڑکنوں کے تیز ہونے کی۔ وہ روڈ کی ایک سمت میں دیکھ رہی تھی پھر تھوڑی ہی دیر بعد سیاہ رنگ کی کار سامنے آ کھڑی ہوئی اور وہ اس میں دروازہ کھلتے ہی سوار ہوگئی۔ میرا دل لگ رہا تھا کام کرنا بند کر دے گا۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی اور کار اسٹارٹ ہوگئی۔ میں نے ایک ٹیکسی والے کو فوراً اس گاڑی کا پیچھا کرنے کو کہا جو ایک پارک میں جا کر رکی۔ جبہ اور وہ لڑکا جسے وہ ولید کہتی تھی اتر کر نسبتاً سنسان گوشے میں رکھی بینچ پر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی آپس کی باتیں جاری ہی تھیں کہ میں ان کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ جی تو چاہ رہا تھا جبہ کا منہ تھپڑوں سے لال کر دوں۔ ایک زمانہ اپنے اوپر ہنستا محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ وقت جذباتیت کا نہیں تھا۔ وہ ہکا بکا مجھے دیکھ رہی تھی اور لڑکے کا بھی حیرانی سے کم برا حال نہیں تھا۔

"اچھا! تو میری عقل مند بیٹی اس ٹائم یہ پڑھائی پڑھتی ہے؟" میرے لہجے میں خود بخود طنز اُمڈ آیا۔

"مما...... آ...... آپ...... یہاں......؟" مارے خوف کے جبہ کی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔

"کیوں! میں یہاں نہیں آ سکتی؟ تمہارے بدلے ہوئے اطوار نے مجھے تمہارا پیچھا کرنے کا اشارہ کیا ہے جبہ! ورنہ واقعی میں یہاں آج نہیں ہوتی اور تم......! تم جو کوئی بھی ہو مجھے اس سے واسطہ نہیں......" اب میں اس جوان کی طرف مڑی تھی جو اب قدرے بیزاری سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "صرف اتنا کہنا چاہوں گی تم سے کہ وقتی جذباتیت جبہ کو ضرور عام سی لڑکی بنا سکتی ہے لیکن یہ عام ماں باپ کی بیٹی نہیں جو اس کا یہ وقتی خمار اُتار نہ سکیں۔" ایک تنفر سے کہہ کر میں نے جبہ کا بازو پکڑ کے تقریباً کھینچتے ہوئے لا کر ٹیکسی میں بٹھا دیا۔

"مما......! وہ میرا کلاس فیلو تھا...... ہم ڈسکشن......"

"تم شاید ابھی مجھے پوری طرح پہچان نہیں پائی ہو جبہ! ورنہ ابھی یہ معنوی بہانے بازی نہ کرتیں لیکن

میں تمہیں ضرور جان گئی ہوں۔ اب بالکل خاموشی سے بیٹھی رہو تماشا مت بناؤ۔" وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو چلا تھا۔ شکر ہے اس کے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کو میں نے روک لیا تھا۔ بہت مضمحل سی اسے لے کر اس کے کمرے میں آئی تھی۔ دونوں بیٹے اور بیٹی اسکول سے آ کر اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔

"مما! آپ جو کچھ کہنا چاہ رہی ہیں کھل کر کہہ لیجیے تاکہ آپ کی بھڑاس نکل جائے خاموش رہ کر کیا فائدہ......؟" اس کے لہجے میں پشیمانی نہیں تھی‘ بس ایک الجھن تھی۔ وہ بھی وہ جلد دور کرنا چاہ رہی تھی۔ میں تو حیران رہ گئی تھی۔

"اس وقت میں اور کیا کہنا چاہوں گی حبہ! کیا تم نہیں جانتیں......؟ اس وقت جب میری طرف اٹھتی انگلیوں کو اشارہ مل جائے گا‘ لوگوں کی تمسخر اڑاتی نظریں‘ جملے کستے قہقہوں کا خوف میرے دامن گیر ہے‘ اس وقت میں کیا کہنا چاہوں گی‘ تم جانتی نہیں کیا......؟ حبہ! روک لو اپنے بڑھتے قدم...... میں یہ بھی نہیں پوچھوں گی کہ تم نے ایسا کیوں کیا...... میری تربیت کو داغ دار کیوں کیا‘ میرے اعتبار کی اجلی چادر کو میلا کیوں کیا؟ بس صرف یہی کہوں گی کہ آج اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر دو۔ جو ہوا سو ہوا‘ میں یہی سمجھ لوں گی میری ہی کسی غلطی کی سزا ہے‘ لیکن تمہیں بے عیب کر دوں گی۔" جانے کیسے میرے لہجے میں التماس در آیا تھا‘ آواز کیوں بھیگ گئی تھی‘ شاید ایسا ہی وہ وقت ہوتا ہے جب شہنشاہوں کی گردنیں جھک جایا کرتی ہیں۔ جب اولاد آزمائش بن جائے۔

"مما......! میں اور ولید ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔" ایک بم پھٹا تھا میرے سامنے‘ جس کی مجھے پوری امید تھی۔ "اور ہم ایک دوسرے کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔" یہ دوسرا بم پھٹا تھا‘ جس کی مجھے امید نہیں تھی۔ میری فرشتہ صفت بیٹی آج کس انداز میں میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"تم جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو......؟ تم تو ڈاکٹر بننے جا رہی تھیں نا حبہ! میرے دل میں چھپے خوابوں کی تعبیر بننے چلی تھیں کیونکہ میں نے اپنا میڈیکل ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ تمہارے نانا کے ہارٹ اٹیک کی وجہ سے میری شادی جلد ہو گئی تھی لیکن یہ حادثہ میرے دل کی خواہش دبا تو گیا مٹا نہ سکا۔ جب تم پیدا ہوئیں تو اس خواب کی ڈور میرے ہاتھ آ گئی کہ اپنی اولاد کو ضرور اپنے ٹوٹے خوابوں کے پر تھماؤں گی جو میری امیدوں کی تکمیل کر سکے گی اور تمہارے خاندان والوں سے مخالفت لے کر تمہیں منفرد راستوں پر گامزن کرنا چاہا۔ میں تو بہت پُرامید تھی بیٹا کہ میری آرزوؤں کو منزلِ مقصود ملنے والی ہے۔ آزمائشوں کا سفر ختم ہونے والا ہے‘ اب میں ہوں گی اور میرا فخر مستقل راہ کی طرح میرے ساتھ ہوگا لیکن یہ کیا ہو رہا ہے؟" اپنی عمر بھر کی کٹھنائیوں کو [illegible] پا کر میری آواز اپنی اولاد کے سامنے [illegible] لیکن وہ تو جیسے کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"ساری امیدیں [illegible] وابستہ کر کے رکھی تھیں آپ نے [illegible] بچپن سے اب تک آپ کی نگاہیں [illegible] کی طرح میرے ساتھ تھیں۔ میں [illegible] کس طرح اٹھ بیٹھ رہی ہوں‘ کہاں جا رہی ہوں۔ ایسے کرو ویسے نہ کرو...... یہ کرو وہ نہ کرو۔ بچپن تو آپ نے چھین ہی لیا۔ اتنی سمجھداری اسی عمر میں سکھا دی تھی‘ اب جوانی بھی اپنی خواہشوں کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہیں؟ آپ کی تین اولادیں اور بھی ہیں ان سے بھی کچھ طلب کیجیے‘ یہ سارے تاوان مجھ سے ہی کیوں......؟"



اتنی آلائشیں چھپی تھی میری بیٹی کے دل میں...... میں جان نہ سکی تھی۔ میرا فخر جو آج ولید کی محبت نے بیچ روڈ پر لا پھینکا تھا۔ تعفن سے میرا دم گھٹنے لگا تھا۔

"میں تو تمہیں وہ دیا بنانا چاہتی تھی حبہ! جس کی روشنی میں تمہارے تینوں بہن بھائی بھی اپنی منزلوں پر گامزن ہو سکیں۔ فخر کا وہ مینار بنانا چاہتی تھی جس تک پہنچتے ہوئے تمہارے خاندان کی آنکھیں [illegible] جائیں اس لیے میری نظریں [illegible] نہیں‘ میرا پورا وجود سائے کی طرح تمہارے [illegible] لیکن مجھے پتا نہیں تھا میری یہ تمام آرزوئیں [illegible] چلی جائیں گی‘ تمہاری تربیت [illegible] وجود مسمار ہوا یہ سب بے کار تھا [illegible] ووں کی تمہارے پپا کو جنہوں نے سدا مجھے [illegible] دیا کہ میں خاندان میں رہنے کے لائق نہیں اس لیے اکیلی ہو گئی۔ تمہارے خاندان کو کیا [illegible] وں کی کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لینے والی کا کیا انجام ہوا‘ کبھی سوچا ہے تم نے......؟"

"مما! سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن میں ولید سے اب دستبردار نہیں ہو سکتی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ مان لیں اور پپا کو بھی منالیں ورنہ......"

"ورنہ کیا......؟" میرے ایک طرف کنواں تھا ایک طرف کھائی۔ مجھے اپنی آواز ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ورنہ ہم...... کورٹ میرج کر لیں گے......" یہ وقت کا کیسا طمانچہ تھا جو میرے منہ پر پڑا تھا۔ میں نے زندگی میں ایسی کون سی غلطی کی تھی‘ جس کی پاداش میں آج میری اپنی اولاد میرے جسم کو کانٹے دار جھاڑیوں پر گھسیٹ رہی تھی اور مجھے موت آ کے تھمیں دے رہی تھی۔ وہ کہہ کر جا چکی تھی اور میں بے سروسامان سی جیسے تپتی دھوپ میں خالی کاسہ لے کر کھڑی تھی۔

میں ایک پڑھی لکھی لڑکی تھی‘ ماں باپ نے ہاتھ میں موبائل اور کمپیوٹر تو نہیں تھمایا ہاں اپنی اوقات کے مطابق تعلیم و تربیت کا تمغہ ضرور تھما دیا تھا کیونکہ ان کی حیثیت بس اتنی تھی کہ سر چھپاتے تو پاؤں کھلے جاتے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر......! سو انہوں نے عزت دار ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا کہ بہترین تعلیم اور تربیت کا زرتار آنچل سر پہ اوڑھا دیا لیکن ان سے زندگی بھر کی ایک ہی شکایت رہ گئی کہ عملی زندگی میں قدم رکھنے کے لیے غلط راستے کا انتخاب کر دیا۔ میں اس راستے کو غلط بھی نہ کہتی کیونکہ میں خود ایک عام سی لڑکی تھی لیکن یہ تفریق اس وقت پتا چلی جب شادی کے چند دن گزرنے کے بعد ہی یہ آشنائی ہو گئی کہ ماحول کا فرق کس کو کہتے ہیں۔ میرے شوہر ایک نیم خواندہ شخص تھے لیکن میرے ماں باپ نے یہی کہا کہ "انسانیت سے بڑی چیز دنیا میں نہیں بعض پڑھے لکھے بھی جاہل ہوتے ہیں" اور سب سے بڑا کریڈٹ انہیں یہ کہہ کر تھما دیا کہ "خاندان کا لڑکا ہے۔ تم پڑھی لکھی ہو سب معاملات سنبھال لوگی۔" شادی ہوتے ہی خبر ہو گئی کہ اس ماحول میں ہنسی مذاق خوش گوار ماحول سب کچھ ہے لیکن ایک بے پرواہی بھی ساتھ میں پنہاں ہے۔ ایک بے فکری ہے‘ جس میں بڑے چھوٹے کی تمیز‘ اٹھنے بیٹھنے میں رکھ رکھاؤ کچھ بھی نہیں۔ جس کے دل میں جو آتا ہے وہ بول دیتا ہے‘ چھوٹوں کو بڑوں سے بات کرنے کا سلیقہ نہیں‘ نا ہی بڑوں کو ادب دینے کی فرصت ہے۔ مائیں صبح سے کچن کے کام کے ساتھ ٹی وی ڈراموں اور وی سی آر سے لطف اندوز ہوتی تھیں۔ ساتھ بچے بھی اچھے بُرے مناظر پر فقرے بازی کرتے‘ جس کو وہ ہنس کر ٹال دیتیں‘ بس اس سکون کے احساس کے ساتھ رہتیں کہ ہمیں تنگ تو نہیں کر رہے۔ انہیں مصروف رکھنے کی لیے کچے ذہنوں کو منفی اثرات

چھوڑ جانے والی فلموں میں الجھا دیا جاتا۔ کئی مرتبہ میں نے دبے لفظوں میں منع کرنا چاہا۔
"بھابی! بچے خراب ہو جائیں گے اس قسم کی فلمیں دیکھ کر...... آپ منع کیا کریں کہ فارغ اوقات میں کچھ تلاوت کرلیں یا اچھے کھیل کھیل لیں۔"
"ارے تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو عیشہ! ابھی تھوڑی دیر بعد یہ لوگ ٹیوشن چلے جائیں گے۔" ایک بے پروائی کے ساتھ ہنس کر وہ میری بات اڑا دیتیں اور میں سوچتی رہ جاتی کہ ٹیوشن سے آنے کے بعد...... آپس میں دیورانی اور جیٹھانی کے بچے کھیل لیتے۔ ایک روز تو چند منٹ کے کھیل کے بعد ذرا ذرا سی بات میں بچے وہ فساد کھڑا کرتے کہ نوبت خانہ جنگی تک آ جاتی' دیورانی' جیٹھانیاں آپس میں لڑتیں' کوئی اپنے بچوں کو سمجھانے کے موڈ میں نظر نہیں آتا۔
بچوں کی ماؤں کا اکثر اسکول سے بلاوا آتا ان کی کسی نئی رپورٹ سے آگاہ کرنے' ان کی خراب تعلیمی معلومات سے آگاہ کرنے' جس کا ماؤں کو احساس نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو بچے تھے بڑوں کو بھی تمیز داری کا کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا۔ دونوں چھوٹے دیور آپس میں لڑتے' نکتہ چینی کرتے' ایک دوسرے کے کردار پر' اس دوران اگر کوئی بڑا بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کرتا تو اس کے کردار کی بھی دھجیاں دونوں بکھیر کر رکھ دیتے کہ بڑا منہ کھولنے کی غلطی تسلیم کرتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتا۔ میری گود میں پہلے جہاں آئی جس کی پرورش کا مجھے بہت احساس تھا کہ یہ ماحول کم از کم اپنی بچی کو نہیں دوں گی اُسے حتی الامکان بچا کر رکھوں گی ورنہ میرے بچوں کی شخصیت مسمار ہو جائے گی کیونکہ میرے شوہر اسی ماحول کے پروردہ تھے۔ ان میں شرافت تھی ان کے اندر لیکن اپنے گھریلو معاملات میں میری دخل اندازی پسند نہیں کرتے' ان کی شرافت صرف ان کے اپنے خاندان کے لیے تھی' میرے لیے نہیں۔ پھر میری گود یکے بعد دیگرے بچوں سے بھر گئی۔ اب سب سے بڑا مسئلہ ان کی تربیت کا تھا۔ میرے شوہر اس بات پر ہمیشہ معترض رہتے کہ میں اپنے بچوں کو گھر کے دیگر بچوں کے ساتھ کھیلنے کیوں نہیں دیتی۔
"وہ لوگ کھیلتے کب ہیں اسد! ہمیشہ لڑتے جھگڑتے ہیں۔ دیکھیں آج بھی جبہ کے بال نوچ لیے ازمیر نے...... وہ ذرا سی ان میں کیا گئی بس بچوں کی آپس کی چھیڑ خانی کا حصہ بن گئی۔"
"تم ہر بات کو انا کا مسئلہ بنانا چھوڑ دو' بچے آپس میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات کا جھگڑا بنانا چھوڑ دو' یہ سب حرکتیں بس بڑے ہی نوٹ کرتے رہ جاتے ہیں اور بچے آپس میں ایک ہو جاتے ہیں۔"
ان کا لہجہ قطعیت سے پُر ہوتا۔ میں اپنا سا منہ لیے رہ جاتی۔ کوئی ایک دو دن کی بات ہوتو کہی بھی جاتی یہ روز روز کا فساد میرا ذہن قبول نہیں کرتا۔ میں اسد کی باتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے بچوں کو الگ رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ میرے بچے تمیز کے دائرے میں ہی آ گئے۔ میں شماتت ہوگئی تھی کہ اب میرے بچے صرف اپنی بُرائی ہی سنتی۔ میری ساس بھی اپنی دیگر بہوؤں کی باتوں میں رہتیں انہیں بھی ہر وقت کا ہنگامہ بہوؤں کی تمیز داری باتوں پر وقت بے وقت کی بحث بھی پسند تھی ان کے خیال میں یہ ہنگامہ آرائیاں زندگی کا حصہ ہیں اور جنہیں نحوستوں کی طرح منہ بنانا ہو وہ سائیڈ لگ جائے میری بلا سے' میری جیٹھانیوں کو بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا۔
"ہر وقت تمیز دینے کے موڈ میں رہتی ہیں ٹیچر صاحب! جیسے دنیا بھر کی بدتمیزی ہم میں نظر آتی ہے۔"
"ارے پڑھائی کا رعب جھاڑتی ہے ورنہ اس میں ہے ہی کیا...... ایسی لڑکیاں سڑک پر بے تحاشا پھرتی رہتی ہیں' بس میرے بیٹے کا نصیب ہی خراب تھا۔"
یہ میری ساس صاحبہ تھیں جنہیں ہر وقت گلے شکوؤں کے ماحول' میرے نہ بیٹھنے پر شکایت رہتی مجھے ان سب باتوں سے اب سروکار بھی نہ تھا بس یہی احساس تھا کہ میرے بچے بھی اس ماحول کا حصہ نہ بنیں۔ شروع سے ہی انہیں کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے ہر معاملات میں پڑھنے والی دعائیں سکھائیں۔ کھانے کی میز پر جب دعا پڑھنے کی یاد دہانی کروائی تو جیٹھانی بولیں۔
"یہ ہمارے بچوں کو نہیں سکھایا جا رہا ہے۔" یہ سب بڑبڑاتی میرے پیٹھ پیچھے ہوتیں اگر منہ پر ہوتیں تو تمیز ہی کے دائرے میں انہیں میں جواب دیتی لیکن افسوس اسی بات کا تھا کہ یہ سب کرم فرمائیاں میرے بعد ہوتیں یا اس طرح کہ میرے کان میں پڑ جاتیں۔ بچوں کو اسکول میں داخل کرانے کا مرحلہ آیا تو بڑی جیٹھانی ہی آگے ہو کر بولیں۔
"اس میں اتنا سوچنے کی کیا ضرورت ہے' جہاں سب بچے پڑھتے ہیں وہیں پڑھیں گے۔ اسکول نزدیک بھی ہے پھر جانا پہچانا ہے۔"
"نہیں بھابی......!" میں چپ نہیں رہ سکی۔ "میں تو وہاں بچیوں کو نہیں جہاں فیملی کے بچے پڑھتے ہوں۔ بچے مزید خراب ہو جائیں گے۔" ہر وقت اپنی ذات کے متعلق بُرائی سن سن کر میرا دل کھٹا ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ شاید وہی لمحہ گرفت کا لمحہ تھا کہ جو آج میری زندگی میں بھیانک موڑ لے کر آیا تھا۔ مجھے احساس بھی نہیں ہوا تھا اس وقت اگرچہ اس بات کے حوالے سے بہت چہ مگوئیاں آپس میں ہوئی تھیں۔
"شوہر کی تو تنخواہ اتنی ہے نہیں اور بڑے اسکول میں محترمہ داخل کرانے جارہی ہیں۔ وہ تو ہم لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہے تو بچا بھی ہے ورنہ آٹے دال کا بھاؤ پتا لگ جاتا۔"
"ارے داخل تو کروانے دو مہنگے اسکول میں' وہ دن اس اکائی کا آخری دن ہوگا۔" اور واقعی اسی روز میری ساس نے الگ ہونے کے احکامات جاری کر دیئے جب میں بچوں کو اچھے اسکول میں داخل کرا کے آئی۔ دوری کی وجہ سے وین کی بات بھی کر کے آ گئی تھی۔ نزدیک میں کوئی اور اچھا اسکول بھی نہیں تھا میں تو سن کی کیفیت میں بیٹھی ہی تھی مگر جب اسد کو انہوں نے دو ٹوک فیصلہ سنایا تو وہ مجھ پر ہی برس پڑے۔
"تم میں کوئی صلاحیت ہی نہیں ہے اکٹھے رہنے کی' اس کا ثبوت تم نے پیش کر دیا ہے۔ کیا ضرورت تھی بچوں کو اتنے مہنگے اسکول میں داخل کرانے کی......؟ جہاں فیملی کے بچے پڑھ رہے ہیں وہاں سے بچے پڑھ کر نکلے ہیں کہ نہیں......! تعلیم حاصل کرنے والے ہر جگہ سے تعلیم حاصل کر لیتے ہیں' منفرد بننے کا بھوت سوار رہتا ہے تمہارے سر پر......!"
"ہر جگہ بچے پڑھتے ہیں اسد لیکن تمیز و تہذیب ہر اسکول والے نہیں سکھاتے' جس کی واضح مثال اس گھر کے بچے ہیں۔" میری آواز رندھ سی گئی تھی۔
"تم نے اس گھر کے بچوں کو ہوا بنا لیا ہے۔ بے کار میں تم جیسی پڑھی لکھی لڑکی سے میں نے شادی کر لی۔ ہر وقت تعلیم کا رعب جس کے سر پر سوار رہتا ہو۔ میرے لیے کوئی عام سی لڑکی ہی مناسب رہتی۔ میری بھابیوں کی طرح کم از کم نا خود ٹینشن میں زندگی گزارتی نا میرا ذہنی سکون برباد کرتی۔ پتا نہیں تم کس دنیا میں رہنا چاہتی ہو؟" وہ چیخ رہے تھے خود جس

ماحول کے پروردہ تھے۔ اسی ماحول کی لڑکی بھی انہیں ملنی چاہیے تھی۔ ان کی خواہش بالکل بجا تھی لیکن میرے دل کی دنیا تو برباد ہوگئی تھی۔ بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے میری عزت نفس اس شخص نے پامال کردی جس سے مجھے بے پناہ محبت تھی۔ خیر! بچوں کے لیے مجھے یہ سب بھی برداشت تھا۔ زہر کا یہ گھونٹ بھی میں پی گئی اور اپنے ارادے کو مصمم کرلیا کہ میں اپنے مقاصد میں متزلزل نہیں ہوں گی۔ میرے بچوں کا فیصلہ کوئی اور نہیں صرف میں کروں گی۔

میری ساس نے گھر کے نام پر ایک اسٹور نما کمرے والا گھر مجھے عنایت کردیا۔ جہاں سب کے فالتو کاٹھ کباڑ اس لیے رکھ لیے جاتے تھے کہ شاید کسی موقع پر کام آجائیں۔ میں چپ چاپ اس گھر میں منتقل ہوگئی۔ ایک سکون مجھے مل گیا تھا کہ اس ہر وقت کی کھینچ تان والے ماحول سے مجھے فرار مل گیا تھا۔ اسد کو اپنے حق میں کچھ بولنے کی ہمت ہی نہیں تھی وہ مجھ سے نیم ناراض سے رہتے۔ میں نے اپنی امنگوں اور خواہشوں کو نظر انداز کرکے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت شروع کی۔ میرے بچے ہر کلاس میں پوزیشن لینے لگے اٹھنے بیٹھنے ہر انداز و اطوار میں تمیز کے دائرے میں رہنے لگے کہ لوگ بھی معترف ہوتے۔ سسرال والوں سے میرا تعلق بس دکھ سکھ میں شریک ہونے تک رہ گیا تھا۔ اسد بھی بچوں کے شائستہ انداز کو دیکھ کر کچھ مطمئن نظر آنے لگے تھے۔ انہوں نے پارٹ ٹائم جاب بھی شروع کردی جس سے ہمارے گھر کی تنگدستی دور ہوگئی تھی۔ حبہ نے جب میٹرک میں پوزیشن لی تو میری امیدوں کا چراغ روشن ہوگیا تھا جس کی روشنی میں میں اپنی تفاخر کی منزل دیکھ سکتی تھی۔ نہ جانے کیوں آنکھیں [illegible] آرہی تھیں۔ خاندان میں بھی کسی بچے کے اتنے مارکس نہیں لیے تھے خاندان والوں کی بولیاں پھر بھی بند نہیں ہوئی تھیں۔ ایک حسد ہر بات میں نمایاں تھا۔

''ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی تو کیا اتنا فائدہ بھی نہیں ہوگا؟ ہماری طرح بھرے پُرے گھر کے مسائل میں گھری رہتی تو پتا چلتا!!''

میں نے تو اپنے کانوں کو بہت پہلے ہی بند کرلیا تھا۔ بہت ارمانوں سے حبہ کو ایف ایس سی پری میڈیکل میں داخلہ دلوایا۔ باقی تینوں بچے بھی اتنے ہی محنتی تھے۔ مجھے اپنی منزل قریب سے قریب نظر آنے لگی تھی۔ فرسٹ ائر اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد حبہ سیکنڈ ائر میں بھی اسی طرح کوشاں تھی کہ اچانک سے آزمائشیں کہیں قریب میں منڈلاتی نظر آئیں۔ قریب آتی منزل نظروں سے اوجھل ہونے لگی۔

''یاخدا! یہ کیا ہوگیا......؟'' دل تو حلق میں آکر دھڑکتا کہ میرا وجود لرزتا اور اس روز حبہ کی دو ٹوک گفتگو سن کر معاملہ صاف ہوگیا کہ میری عزت آزمائشوں میں گھر چکی تھی۔

انسان کیا کیا ارادے باندھتا ہے اور ان ارادوں کا ٹوٹنا خدا کے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ لیکن میرا کیا قصور یا اللہ! میں نے تو غلط نہج کی جانب قدم نہیں بڑھایا تھا۔ کون سے والدین نہیں چاہتے ہوں گے کہ ان کی اولاد نیک سیرت، تعلیم یافتہ فرماں بردار ہو۔ میں نے بھی یہی چاہا تھا جس کو یہ سزا...... یا اللہ! یہ کیسی سزا ہے......!

اس خاندان کا تو بچہ بچہ مجھے تماچے مارنے اٹھ کھڑا ہوگا مولا وہ لوگ تو منتظر بیٹھے ہیں کہ کوئی تو محرک ملے میری شخصیت کی دھجیاں بکھیرنے کا...... اور اپنے شوہر کو کیا جواب دوں گی جن کے سامنے ہمیشہ اپنے بچوں کے تعلیمی سلسلے میں یہی بولی



[ان]ہیں خاموش کرادیا کرتی تھی کہ آپ چپ کر جائیں اس سلسلے سے مجھے ہی نمٹنے دیں۔ آج کیا وہ خاموش ہوگئے؟ چاروں طرف سے تمسخر کے ناگ مجھے ڈسنے دوڑ رہے تھے آنسو تھے کہ چہرے کو بھگوئے چلے جا رہے تھے۔ وہ تو شکر تھا کہ اسد کسی کاروباری کام سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے ورنہ میرے اس نیم مردہ وجود پر اور کتنے تازیانے وہ لگاتے۔

''کیا کروں میں......؟ اے اللہ! سب ختم ہو گئے اور میں معتوب ٹھہرائی گئی۔ میں جسے سب سے اچھا ہونا چاہیے تھا۔ جس نے غلط ماحول کے خلاف آواز اٹھائی، غلط رویوں پر احتجاج بلند کیا تھا اور صحیح تربیت کا سبق دینا چاہا تھا۔ میرے سارے جملے مجھ پر ہی کیوں پلٹ گئے کیا محبت کے پرچار پر اتنی کڑی سزا مل جاتی ہے۔

کہاں ڈاکٹر بنانے کا خواب

کہاں ایک بھاگی ہوئی لڑکی کا عذاب!

میرے سارے سپنے ٹوٹ کر میری آنکھوں کو زخمی کررہے تھے۔

ساری رات تیز دھار آلے کے نیچے میں قتل ہوتی رہی تھی کہ صبح کی اذان میرے کانوں میں گونج گئی۔ کس طرح دعا مانگوں اپنی بیٹی کے لیے۔ الٰہی! جو اثر کرجائے تیرے دربار میں مقبول ٹھہرے۔ شاید یہی سب سے بڑی غلطی ہوئی تھی میری کہ میں نے صرف اپنی اولاد کے لیے دعا مانگی تھی! اپنے ہی گھر والوں کے بچوں کو غلط انداز اپناتے دیکھ کر بھی ان کے لیے دعا مانگنا بھول گئی تھی۔ اللہ آگے سربسجود ہوتی بھی تو اپنی اولاد کے لیے گڑگڑاتی بھی تو انہی کے لیے شاید......! یہی طرز عمل میرے رب کو برا لگ گیا تھا کہ میری اولاد ہی میری شکست کی محرک بن گئی تھی۔ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے جاء نماز بچھائی تھی اور ہر اولاد کے لیے دعا مانگی تھی کہ انہیں خدا اپنے ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بنادے۔ اس کے بعد استغفار پڑھتے پڑھتے میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور جانے کب سحر ہوگئی تھی۔

❁ ❁ ❁

میں حبہ اسد ہوں! اپنی ماں کی امیدوں کا پہلا مرکز! میں ان کے خوابوں کی تکمیل ہی کررہی تھی۔ پڑھائی ہی میرا اوڑھنا بچھونا تھی شوق بھی بہت تھا مجھے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا لیکن کیا ہوا کہ اب ولید کی محبت کے ریشمی لبادے میں مجھے بہت سکون ملنے لگا ہے۔ نئی نئی چاہت کا خمار مجھے ''اپنے پن'' کا احساس دلا رہا ہے۔ میں کسی کی زندگی کے لیے کوئی معنی رکھتی ہوں بس یہی احساس مجھے ہواؤں میں اڑا رہا ہے۔ میں دھنک رنگ اوڑھ کر ولید کی محبت میں اونچی اونچی پینگیں لے رہی ہوں زندگی کے لیے محبت کتنی کام دے سکتی ہے یہ احساس مجھے اب ہوا ہے۔

میری زندگی کتنی بے رنگ تھی ولید کے زندگی میں آنے سے پہلے...... کبھی کبھی سوچتی ہوں تو خود پر ہنسی آتی ہے اور مما...... وہ تو بلاوجہ کی روک ٹوک کی عادی ہیں۔ انہیں کیسے سمجھاؤں کہ آپ کے خوابوں کی تکمیل کرتے کرتے میرے اپنے سپنے ٹوٹ جائیں گے...... لوگوں کا کیا ہے وہ تو تمسخر اڑانے کے عادی ہیں بس ایک نکتہ چاہیے انہیں افسانہ بنانے کا...... اور میرے خاندان والے تو کچھ زیادہ ہی اس سلسلے میں طاق ہیں جیسے اس روز جب لیلیٰ آپی کی سالگرہ والے روز میں نے پوری شان سے بتایا تھا کہ میڈیکل میری مما کا ہی نہیں میرا بھی خواب ہے تو وہ زور سے ہنس پڑی تھیں۔ میں تو مڑ گئی ان کی بات بے بات ہنسنے والی عادت سمجھ کر لیکن وہ اپنی دوستوں کے سامنے میرا مذاق اڑا رہی تھیں۔

"کہیں بن ہی نہ جائے ڈاکٹر...... اتنی گھمنڈی ماں کی بیٹی جب ڈاکٹر بن جائے گی تو ہمیں تو بلاوجہ مریض بنادے گی۔" میرے مڑتے ہی اپنی چچی کے بارے میں وہ ایسے جملے بول رہی تھیں کہ میرا پوراوجود سن ہوگیا تھا۔ کیلی آپی کی تمام سہیلیاں ہنس پڑی تھیں۔

یہ اسی وقت کی بات نہیں تھی حقیقتاً اس وقت بھی یہ واقعہ یاد کرکے میرا وجود پتھر کا ہوگیا ہے۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے اس ہنسی کی گونج میرے آس پاس ہی بلند ہورہی ہے۔ تالیاں بج رہی ہیں۔ تمسخر اڑایا جارہا ہے۔ کیلی آپی لائبہ آپی سمیر بھائی اذمیر بھائی سب میری طرف دیکھ کر ایک ہی جملہ کہہ رہے تھے۔

"کہیں بن ہی نہ جائے ڈاکٹر!" اور قہقہے بلند ہورہے تھے۔

"گھمنڈی ماں نے اپنی بیٹی کی صحیح تربیت نہیں کی' ان کی نظر میں ہم بے تربیت تھے اور ان کی بیٹی نے بھاگ کر شادی کرلی۔ یہ بھی شاید تربیت کی ایک قسم ہے......" پھر قہقہہ بلند ہوا تھا۔

میں پسینے میں ڈوب گئی تھی' جانے کیسے کیسے خیالات ذہن میں امڈتے آ رہے تھے۔

"یااللہ! یہ کیا ہورہا ہے؟" اپنے اندر اٹھنے والی بے چینیوں سے گھبرا کر میں بستر سے نکل آئی آئینے کے سامنے بلاوجہ کھڑی ہوگئی۔ میرا سادہ چہرہ' جس کی قدرتی خوب صورتی کی مثال زمانہ دیتا تھا' آج اس لمحے اتنا بجھا بجھا سا کیوں محسوس ہورہا تھا۔ میں جو ولید کی محبت کے بعد اپنے چہرے پر صرف رنگ اترتے محسوس کررہی تھی' وہ بے رنگ کیوں لگ رہا تھا۔ الماری پر نظر دوڑائی جو کتابوں سے اٹی پڑی تھی جس میں میری کزنز طرح طرح کی میگزین کا ذخیرہ بھر کر رکھا کرتی تھی' میری مما نے اس الماری میں دنیا جہاں کی کتابوں کا انبار لگا کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی مجھے مما کی یہ جنونی کیفیت عجیب لگا کرتی۔ میری بوڑی اماں' دادی جان' جس دوپہر سب کام ختم کرنے کے بعد آرام کررہی ہوتیں' مما ہم چاروں' بہن بھائیوں کو پڑھا رہی ہوتیں۔ درد سے ان کی پیٹھ تختہ ہوجاتی تو وہ کراہنے لگتیں۔ امتحان کے دنوں میں تو لگتا جیسے ان پر وحشت سوار ہے' جلدی جلدی اپنے گھریلو کام نمٹانے کے بعد ہم لوگوں کو پیپرز کی تیاری کروا رہی ہوتیں' ساتھ ساتھ دودھ کے گلاس کے لیے دوڑ رہی ہوتیں۔ شام کو ہم لوگوں کی پسندیدہ فرنچ فرائز اور سینڈوچ بناتیں لیکن حکم یہ ہوتا کہ سلیبس مکمل کرکے اٹھنا ہے۔ ان کے خیال میں جتنا میں اپنے بچوں کی ذہنی کیفیت کو مدنظر رکھ کر پڑھا سکتی ہوں کوئی ٹیوشن والی نہیں۔ اسی لیے وہ خود ہمیں پڑھاتی تھیں اور جب ہماری پوزیشن آتی تو تحفے کے ساتھ وہ ہماری منتظر ملتیں۔ گھر آئے مہمان بھی ہم بہن بھائیوں کے تمیز کی مثالیں دیتے۔

لیکن...... یہ سب مجھے کیوں یاد آرہا ہے......؟ ان سب باتوں کا ولید کی چاہت سے کیا تعلق ہے' جس نے مجھے رنگوں کی ایک دنیا سے متعارف کروایا ہے۔ میں دل میں ٹھان کر بیٹھی کہ اب پرانی یادوں کو [illegible] دوبارہ خوابوں کی دنیا میں کھو [illegible] کرنے لگی لیکن بے چینی تو جیسے پورے وجود میں گردش کررہی تھی۔ مما کے آنسو...... ان کی محبت' ہم لوگوں کی خاطر خاندان والوں سے [illegible] کرکے اپنی زندگی کی سہولیات سے محرومی' کیوں رہ رہ کر میرے بچھونے پر کیڑے مکوڑوں کی طرح دوڑ رہی تھی۔ مما کے چہرے پر چھلکتے فخر کی جگہ جھریوں نے اچانک کیوں بسیرا کرلیا تھا۔ مما ایسی تو نہ تھیں۔ وہ تو چار بچوں کی ماں ہونے کے باوجود آج



بھی ہماری بڑی بہن لگا کرتیں۔ اتنی چابک دست' محنتی اور خوب صورت تھیں لیکن آج جیسے زمانے بھر کی فکروں نے ان کے چہرے پر جال بن دیا تھا۔ شانے کیوں جھکے محسوس ہورہے تھے ان کے...... شاید میرے طرزعمل نے ان پر منوں وزنی بوجھ رکھ دیا تھا۔ میرا ضمیر الگ کچوکے لگا رہا تھا' اسی لمحے گلے میں سوئی سی چبھن' کلائی میں بلیک ربڑ کا حلقہ ڈالے ولید ایک دم سے شائستگی سے عاری کوئی نوجوان نظر آیا۔ بالکل میری پروقار شخصیت [illegible] مما اور سنجیدہ و متین فطرت کے [illegible] کے مزاج کے برعکس کہ اگر میں سوہا بھی [illegible] ولید جیسے انسان کو کبھی داماد کے روپ میں قبول نہیں کرتے۔ میں ایک انجان شخص کی چار دن کی محبت میں اپنی مما کی برسوں کی محبت کو کیسے فراموش کردوں گی...... یہ تو غداری کی ایک مثال ہوتی کہ جس نے ہماری خاطر اپنا آپ مٹا دیا' میں اس سے بغاوت کرکے دنیا اپنالوں تاکہ زمانے بھر کی انگلیاں میری مما کی طرف اٹھ جائیں؟

نہیں......

"مجھے معاف کردیجیے گا مما......!" اچانک ہی ڈھیر سارے آنسوؤں میں میرا وجود گھر گیا تھا۔

آج چند دنوں میں نا صرف میں نے اپنی شخصیت داغ دار کرلی بلکہ مما کے ذہن پر بھی ہمیشہ کے لیے اپنی طرف سے بے اعتباری کے نقوش چھوڑ دیے۔ پتا نہیں ہزار معافیوں' تلافیوں کے بعد بھی یہ نقوش مٹیں گے کہ نہیں۔

"بہت بڑے خسارے کا سودا کررہی تھی میں مما! مجھے آپ کی ریاضتوں کا پھل آپ کو دینا چاہیے تھا نا کہ امیدوں کے پیڑ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔"

ایک جھٹکے سے میں بیڈ سے اٹھی تھی ورنہ بہت دیر ہوجاتی۔ کچھ دیر بعد مما کا بے جان ہوتا وجود میری باہوں میں تھا۔

"مما...... ! مما......! صرف ایک بار مجھے معافی کا موقع تو دیں ورنہ میں آپ کے ساتھ دم توڑ دوں گی۔" ہچکیاں تھیں' آنسو تھے اور جڑے ہوئے میرے ہاتھ۔

اسپتال میں سب اس شدید نروس بریک ڈاؤن کی وجہ جاننے کی کوشش میں تھے اور مما جو اس وقت خطرے سے باہر تھیں' میرے چہرے پر بہت کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

"بتادیں نا مما کہ میرے فائنل ٹیسٹ میں مارکس کم آئے تھے لیکن میں ایگزیمز میں ساری کمی پوری کردوں گی۔" میں ان کا ہاتھ تھام کر رو پڑی تھی ایک مرتبہ پھر...... میری آنکھوں میں بہت کچھ چھپا لینے کی التجا تھی۔ "سب جان جائیں گے کہ ایک نمبر کی کمی نے آپ کو بے حد فکرمند کررکھا ہے۔ آپ کی پرانی عادت جان کر سب مطمئن ہوجائیں گے۔"

"سب کو میں نے بتادی ہے یہ وجہ......! تم پریشان مت ہو۔" انہوں نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیریں' بادنسیم کے ایک خوش گوار جھونکے نے اچانک کڑی دھوپ سے مجھے اپنی امان میں لے لیا تھا۔ میں تشکر سے ان کی طرف دیکھتی چلی گئی۔ میں اپنی ماں کی عظمت کے سامنے شرمسار تھی' جنہوں نے میرا پردہ رکھ لیا۔ مجھے رسوا ہونے سے بچالیا۔

"اور میں عیشہ اسد! اپنے رب کی مہربانی پر دل ہی دل میں شکر بجالائی۔ جس نے میری استغفار کو قبول کیا۔ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے تو آج ایک ماں رسوا کیسے ہوتی؟

ساری دیر تو بس "استغفار" کی تھی۔

لوگ کہتے ہیں کہ رانگ نمبرز رانگ ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی یہ رانگ نمبرز رائٹ مین سے بھی ملوا دیتے ہیں۔ جیسے اس کے ساتھ ہوا تھا۔ شاہ ویز سے رانگ نمبر پر ہی اس کی بات چیت ہوئی تھی۔ کئی دن سے ایک ہی نمبر سے مسلسل اسے ایس ایم ایس

تھا۔ کیونکہ آج کل جو یہ ایس ایم ایس پیکیج چل رہے تھے اس سے وہ خود بہت چڑتا تھا۔ موبائل کا بے جا استعمال اسے سخت ناپسند تھا اور یہ میڈم کہہ رہی تھیں کہ اس کے نمبر سے میسجز آ رہے ہیں۔

''آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرے نمبر

# اعتبارِ وفا

عابدہ سبین

> بے خبر سا تھا مگر سب کی خبر رکھتا تھا
> چاہے جانے کے سبھی عیب و ہنر رکھتا تھا
> اس کی نفرت کا بھی معیار جدا ہے سب سے
> وہ الگ اپنا اک اندازِ نظر رکھتا تھا

آ رہے تھے اور مس کالز بھی جب اس کی برداشت جواب دینے لگی تو اس نے وہ نمبر ڈائل کیا۔ دو تین بیلز کے بعد ادھر سے کال ریسیو کر لی گئی۔

''ہیلو۔'' مردانہ بھاری دل کش آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی لحہ بھر کو اس کے ہاتھ لرزے مگر پھر غصہ عود کر آیا۔

''ہیلو دیکھیے مسٹر......!''

''سوری! میم میں فون پر نہیں دیکھ سکتا ابھی میرے پاس یہ سہولت نہیں ہے۔'' آواز جتنی اچھی تھی اتنا بھونڈا مذاق تھا۔ اس کا خون مزید کھول گیا۔

''اے مسٹر! زیادہ جوکر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ میرے نمبر پر ایس ایم ایس اور مس کالز کیوں کر رہے ہیں؟''

''میں اور ایس ایم ایس......!'' وہ واقعی حیران

سے ایس ایم ایس نہیں آسکتے۔'' اس کی [illegible] وضاحت دی جا چکی۔

''گویا آپ کہہ رہے ہیں [illegible] میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ یہ نمبر آپ کا [illegible] ہے۔'' [illegible] نے شاہ ویز کا نمبر دہرایا۔ وہ [illegible] اسے یاد آ گیا کہ کل سے ذوبی کا نمبر آن ہوا ہے پچھلے کئی دن بند رہا ہے اور یہ ایس ایم ایس [illegible] پیاری ان کے گھر میں صرف اسے [illegible] ہے پھر اس نے ہی شاہ ویز کے نمبر سے ایس ایم ایس کیے ہوں گے۔

''ہاں نمبر میرا ہی ہے۔ آئی ایم سوری میں......! یہ یقیناً میری بہن کی حرکت ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ آئندہ سے ایسا نہیں ہوگا۔'' شائستہ انداز اور خوب صورت لب و لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے وہ معذرت بھی کر رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔"

وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی اور لائن کاٹ دی۔ شاہ ویز کو اب ذوبی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے میں ہی آ گیا۔ وہ اب بھی اپنا پسندیدہ کام کر رہی تھی۔

"ذوبی کی بچی یہ تم نے میرے نمبر سے بھی لوگوں کو ایس ایم ایس کیے ہیں وہ بھی رانگ نمبر پر......؟"

"قسم لے لیں بھیا! میں نے کسی رانگ نمبر پر ایس ایم ایس نہیں کیے صرف اپنی دوستوں کو کیے تھے۔"

"تب ہی ایک عدد میڈم نے خوب بے عزتی کی ہے میری۔" وہ چیخا۔ "آئندہ اگر تم نے میرے نمبر سے کوئی فضول ایس ایم ایس یا کال کی تو بہت برا ہوگا۔"

"بھیا! آپ بھی خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں۔ قسم لے لیں۔ میں نے صرف اپنی دوستوں کو آپ کے نمبر سے ایس ایم ایس کیے تھے۔"

"لیکن ان کے لیے تو میرا نمبر نیا ہی ہوگا۔ تم نے یہ تو نہیں بتایا ناانہیں کہ یہ نمبر تمہارے بھائی کا ہے۔"

"اوہو۔" اس نے سر پیٹا۔

"سوری بھیا!"

یہ ہی غلطی ہوئی تھی اس سے تبھی بھیا خفا ہو رہے ہیں۔ یقیناً اس کی کسی دوست نے بھیا کو کال کر کے برا بھلا کہا ہوگا ورنہ وہ کبھی اتنا نہ بگڑتے۔ وہ اسے گھورتے دروازہ پٹختے چلے گئے اور وہ تاسف سے سر ہلانے لگی۔

□......□......□

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تھی تبھی بیل ہوئی۔ وہ اس دن والا ہی نمبر تھا۔ اتنے دن سے بیل مستقل ہو رہی تھی۔ مجبوراً اسے اوکے کرنا پڑا۔ "ہیلو۔"

"کیسی ہیں آپ؟" وہ ہی دل کش آواز تھی مگر یہ بے تکلف کیوں ہو رہا ہے۔ اس دن تو کتنی تمیز سے معافی مانگی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے آج پھر آپ نے میرے نمبر پر کال کی؟"

"بس ویسے ہی دل چاہا آپ کی ڈانٹ سننے کو۔ سو کر لیا۔"

"کیا......! بہت بدتمیز آدمی ہیں آپ تو......!"

"نہیں پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں میں بدتمیز ہرگز نہیں ہوں۔ آپ کا نمبر میرے موبائل میں رہ گیا تو بس یوں ہی میں نے کال کر لی۔"

"آپ ہر لڑکی کو 'یوں ہی' کال کر لیتے ہیں؟"

"پلیز آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہوں۔ مجھے آپ کی آواز اور لہجہ پسند آیا تھا۔ سو بات کرنے کو من چاہا لیکن آپ تو میری توہین کر رہی ہیں۔" وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ جواباً کچھ کہہ نہ سکی۔ "میں نہیں جانتا کہ آپ کا کیا نام ہے اور آپ کون ہیں۔ میں تو صرف آپ سے فرینڈشپ کرنا چاہتا تھا۔ اگر آپ کی نظر میں میں اچھا انسان ہوں تو مجھے صرف ایک کال کر دیجیے گا میں منتظر رہوں گا۔"

اپنی بات مکمل کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا اور تسمیہ کے لیے سوچیں چھوڑ دیں۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اس کی آواز اور باتیں ذہن سے نکل جائیں مگر ایسا نہ ہوا۔ آخر وہ دل سے ہار گئی اور اس نے شاہ ویز کے نمبر پر مس کال کر دی۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اسے امید نہیں تھی کہ وہ جاگا ہوا ہوگا لیکن اس کی بیل کے دو منٹ بعد ہی اس نے کال کر لی۔ جانے کیوں ریسیو کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کپکپائے تھے۔

"ہیلو......"



"بہت انتظار کرایا آپ نے۔ پورے اڑتالیس گھنٹے۔ جانتی ہیں میں نے یہ دو دن کس طرح گزارے؟" اس کی آواز گونجی مگر وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"آپ مجھ سے فرینڈشپ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟" اس نے ہمت کر کے پوچھا اور پھر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ یوں ان کی دوستی کا آغاز ہوا تھا۔

شاہ ویز بہت سلجھا ہوا انسان تھا۔ آج کل کے لڑکوں والی اس میں کوئی بات نہیں تھی۔ وہ بہت تہذیب اور اخلاق کے دائرے میں گفتگو کرتا تھا۔ روز رات کو اس سے بات کرنا تسمیہ کی عادت بن گئی تھی اور جس دن وہ فون نہ کرتا تو وہ خود کر لیتی اگر وہ مصروف ہوتا تو اٹینڈ نہیں کرتا۔ تب وہ بہت اداس ہو جاتی تھی۔ ان کی دوستی کو کئی ماہ بیت گئے اور اب یہ فرینڈشپ محبت کے روپ میں ڈھل گئی تھی اور وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ اب وہ ایک دوسرے کے لیے جیتے ہیں۔ تسمیہ منتظر تھی کہ وہ کچھ کہے گا۔ اظہار کرے گا اور جلد ہی اس کی خواہش پوری بھی ہو گئی۔

"تسمیہ! میں نے تم سے دوستی کا آغاز کیا لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم میری زندگی بن گئی ہو۔ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔" اس کے اقرار پر دھنک رنگ بکھرے تھے چہرے پر مگر لبوں سے کچھ نہ کہہ سکی۔ "تم کچھ نہیں کہو گی۔ تسمیہ!" وہ پھر بھی خاموش رہی۔ "پلیز کچھ تو کہو تم میرے جذبوں میں میری ہم سفر ہو نا۔"

"ہاں......!" اس نے صرف ایک لفظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ شاہ ویز کے لیے اس کی ہاں ہی کافی تھی۔ یوں وہ دونوں محبت کے سفر پر گامزن ہو گئے۔ ایک دوسرے کو دیکھے بنا ہی وہ ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جان گئے تھے۔ ایک سال سے زیادہ بیت گیا تھا انہیں بات کرتے ہوئے تسمیہ کی پڑھائی مکمل ہو گئی اور اب وہ بھی فارغ تھی۔ تسمیہ نے اپنی کسی دوست سے شاہ ویز کا ذکر نہیں کیا تھا۔ آج کل شاہ ویز کی یہ ہی ضد تھی کہ کب تمہارے گھر رشتہ بھیجوں اور وہ ابھی مان نہیں رہی تھی۔

□......□......□

"بہت بے وفا ہو تم' جامعہ سے کیا چھٹی ہوئی تم نے تمام دوستوں کو بھلا دیا؟ اگر آج بھی میں بیماری کا بہانہ نہ بناتی تو تم نہیں آتے۔"

زوبیہ اسے سخت سست سنا رہی تھی۔ جسے وہ صرف مسکرا کر سن رہی تھی کیونکہ وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ شاہ ویز کے بعد اب اکثر ہی وہ دوستوں کو فون تک کرنا بھول جاتی تھی۔

"ویری سوری ڈیئر۔" اس نے کان پکڑے تو زوبیہ کی خفگی بھی دور ہو گئی۔ کافی دیر وہ باتیں کرتی رہیں۔ تسمیہ نے وقت دیکھا تو اسے یہاں آئے ہوئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے۔

"زوبیہ! میں چلتی ہوں' بہت دیر ہو گئی ہے۔ امی پریشان ہوں گی۔"

"اکیلی چلی جاؤ گی؟"

"ظاہر ہے' اب اکیلے ہی جاؤں گی۔ عمران تو آئے گا نہیں اتنی مشکل سے تو چھوڑ کر گیا تھا۔ اب تو ویسے بھی وہ جا چکا ہوگا۔ اس کا میچ تھا نا......!"

"میں بڑے بھیا سے کہوں؟ وہ تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔"

"نا بابا نا ہرگز نہیں۔ میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی۔"

"کتنی بری ہو تم میرے بھیا بہت اچھے ہیں۔"

"ہوں گے مگر دیکھنے والے انسان کے اندر اتر کر باتیں نہیں بتاتے' وہ صرف سامنے نظر آنے والی چیز

دیکھتے ہیں اور میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔"

"تم نا بہت ڈرپوک ہو۔"

"جو کہو میں ایسی ہی ہوں۔" وہ دونوں باتیں کرتی باہر آ رہی تھیں جب بڑے بھیا نظر آئے۔

"بڑے بھیا......!" زوبیہ نے تسمیہ کے منع کرنے کے باوجود بھی پکار لیا۔ وہ ان کے پاس آ گئے تو مجبوراً تسمیہ کو سلام کرنا پڑا۔

اس نے جواباً سر ہلا دیا۔

"بھیا یہ میری دوست ہے تسمیہ ثاقب......!" شاہ ویز نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی ایک سال سے زیادہ ہو گیا تھا انہیں ایک دوسرے سے بات کرتے اور وہ آج اس دشمن جاں کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی اور بیزاری چھائی ہوئی تھی۔

"آپ اسے ڈراپ کر دیں گے۔"

"نو پلیز! میں چلی جاؤں گی۔" وہ عجلت سے کہتے ہوئے آگے بڑھی۔ شاہ ویز نے زوبی کو دیکھا۔

"تم اندر جاؤ میں چھوڑ آتا ہوں اسے۔" اس نے زوبیہ سے کہا پھر تیزی سے دروازے سے باہر جاتی ہوئی تسمیہ کی طرف لپکا۔

"تسمیہ! میری بات سنو۔" یہ آواز اور لہجہ؟ وہ پلٹی زوبی کا بھائی اس کے پیچھے آ رہا تھا مگر آواز تو شاہ ویز جیسی تھی۔

"بہت بڑی احمق ہو تم......! تمہیں کیا لگتا ہے اکیلے جانا زیادہ اچھا ہے۔ مجھ پر اعتبار کرنے سے بھی زیادہ......؟" وہ پیشانی پر شکنیں لیے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"آپ......؟" وہ ابھی تک بے یقین سی تھی۔

"کیا...... آپ......؟"

"میں شاہ ویز ہی ہوں۔ بہت بڑی بے وقوف ہو تم...... اتنی بے رخی......!"

"مجھے کیا پتا تھا کہ آپ ہیں۔ میں ہر بندے پر بھروسا نہیں کر سکتی۔"

"چپ رہو، نکلو اب۔"

وہ بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ تسمیہ جانتی تھی کہ وہ غصے میں بات نہیں کرتا۔ اس لیے خاموشی سے بیٹھ گئی۔

□......□......□

اگلے دن ہی شاہ ویز اسے فون پر بتا رہا تھا۔

"بہت جلد امی تمہارے گھر آئیں گی۔"

"شاہ ویز آپ نے انہیں بتا دیا؟"

"کیوں...... بتانا نہیں تھا کیا؟"

"لیکن میرے گھر والے......؟"

"کیا مطلب یار! لڑکیوں کے رشتے آتے رہتے ہیں اور یوں بھی زوبی کے حوالے سے ہی سہی۔ تمہارے گھر والے ہمیں جانتے تو ہیں۔ وہ یقیناً مان جائیں گے۔"

"آپ نا ہر کام بہت جلد بازی سے کرتے ہیں۔"

"تسمیہ! ڈیڑھ سال ہو چکا ہے ہماری دوستی کو۔ تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ جلدی ہے۔ اگر مجھے پہلے یہ بات پتا ہوتی کہ تم زوبی کی بیسٹ فرینڈ ہو تو شاید اب تک تم میرے قریب ہوتیں۔ میں اس وقت تم سے فون پر بات نہ کر رہا ہوتا۔" وہ بول رہا تھا مگر تسمیہ خاموش تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ اور شاہ ویز بھی شاید اس کے گریز کو بھانپ گیا تھا۔

"ڈیئر! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر پھر خاموش ہو جاتی ہو۔ لگتا ہے کہ تم جان بوجھ کر ہماری شادی والے موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی ہو۔"

کافی دن سے جو بات وہ محسوس کر رہا تھا آج کہہ دی۔

"نہیں شاہ ویز...... وہ......!"

"پلیز میرا موڈ مزید خراب مت کرو۔ میرا خیال ہے اب مجھے فون بند کر دینا چاہیے۔" وہ بہت سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"شاہ ویز! ایسا نہیں ہے پلیز......"

"گڈ نائٹ تسمیہ......!"

اس نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔ تسمیہ سر تھام کر رہ گئی۔ کس مصیبت میں پھنس گئی تھی وہ شاہ ویز کی محبت میں اسے صرف سچائی نظر آتی اور اگر رباب کا چہرہ دیکھتی تو اوہ میرے خدا!"

"میں کیا کروں اللہ میاں جی! مجھے راستہ دکھا دیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ شاہ ویز اور اس کی محبت سچی ہے لیکن رباب کہتی ہے صرف دھوکا ہے۔ بعد میں پچھتاؤ گی۔ جیسے اس کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کی شادی بھی یوں ہی ہوئی مگر شادی کی رات ہی اس کے شوہر نے یہ کہہ کر طلاق دے دی کہ جس طرح تم مجھ سے فون پر بات کرتی تھیں جانے کتنے لڑکوں سے تمہاری دوستی ہوگی اور میں ایسی لڑکی کو بیوی نہیں بنا سکتا۔ شادی صرف تمہیں سبق دینے کے لیے کی تھی۔

اس دن کے بعد سے رباب کی زندگی اس کے سامنے تھی۔" کہیں ایسا نہ ہو کہ شاہ ویز بھی ایسے ہی ہوں اور بعد میں بدل جائیں۔ کیونکہ مزاجاً وہ بھی سخت ہی ہے۔ لیکن......! جب شاہ ویز کی محبت نظر آتی تو دنیا کی ہر سچائی اس کے سامنے جھوٹ لگتی تھی۔" وہ بھی بہت محبت کرتی تھی شاہ ویز سے اور اس کے علاوہ اپنی زندگی میں کسی اور مرد کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مگر رباب کے بارے میں جب سے وہ سب جان گئی تھی اس کے اندر وہم اور وسوسے پنپنے لگے تھے اور شاہ ویز جب بھی شادی کا ذکر کرتا وہ چپ سی ہو جاتی اور آج یہ بات اس نے محسوس کر کے کہہ دی تھی۔

وہ دن گزر گئے مگر شاہ ویز اتنا خفا تھا کہ فون تک نہیں کیا۔ وہ ایس ایم ایس کرتی رہی مگر جواب ندارد۔ کال کرتی تو نمبر مصروف کر دیتا یا موبائل فون بند کر دیتا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نہ اس کی ناراضی سہہ سکتی تھی اور نہ اس کی بے رخی۔ آخر اس نے تنگ آ کر رباب سے بات کی تھی۔ "اگر وہ سچ کہہ رہا تھا تو اس نے اپنے والدین کو کیوں نہیں بھیجا۔"

"وہ مجھ سے خفا جو ہے۔"

"تم بہت بھولی ہو وہ خفا نہیں ہے آج کل کسی اور لڑکی کو راہ دکھا رہا ہوگا۔"

"شاہ ویز ایسے نہیں ہیں رباب؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"وقار بھی یوں ہی کہتا تھا اور میں بھی اس پر اتنا یقین کرتی تھی جتنا تم کرتی ہو شاہ ویز پر لیکن دیکھو آج دنیا اجاڑ کر بیٹھی ہوں۔ پہلی رات ہی ٹھکرائی ہوئی دلہن۔" یہ جملہ سن کر میرے اعصاب تھک گئے لیکن لوگ نہیں تھکتے۔ تسمیہ! میرا کام تمہیں سمجھانا ہے۔ آگے تم خود فیصلہ کر لو۔ سوچ سمجھ کر۔" رباب نے کہا۔

"رباب! اس نے کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں کہا۔ میرا دل کہتا ہے کہ شاہ ویز مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں۔"

"ابھی تمہارے اندر اس کی محبت کا خمار بول رہا ہے۔ لیکن اس طرح جوڑے گئے رشتے کامیاب نہیں ہوتے۔ صرف دوستی ہے تا ختم کر دو۔ صرف اپنے ماں باپ کے طے کیے رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ تمہارے والدین جہاں تمہاری شادی کریں

گے وہیں کرتا۔ یہ صرف جذباتیت ہے اور کچھ نہیں ہے تسمیہ۔"

"اف خدایا! میں کیا کروں؟"

اس کا ہر لمحہ بہت بھاری گزر رہا تھا۔ اس وقت اس کا ذہن بری طرح الجھ رہا تھا کہ اس نے شاہ ویز کو فون تک کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایک ہفتہ گزر گیا تھا اس کشمکش میں مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔

□......□......□

شاہ ویز آج پھر رات کو دیر سے آیا تھا۔ امی اب تک اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔

"آپ سو جاتیں امی۔"

"شاہ ویز! تم جانتے ہو نا بیٹے کہ شہر کے حالات کتنے خراب ہیں؟ بیٹا دیر سے مت آیا کرو۔ میرے دل میں لاکھوں وسوسے جنم لیتے ہیں۔"

"سوری امی بس وہ دوست!"

"پہلے بھی تو تمہارے دوست تھے جب تو تم لیٹ نہیں آتے تھے؟" ان کی بات پر وہ خاموش ہو گیا۔

"آئندہ دیر نہیں ہوگی۔ اب آپ جا کے سو جائیں۔" اس نے امی کو تسلی دی اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ بیڈ پر لیٹا تو نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔ ایک ہفتے سے اس کا تسمیہ کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہ خفا تھا تو اس نے منانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ پہلے دو دن تو کال کرتی رہی مگر اب تو بالکل خاموشی تھی۔ اس نے ارادتاً تسمیہ سے دوستی نہیں کی تھی۔ لیکن دوستی کی تو اس کی باتیں اور عادتیں اسے اچھی لگیں۔ وہ بہت صاف گو اور صاف دل لگتی تھی اور جب تک اس سے صرف دوستی رہی وہ ہر بات اس سے شیئر کرتی تھی لیکن جب اس کے دل میں تسمیہ کے لیے نئے احساسات پیدا ہوئے تھے اور وہ اس کی زندگی کی اہم ترین ضرورت بن گئی تھی۔ جانے کیوں وہ اس سے کھنچی کھنچی سی رہنے لگی۔ پہلے ایسا نہیں تھا لیکن جانے کیوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ شاہ ویز پر اعتبار نہیں کرتی مگر کیوں۔ یہ ہی وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ صرف اس کی یاد سے بچنے کے لیے وہ آج کل گھر دیر سے آتا تھا۔ ورنہ وہ تو دس بجے سے زیادہ بھی باہر نہیں رہتا تھا۔ جلدی آتا تو اس سے بات کرنے کو دل چاہتا تھا جس نے ایک بار فون کر کے منانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی مگر شاید وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ تبھی تو بے اختیار ہی وہ اس کا نمبر ملا بیٹھا۔ تین چار بیلز کے بعد ادھر سے کال ریسیو تو کر لی تھی مگر وہ خود مخاطب نہ ہوئی۔

"اتنا بے اعتبار ہو گیا ہوں میں کہ اب تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں؟ کس بات کی سزا دے رہی ہو مجھے۔ کیا جرم کر دیا ہے میں نے۔ کبھی کبھی تو مجھے شک ہوتا ہے کہ تم میری تسمیہ ہو ہی نہیں۔ وہ ایسی نہیں تھی۔ وہ تو اپنے دل کی ہر بات مجھ سے شیئر کر لیتی تھی لیکن اب کیا ہو گیا؟ مجھے پتا ہے تمہارے دل میں کوئی بات ہے جو تمہیں مجھ سے دور کر رہی ہے لیکن تم کہتی نہیں ہو۔ پلیز تسمیہ [illegible] رہ سکتا تم بن یقین کرو میرا۔"

اس کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ اس بات کی گواہ تھی کہ وہ کتنا زیادہ پریشان ہے اس کے رویے سے اس کے لفظوں سے جذبوں کی شدت نمایاں تھی۔ کیا ابھی کوئی وجہ تھی اس پر یقین نہ کرنے کی......! اس کی برداشت ختم ہوئی تو فون پر ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ شاہ ویز جانتا تھا کہ اس کے بنا وہ بھی جی نہیں سکتی۔ بس کوئی وجہ ہے درمیان میں جو ان دونوں کو دور کر رہی ہے۔ وہ منتظر ہی رہا۔ تسمیہ نے کال کاٹ دی؟۔



"تو گویا تسمیہ ثاقب! تمہارے دل میں میرے لیے کوئی نہ کوئی بدگمانی تو ہے۔" اب اسے پختہ یقین ہو گیا تھا۔ "لیکن پتا کیسے چلے کہ کیا بات ہے......؟" یہی سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا اور آخر اسے ایک ہی حل ملا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ صبح اٹھتے ہی وہ اس پر عمل کرے گا۔

□......□......□

"بڑے بھیا! آپ نے [illegible] اب مجھ سے چھپایا۔"

"زوبی پلیز! اس وقت میں بہت پریشان ہوں میری سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔ تم کیسی دوست ہو اس کی۔ کیا وہ تم سے کچھ بھی شیئر نہیں کرتی۔"

"وہ بہت عجیب سی ہے بس خود میں مگن سی بہت کم لوگوں پر بھروسا کرتی ہے۔ اگر مجھے وہ آپ کے بارے میں بتاتی تو کیا مجھے علم نہ ہوتا ان تمام باتوں کا؟"

"مجھے پتا ہے وہ بہت کم اعتبار کرتی ہے کسی پر لیکن مجھ پر بھروسا کرتی تھی مگر اب...... اب جانے کیا ہو گیا ہے؟"

"میں خود بات کروں اس سے؟"

"نہیں تم وہی کرو جو میں نے کہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

اور پھر زوبی نے امی کو منا لیا کہ وہ بھیا کے لیے اپنی دوست کو بہت پسند کرتی ہے اور چونکہ امی بھی پہلے سے مل چکی تھیں سو وہ کچھ سوچ بچار کے بعد راضی ہو گئیں۔ یوں صرف ایک ہفتے بعد ہی امی اپنی بہن کو لیے ان کے گھر۔ تسمیہ کا رشتہ لے کر پہنچ گئیں۔ تسمیہ کو بہت شاک سا لگا تھا کہ ایک طرف تو شاہ ویز سے کھنچی رہی ہے اس سے رابطہ تک کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس نے پھر بھی رشتہ بھیج دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ تبھی زوبی اس کے پاس آئی وہ [illegible] گئی۔

"کیا ہوا تم خوش نہیں ہو۔ تسمیہ!" اس کا مرجھایا چہرہ دیکھ کر وہ بولی۔ "بھیا تو اتنے خوش ہیں اور ہاں تم نے مجھے بتایا تک نہیں مجھ سے چھپایا کہ تم اور بھیا......!"

"زوبی پلیز۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"کیا بات ہے تسمیہ! بھیا جتنے خوش تھے اگر تم واقعی ان کے جذبوں کی ہم سفر ہو تو تمہیں تو ان سے کہیں زیادہ خوش ہونا چاہیے لیکن تمہارے چہرے پر خوشی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔" زوبی کی بات پر یکدم اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

"زوبی بس یار! الجھن سی ہو رہی ہے اگر امی ابو نہیں مانے پھر......؟"

"جناب! یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور مان جائیں گے۔ بس تم یہ چہرے کے تنے نقوش ٹھیک کر لو۔"

"زوبی! میں بہت پریشان ہوں۔"

"میں کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں کہ شاید تم خود ہی بتا دو کہ تم اتنی الجھی الجھی کیوں ہو؟ ہم اچھے دوست ہیں۔ شاید میں تمہارے کام آ سکوں اور تمہاری پریشانی کا کوئی حل نکال سکوں۔" زوبی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر تسلی دی۔ تسمیہ کی ذہنی پریشانی حد سے سوا ہو گئی تھی اور لگا اگر وہ کسی کے ساتھ شیئر کرے گی تو شاید دماغ کو کچھ سکون ملے۔ اس نے اپنی تمام پریشانی تفصیل کے ساتھ زوبی کو بتائی۔

"تمہیں بھیا پر اعتبار نہیں ہے تسمیہ! تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا کریں گے۔"

"ان پر تو خود سے زیادہ اعتبار ہے لیکن رباب کہتی ہے کہ پہلے تو سب لڑکے یوں ہی کرتے ہیں۔ زوبی!

میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ مجھے ڈر لگتا ہے اگر میرے ساتھ بھی......!"

"کیا رباب کی شادی جس لڑکے سے ہوئی' وہ اس سے مل چکا تھا پہلے یا صرف فون پر رابطہ تھا۔ تسمیہ یہ سچ ہے کہ تمہارا اور بھیا کا رشتہ فون سے بنا ہے مگر ہمارے اس سے پہلے بھی تعلقات تھے۔ تمہارا میرے گھر اور میرا تمہارے گھر آنا جانا تھا۔ میرے فیملی والے تمہیں اور تمہارے امی ابو مجھے جانتے ہیں اگر تمہارا ذہن اس وقت صرف بھیا پر اٹکا ہوا ہے تو پلیز یہ سوچ نکال دو اپنے ذہن سے۔ میں اپنے بھیا کی ضمانت دیتی ہوں' وہ ایسے نہیں ہیں۔ حالانکہ جتنا پیار وہ تم سے کرتے ہیں۔ مجھ سے زیادہ تو تمہیں ان پر اعتبار ہونا چاہیے تھا لیکن بڑا افسوس ہوا کہ اتنی محبت دونوں کے بیچ ہونے کے باوجود تمہیں ان پر یقین نہیں ہے۔"

"میرا دل ان پر بہت اعتماد کرتا ہے زوبی! وہ الگ ہیں سب سے۔" شاہ ویز کے لیے دل میں چاہت تو کم نہ ہوئی تھی مگر اسے رباب کی باتیں الجھائے دیتی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے تسمیہ! بھیا کی زندگی میں آنے والی تم پہلی لڑکی ہو۔ انہوں نے آج تک کبھی کسی لڑکی کو نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں اور تم...... تمہیں تو بنا دیکھے ہی وہ کتنا چاہتے رہے ہیں۔ تم سے اتنی محبت کرتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ وہ تمہیں دیکھنا یا تم سے ملنا چاہتے ہیں بلکہ انہوں نے یہ ہی کہا کہ وہ اپنی امی کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتے ہیں اور یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب انہیں یہ بھی علم نہ تھا کہ تم میری بہترین دوست ہو۔"

"ہاں یہ ٹھیک کہہ رہی ہو تم شاہ ویز نے مجھے مجبور نہیں کیا ملنے کے لیے وہ ہر بات جانتے ہوئے بھی جانے کیوں اس قدر منفی انداز میں سوچ رہی تھی۔ زوبی نے اس کا ذہن صاف کرنے کی بہت کوشش کی تھی اور جب اس نے آ کر شاہ ویز کو یہ سب باتیں بتائیں تو وہ حیران رہ گیا۔

"وہ احمق صرف ایک لڑکی کے ساتھ ہونے والے حادثے کی وجہ سے اپنی زندگی خراب کر رہی ہے؟ اس قدر نا سمجھ ہوگی وہ۔ میں یقین نہیں کر سکتا اف خدایا اسے مجھ سے زیادہ اس لڑکی پر اعتبار ہے؟"

اسے تسمیہ نے بہت دکھ پہنچایا تھا اسے اس قدر غصہ تھا اس احمق لڑکی پر کہ اس نے خود سے وعدہ کر لیا کہ اب اسے فون نہیں کرے گا۔ اب جو بات ہوگی وہ روبرو ہوگی اور اسے اپنانے کے بعد ہوگی۔ اس لیے اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ امی ان کے گھر رشتہ لے کر جا چکی تھیں اور انہوں نے سوچنے کا وقت مانگا تھا۔ پھر اچانک ہی تسمینہ کے گھر والے اس دن ان کے گھر آئے تھے۔

چونکہ سنڈے تھا اور وہ بھی گھر پہ تھا۔ تسمیہ کی امی ابو اور ایک عدد بھائی اس سے مل کر بہت خوش ہوئے انہیں شاہ ویز بہت اچھا' سمجھدار اور پڑھا لکھا ہوا لڑکا لگا تھا۔ وہ اپنے اطمینان کے لیے آئے تھے اور شاہ ویز کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے بعد انہیں لگا کہ تسمیہ کے لیے یہ اچھا اور بہترین بر ہے۔ یوں تقریباً ان کی طرف سے "ہاں" میں جواب آ گیا تھا۔ پھر بھی امی نے ان سے فون پر بات کر کے فائنل جواب پوچھا تھا۔ جو مثبت ملا۔

صرف ایک ماہ کے اندر ان کی باقاعدہ منگنی ہوگئی۔ وہ خوش تھا لیکن تسمیہ سے سخت خفا تھا۔ منگنی کے دو ماہ بعد ہی امی تاریخ طے کرنے کے لیے خود گئی تھیں۔

"ہمارا ارادہ تھا کہ عید کے بعد کی تاریخ

مناسب ہوگی۔"

"جی بھیا! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مگر آپ جانتے ہی ہیں کہ میری حج کی درخواست منظور ہوگئی ہے۔ میری خواہش تھی کہ جانے سے پہلے تسمیہ آ کر گھر سنبھال لے کیونکہ عید کے بعد شادی ہوگی تو ظاہر ہے کہ یکدم ہی تو تسمیہ نئے ماحول اور نئے گھر میں ایڈجسٹ نہیں کرسکتی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ عید سے پہلے یہ کام ہوجائے۔ بچی کو کچھ وقت مل جائے گا۔ میں اگر گھر پر نہیں ہوں گی تو ساری ذمہ داری اس پر ہوگی اور تسمیہ گھر کی بڑی بہو ہے۔"

"ہم سمجھ گئے آپا! آپ کی خواہش ہے تو جیسے آپ کی مرضی آپ جب چاہیں اپنی امانت لے جاسکتی ہیں۔"

تاریخ طے ہوتے ہی دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہوگئیں۔ ان دنوں تسمیہ کی حالت بہت خراب تھی ایک تو شاہ ویز سے کوئی رابطہ نہ تھا دوسرا رباب نے اس کے خیالات کو بری طرح منتشر کر رکھا تھا۔ وہ مسلسل اسے اکسا رہی تھی کہ اپنے امی ابو سے بات کرلے ابھی وقت ہے کہیں ایسا نہ ہو بعد میں پچھتانا پڑے اور تسمیہ اتنی ہمت نہیں کر پارہی تھی۔ اس کا اعتبار ڈگمگا رہا تھا مگر دل کے کسی کونے میں شاہ ویز کی محبت کی شمع بھی روشن تھی۔ یہی وہ بات تھی جو اسے خاموش رہنے پر مجبور کر رہی تھی مگر اب جب کہ وہ خود شاہ ویز سے بات کرنا چاہ رہی تھی تو وہ اس کا نمبر دیکھ کر موبائل ہی آف کردیتا تھا اور پچھلے دو دن سے تو اس کا نمبر ہی بند جارہا تھا۔ اس نے زوبی سے بات کی۔

"اچھا شاید بھیا کے سیل میں کوئی مسئلہ ہو میں ان سے کہہ دوں گی وہ تمہیں خود کال کرلیں گے۔"

وہ پوری رات صرف اس کے فون کے انتظار میں جاگتی رہی لیکن شاہ ویز نے فون نہیں کیا۔ گھر میں شادی کے ہنگامے زور پکڑ رہے تھے اور اس کے دل میں عجیب سی بے چینی شدت اختیار کر رہی تھی۔ اسی بے چینی کو دل میں لیے وہ تسمیہ ثاقب سے تسمیہ شاہ ویز بن کر ان کے گھر آ گئی اس وقت اس کے دل کی کیا حالت تھی۔ رباب کے بتائے گئے خدشات اور شاہ ویز کی اتنے دنوں کی چپ جانے اس کی قسمت کا کیا فیصلہ ہونے چلا تھا۔

"یا اللہ بس جو بھی کرنا اچھا کرنا۔" اس کے دل سے یہی دعا نکل رہی تھی۔ شدید تھکن کے باوجود اس کے ذہن پر آنے والے ہر پل میں کیا ہوگا کی فکر سوار تھی اور اب وہ پل آ گیا تھا جب شاہ ویز عین اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کا سجا سنورا روپ بہت غور سے دیکھا تھا اس نے۔

"ہاں تو مسز تسمیہ شاہ ویز! کیا بات تھی جو مسلسل آپ مجھے کال کر رہی تھیں؟ میں نے سوچا تھا کہ اب فون پر کیا باقی رہ گیا ہے کہنے کو۔ جو بات ہوگی روبرو ہی ہوجائے گی۔" اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری اور کاٹ تھی۔ جو اس کے اندر تک چبھ گئی اور اسے رباب کے خدشات پر یقین آنے لگا۔ "بولو! اب کیوں چپ ہو شاید تمہیں انتظار ہے کہ میں تمہاری دوست کی بتائی ہوئی تمام صورت حال کے مطابق [illegible] لوں گا؟" اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ "جب ہم نے فون پر دوستی کی تو ایک اعتبار ہی تھا نا جو ہمارے درمیان تھا۔ جس کی بنیاد پر ہم نے دوستی سے محبت تک کا سفر طے کیا تھا اور پھر تمہارے اس وہم نے ہمارے درمیان اتنے فاصلے پیدا کردیے کہ ہم انہیں ختم کرنا چاہیں تو بھی دراز رہ جائے گی۔ کیونکہ تسمیہ! تم نے میرے اعتبار کو چکنا چور کیا ہے۔ تم نے محض ایک لڑکی کے ساتھ



ہونے والے حادثہ کی بنیاد پر اپنی زندگی میں آنے والی ہر خوشی کو خود اپنے ہاتھوں ختم کردیا؟ جب میں نے زوبی سے یہ تمام باتیں سنیں تھیں۔ تو ایک لمحے کو میرا دل چاہا ابھی سب کچھ ختم کردوں جو ہم دونوں کے بیچ تھا لیکن اگر میں ایسا کرتا تو یہ میری اپنی محبت کی توہین تھی کہ تم نے تو میرے بارے میں اتنا غلط سوچ لیا تھا کسی غیر کے کہنے پر۔ میں بھی غصہ و جذبات میں وہی قدم اٹھالوں جو تمہاری غلط سوچ کو پختہ یقین بنا ڈالے تاکہ پھر تم بھی ہر کسی کو یہی بتاؤ۔ اس کی خوشیاں ختم کر ڈالو جیسے تمہاری دوست نے تمہاری کر ڈالیں۔ میری محبت اتنی کمزور نہیں تھی تسمیہ جو یوں ختم ہوجاتی۔ اب تم اپنی دوست کے سامنے سرخرو ہو سکتی ہو کہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو کہ اس کے ساتھ ہوا۔ مگر اب ہم دونوں میں جو فاصلے تمہارے وہم کی بنیاد پر آ گئے ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش مت کرنا۔ تم جا کے کپڑے تبدیل کرلو اور پرسکون ہوجاؤ شب بخیر۔" شاہ ویز نے جب حقیقت کا آئینہ اس کے سامنے رکھا تو خود وہ اپنی صورت نہیں دیکھ پائی۔ وہ کتنی غلط تھی اور شاہ ویز نے اس کی ہر بات خاموشی سے کہی۔ آج جو بھی اس نے کہا تھا بالکل ٹھیک تھا۔ شرمندگی کا احساس تھا جو اسے سر اٹھانے نہیں دے رہا تھا۔

"شاہ ویز......!"

"بس!" اس نے کچھ کہنے کی ہمت کر ہی ڈالی تھی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ "میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے سارے وہم اور خدشات کو چکنا چور کروں گا تمہیں اپناؤں گا اور نبھاؤں گا بھی لیکن ہمارے بیچ وہ محبت نہیں رہی جسے تم خود اپنے ہاتھوں ختم کرآئی ہو۔"

"مجھے آپ کی محبت پر کوئی شک نہیں رہا۔ مگر......"

"خاموش رہو! تم تو محبت کا لفظ بھی زبان سے ادا مت کرو اور ہاں ہم دونوں کے درمیان جو بات ہوئی ہے اگر یہ بھی جا کے اپنی دوست کو بتاؤ تاکہ وہ مزید تمہیں کوئی اور نایاب مشورہ دے سکے تو تم خود نقصان اٹھاؤ گی۔" وہ اپنی بات ختم کرکے چینج کرنے چلا گیا اور کچھ دیر بعد واپس آ کر خاموشی سے لیٹ گیا۔

وہ ساری رات روتی رہی اور خود کو کوستی رہی۔ رباب کی باتوں میں آ کر اس نے خود کو اتنا کمزور کردیا تھا کہ آج وہ اپنی محبت پاکر بہت دور تھی ان خوشیوں سے جن کے خواب ان دونوں نے مل کر دیکھے تھے۔

□......□......□

ایک ماہ دعوتوں وغیرہ میں گزر گیا۔ اس نے رباب سے کیا کسی سے بھی کوئی بات نہیں کی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان دونوں میں مزید کوئی فاصلہ پیدا ہو۔ وہ شاہ ویز کا اعتبار دوبارہ حاصل کرنا چاہتی تھی اس کی محبت ہی تو زندگی تھی اور اب جب وہ قصور وار انجان بنا ہوا تھا۔ اس پر کڑی بیتی تھی۔ سب کے سامنے جہاں وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھتی تھی شاہ ویز کا لہجہ اور رویہ بھی ایسا ہوتا تھا کہ کوئی کچھ کہہ نہ سکے خاص کر امی کے سامنے وہ نہیں چاہتا تھا کہ امی پریشان ہوں۔ تسمیہ میکے دو تین دفعہ گئی تھی آخری دفعہ گئی تو رباب ملنے آئی تھی۔

"تسمیہ! تم خوش ہو؟"

"کیا مطلب! تمہیں نہیں لگتا میں خوش ہوں اور پلیز رباب مجھے اب کوئی مشورہ مت دینا شاہ ویز بہت اچھے ہیں۔ انہیں اور ان کی محبت کو پاکر میں مکمل ہوئی ہوں۔ تمہارے بے وجہ کے خدشات نے مجھے ذہنی اذیت دے رکھی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب میں

پرسکون ہوں۔"

"بہت خوش قسمت ہو تم لیکن پھر آئندہ کے لیے دھیان رکھنا کہیں وہ کسی اور......!"

"خدا کے لیے رباب! تم میری دوست ہو تو پھر کیوں صرف مجھے پریشان کرنے کی بات کرتی ہو ہمیشہ! اب مجھے تمہاری کسی بات کو نہیں سننا۔ تمہارے ساتھ جو ہوا وہ محض ایک حادثہ تھا۔ ہر شخص ایسا نہیں ہوتا۔ پلیز آئندہ کسی اور لڑکی کے ذہن میں اس طرح کی باتیں مت ڈال دینا کیونکہ ہر مرد شاہ ویز نہیں ہوتا اور بہتر تو یہ ہوگا کہ تم یہ بھول کر کہ تمہارا ماضی کیسا رہا۔ اپنے ذہن کو بدلو۔ مثبت سوچ اپناؤ اتنی لمبی زندگی تنہا نہیں گزرتی۔ ہمارے معاشرے میں اکیلی عورت کے لیے زندگی گزارنا بہت کٹھن ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہیں کوئی اچھا انسان مل جائے تاکہ تمہیں اتنی خوشیاں ملیں کہ تم اپنا ماضی بھول جاؤ۔"

"مجھے اپنی خوشیوں پر اعتبار نہیں رہا تسمیہ! مرد صرف دھوکے کا نام ہے۔ مجھے تو تمہاری فکر ہو رہی ہے جانے اب شاہ ویز کیا چال چلتا ہے۔"

"خدا کے لیے رباب آج کے بعد میری زندگی میں مداخلت مت کرنا۔ تم کیوں میرا گھر برباد کرنا چاہتی ہو؟" اسے غصہ آگیا۔

"میں تمہاری دوست ہوں تسمیہ! تمہارا بھلا چاہتی ہوں۔ تم معصوم ہو اور مرد بہت شاطر ہوتے ہیں۔ تم نہیں جانتیں۔"

"پلیز رباب! مجھے دنیا کے کسی مرد سے کوئی واسطہ نہیں۔ شاہ ویز میرے شریک حیات ہیں مجھے ان پر اور ان کی محبت پر اپنی جان سے بڑھ کر اعتماد ہے۔ ایک بار تو تمہاری ان فضول کی باتوں میں آ کر میں ذہنی اذیت کا شکار رہی ہوں۔ اب مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ دنیا میں شاہ ویز کی محبت سے بڑھ کر کوئی سچائی نہیں ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ ہماری دوستی قائم رہے تو پلیز آج کے بعد تم میرے اور شاہ ویز کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ ورنہ میں سمجھوں گی کہ تم میری دوست نہیں دشمن ہو۔" صاف گو تو سدا کی تھی۔ رباب ہکا بکا رہ گئی۔

"تسمیہ تم دھوکا کھا......!"

"خاموش رہو رباب پلیز! اور اب جاؤ۔" اس کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ وہ واقعی اس کی زندگی برباد کر دیتی۔ وہ تو شاہ ویز خود بہت اچھے تھے ورنہ جانے کیا بنتا اس کا۔ رباب منہ بناتی ہوئی باہر نکل گئی اور شاہ ویز تب اچانک آ گیا۔ اس کے لیے تسمیہ کا یہ انداز بہت حیران کن تھا مگر اب وہ جانتا تھا کہ تسمیہ اپنے کیے پر پچھتا رہی ہے اور وہ جان چکی ہے کہ اس کے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا......!

□......□......□

اس کی سسرال بہت اچھی تھی۔ ساس، نند اور ایک دیور۔ اسے ان سب کے ساتھ گھلنے ملنے میں دیر نہ لگی تھی۔ بس جس سے سب سے زیادہ رشتہ نبھانا تھا اسے اب تک معافی بھی نہ مانگ سکی تھی۔ وہ موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ سب کے سامنے اس کا رویہ جتنا اچھا ہوتا تھا۔ تنہائی میں وہ اس کی بات تک سننے کو تیار نہ تھا۔ اس نے بہت کوشش کی بات کرنے کی مگر اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے نہ تمہاری سننی ہے۔ براہ مہربانی مجھے مخاطب مت کیا کرو۔" وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی۔

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہوا تو اس کی مصروفیت بھی بڑھ گئی۔ پہلے تو دل چاہا تو کام کر لیا ورنہ نہیں مگر یہاں وہ کسی کو بھی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے ہر کام خود کرتی۔ مگر امی سے پوچھ کر۔ افطاری کی تیاری، سحری بنانا یہ کام وہ خود انجام دے رہی تھی۔ وہ شاہ ویز کی پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف تھی سو افطاری پر جب اسے روزانہ اپنی پسندیدہ کوئی ڈش ملتی تو وہ ایک نظر اس پر ضرور ڈالتا تھا۔ امی اس سے بہت خوش تھیں اس کا اظہار وہ روز شاہ ویز کے سامنے ضرور کرتی تھیں۔

"آج کے دور میں اتنی اچھی بہو ملی ہے اللہ پاک اسے سدا خوش رکھے۔ میرے دل سے اس کے لیے دعا نکلتی ہے شاہ ویز۔ اب اپنے گھر کی فکر نہیں ہے۔ تسمیہ نے جس طرح ساری ذمہ داری سنبھال لی ہے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ ایک فکر سی تھی کہ آج کل کی لڑکیاں بے پروا سی تو ہوتی ہیں۔ پتا نہیں میری بہو کیسی ہوگی لیکن ماشاء اللہ میری بہو نے میری ساری فکریں دور کر دی ہیں۔"

وہ سب کے لیے چائے بنانے گئی تھی جب امی اسے بتا رہی تھیں۔ اس سے لاکھ خفا سہی مگر امی سے اتنی تعریف سن کر وہ دلی طور پر بہت مسرور ہوا تھا۔ اپنی محبت اپنے انتخاب پر ناز تھا اسے۔

"شاہ ویز! وہ سارا دن کام کرتی ہے۔ تم شام کو کچھ دیر کے لیے ہی سہی اسے باہر لے جایا کرو۔ اسے تمہاری محبت اور توجہ کی بھی بہت ضرورت ہے۔ عورت مرد کی تمام مشکلیں برداشت کر لیتی ہے اگر اس کے شریک سفر کا ساتھ اس کی خوشی اور توجہ بھی پوری ملے۔ تم تو آتے ہی بس سونے کی کرتے ہو۔"

"امی! تھک جاتا ہوں۔" اس نے بہانہ گھڑا اور تب ہی تسمیہ چائے لے آئی۔

"تھک تو تسمیہ بھی جاتی ہوگی مگر اس نے مجھے یہ نہیں کہا کہ امی آج میں یہ کام نہیں کرتی۔ کل کر لوں گی۔ ٹھیک ہے تم بھی فریش ہو جاؤ گے اور یہ بھی تھوڑا

گھوم پھر لے گی۔ اسے کہیں باہر لے جاؤ۔"
وہ امی کی بات سن کر افسردہ ہوگئی تھی کہ شاہ ویز تو ہرگز ایسا نہیں چاہیں گے۔
"امی! میں نے ابھی کام بھی ختم نہیں کیے پھر نماز ادا کرنی ہے عشاء کی اور......!"
"کام بھی ہوتے رہیں گے اور نماز بھی تم آ کر ادا کرسکتی ہو۔ اب جا کر جلدی سے یہ لباس تبدیل کرو۔"
حیرت کی بات تھی کہ شاہ ویز نے یہ کہا وہ امی کی طرف دیکھنے لگی جو مسکرا رہی تھیں۔
"صحیح کہہ رہا ہے شاہ ویز جاؤ شاباش!" ناچار وہ اٹھ گئی اور پندرہ منٹ بعد وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔
"جاؤ بچو! اور شاہ ویز تسمیہ کا خیال رکھا کرو۔ اگر مجھے ذرا سا بھی شک ہوا کہ تم بے پرواہ ہو رہے ہو اس کی طرف سے تو بہت برا ہوگا۔"
"جناب! آپ اپنی بہو سے پوچھ سکتی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اسے چلنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ امی کے کہنے پر وہ اسے ساتھ لے تو گیا تھا مگر کیا فائدہ؟ اس سے اچھی تو وہ گھر پر تھی کم از کم مصروفیت میں یوں بور تو نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود بھی دوسری طرف منہ کر کے بیٹھا تھا اور ظاہر ہے پھر وہ کیسے بول سکتی تھی۔ ادھر ادھر کتنے جوڑے بیٹھے تھے۔ ہنستے مسکراتے ایک دوسرے سے جانے کون سی باتیں کر رہے تھے جو ختم نہیں ہوتی تھیں ایک وہ تھے۔ تسمیہ دس منٹ میں ہی بور ہوگئی۔
"چلیں گھر......؟"
اس کی آواز پر شاہ ویز نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ نمکین پانی سے بھری آنکھیں لیے وہ اس سے مخاطب تھی۔ اس کے دل میں کسمساہٹ سی پیدا ہوئی تھی۔
"کیوں! میرے ساتھ آنا اچھا نہیں لگا؟ بور ہو رہی ہونا۔"
"نہیں تو...... وہ بس...... نیند آرہی تھی۔" شکر کہ بہانہ اچھا مل گیا تھا۔ اس کی سارے دن کی تھکن اور پھر سحری میں اٹھنے کا احساس شاید واقعی اسے نیند آرہی ہوگی۔ تبھی اس نے صرف سر ہلایا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
گھر پہنچتے ہی وہ نماز کے لیے چل دی مگر جب کاموں سے فارغ ہو کر لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کتنے دن ہوگئے تھے اس کی شادی کو مگر وہ کمزور نہیں پڑی تھی مگر آج جانے کیوں بے آواز آنسو اس کا تکیہ بھگو رہے تھے۔ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی وہ خود کو رونے سے نہیں روک پا رہی تھی۔ وہ اس بات سے انکاری نہیں تھی کہ قصور صرف اس کا تھا۔ شاہ ویز نے جو بھی کیا وہ ٹھیک کیا۔ اس نے شاہ ویز کی محبت پر شک کیا تھا۔ دوسروں کی باتوں میں آ کر اس نے شاہ ویز کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ اپنی ہر خطا قبول کرتی تھی۔ مگر صرف ایک بار وہ اس کی بات تو سن لے! وہ معافی مانگنا چاہتی تھی اپنے تمام ترکیے کی! اسے شاہ ویز کی بے رخی قبول تھی لیکن خاموشی کی یہ سزا دوسری نہیں بار رہی تھی۔ وہ اس پر چیختا چلاتا لیکن یہ بے گانگی اور لاتعلقی اس کے دل کو دکھ دے رہی تھی۔ کاش ایک بار وہ اس کی بات سن لے۔ اس کی معافی قبول کرلے۔ لیکن وہ تو بات تک کرنے کو تیار نہ تھا۔
سحری میں وہ اٹھی تو اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں اور رونے سے سرخ بھی ہو رہی تھیں۔ شاید کسی نے یہ بات نوٹ نہ کی ہو مگر جب وہ آیا تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بے چین ہوگیا۔ یعنی یہ اس کا وہم نہیں تھا وہ رات بھر واقعی نہیں سوئی تھی۔ رات



اسے محسوس تو ہوا تھا کہ تسمیہ رو رہی ہے مگر اسے بے سدھ لیٹا پا کر اس نے اپنا وہم سمجھ لیا تھا۔ پر اب اس کی سرخ آنکھیں گواہ تھیں۔ بے کلی سی اس کے اندر پھیل گئی۔ اب تو وہ خود بھی تھک گیا تھا اس دوری سے۔ ٹھیک ہے اس نے غلطی کی تھی مگر ان دو ماہ میں اپنے رویے اور ثابت قدمی سے اس نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہے اور اب آ گئی ہے کتنی بار اس نے شاہ ویز کو مخاطب کیا اپنی خطا پر معافی مانگنے کے لیے لیکن وہ ہر بار ٹال گیا۔
"تسمیہ بیٹا! تمہاری طبیعت اچھی نہیں لگ رہی۔ تم نماز پڑھ کر آرام کرو۔ برتن وغیرہ زوبی دھو لے گی۔"
"ہاں تسمیہ! تمہارے سر میں درد ہے۔ اذان سے پہلے کوئی ٹیبلٹ لے لو تمہیں سارا دن پھر طبیعت خراب رہے۔" زوبی نے اسے ٹیبلٹ دی جو اس نے خاموشی سے لے لی کیونکہ رونے سے اس کے سر میں واقعی شدید درد تھا۔ ٹیبلٹ لے کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی سر میں درد بہت زیادہ تھا۔ اذان ہوئی تو نماز پڑھتے ہی وہ لیٹ گئی اور کچھ دیر بعد گہری نیند میں تھی۔ شاہ ویز نماز کے بعد جب کمرے میں آیا تو اسے پرسکون نیند میں دیکھ کر خود بھی پرسکون سا ہوگیا۔
رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوا تو جہاں عبادات میں اضافہ ہوا وہیں عید کی تیاریاں بھی زور پکڑ گئیں۔ امی نے اسے کئی بار کہا کہ اپنے لیے شاپنگ کر آئے مگر وہ بہانہ بنا دیتی کہ شاہ ویز تھک جاتے ہیں اور وہ انہیں تنگ نہیں کرنا چاہتی۔ امی نے یہ ذکر شاہ ویز سے کیا تو وہ سمجھ گیا کہ اس کی خاطر تسمیہ نے خود ہی انکار کردیا۔
"امی میں نے کہا تھا تسمیہ سے کہ وہ آپ کے ساتھ جا کر شاپنگ کر آئے۔ مجھے آج کل بالکل بھی فرصت نہیں ہے۔" شاہ ویز کے انکار پر امی اسے خود بازار لے گئی تھیں۔ اس کی پسند سے تمام چیزیں دلائیں۔ دل نہ چاہنے کے باوجود اس نے امی کی خاطر شاپنگ کی تھی اور گھر آ کے تمام سامان اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ ہر چیز اس کے وجود سے اجنبی لگتی ہے۔ وہ شخص تو اس سے بات تک کرنے کو تیار نہ تھا۔ پھر یہ سب تیاری کس کے لیے! اس نے تمام طاق راتوں میں جاگ کر عبادت کی تھی اور اللہ پاک سے معافی مانگی تھی اور دعا کی تھی کہ اس کا مجازی خدا بھی اسے معاف کردے تاکہ اس کی زندگی سہل ہو جائے۔
آج انتیسواں روزہ تھا اور امید تھی کہ شام میں چاند نظر آ جائے گا۔ زوبی بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ روزہ افطار ہوتے ہی وہ تسمیہ کو زبردستی لے کر چھت پر آ گئی تھی چاند دیکھنے۔
"زوبی کی بچی! امی خفا ہوں گی۔ سارا کام بکھرا پڑا ہے اور ہم دونوں یہاں آ گئے۔" اس نے کہا تو زوبی چڑ گئی۔
"ابھی چلتے ہیں نا چاند دیکھ لیں۔" آس پاس کی چھتوں پر لوگ چاند دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی زوبی کے ساتھ توجہ سے آسمان دیکھنے لگی۔ یہیں سے چاند پر نظر پڑتے ہی زوبی چیخی تھی۔
"چاند نظر آ گیا۔"
وہ کہتے ہی تسمیہ سے لپٹ گئی۔
"چاند رات مبارک ہو۔"
"تمہیں بھی۔"
تسمیہ نے مسکرا کر کہا پھر ان دونوں نے چاند دیکھنے کے بعد دعا پڑھی اور یہ خبر سنانے نیچے آ گئیں۔ جہاں امی برتن وغیرہ سمیٹ رہی تھیں۔
"چاند نظر آ گیا ہے امی! چاند رات مبارک ہو۔"

"تمہیں بھی! جیتی رہو خوش رہو سدا سہاگن رہو۔" انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔ وہ اس کے بعد خاموشی سے اپنے کام میں لگ گئی۔ زوبی اس کے ساتھ آج مکمل مدد کر رہی تھی کیونکہ تمام کام ختم کرکے انہیں مہندی لگانی تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد اس نے زوبی کے ہاتھوں پر مہندی لگائی۔ تب شاہ ویز بھی نماز پڑھ کر آ چکے تھے۔ وہ امی اور شاہ ویز کے لیے چائے بنا لائی۔

"شاہ ویز! آج تو کوئی مصروفیت نہیں ہے تسمیہ کو باہر لے جاؤ بیٹا! اس کی پہلی عید ہے ہمارے ساتھ۔ اسے چوڑیاں وغیرہ اس کی پسند سے دلوا لاؤ۔"

"امی! اس دن تو آپ نے مجھے سب کچھ دلوا دیا تھا۔ پھر امی کے گھر سے عیدی میں بھی اتنا کچھ ہے اتنی ساری چیزیں میں کیا کروں گی؟"

"بیٹا! بے شک تمہارے پاس ہر چیز ہے۔ مگر میں جانتی ہوں اپنے شریک سفر کے ساتھ چھوٹی چھوٹی سی چیزیں خرید کر جو ایک لڑکی کو خوشی ملتی ہے وہ سب سے انمول ہوتی ہے اور عید تو ہے ہی خوشی کا موقع۔ تمہارے سارے کام ختم ہوگئے ہیں۔ اب تم دونوں جا کر شاپنگ کر آؤ۔" ان کے کہنے پر وہ خاموش ہوگئی کہ ہوسکتا ہے شاہ ویز خود ہی انکار کردیں۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ امی کے گھر سے جو عیدی آئی تھی وہ بھی اس نے یوں ہی اٹھا کر رکھ دی تھی اور جو شاپنگ وہ خود کرکے آئی تھی وہ تمام چیزیں بھی ایسے ہی رکھی تھیں۔ اس نے دوبارہ دیکھی تک نہیں تھیں۔

"تسمیہ! بھیا بلا رہے ہیں تمہیں جانا نہیں ہے بازار......؟" زوبی بلانے آئی تو وہ بھی کچھ [illegible] کے سامنے انکار کرکے وہ کسی پر بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ان دونوں میں آپس میں کیسے تعلقات ہیں۔"

"بس دو منٹ میں آئی۔" وہ اٹھ کر واش روم بھاگی اور دس منٹ بعد وہ اس کے ساتھ تھی۔

"کیا لینا ہے تمہیں؟" بازار میں داخل ہوتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ ہر چیز ہے تو میرے پاس۔"

شاہ ویز نے ایک نظر اس پر ڈالی جس کے چہرے پر خوشی کی رمق تک نہ تھی۔ پھر اسے ساتھ لیے آگے بڑھ گیا۔ چاند رات کے حوالے سے ایک تو بازار میں رش بہت زیادہ تھا۔ شاہ ویز نے دوبارہ اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا بلکہ اس کے لیے ساری شاپنگ صرف اپنی مرضی اور پسند سے کی تھی۔ سرخ رنگ کا خوب صورت اور نفیس سے کام والا سوٹ اس کے ساتھ ہم رنگ جیولری چوڑیاں سینڈل ہر ہر چیز اس نے اپنی پسند سے لی تھی۔

"تم دو منٹ رکو یہاں میں ابھی آتا ہوں۔" وہ تسمیہ کو کہہ کر گیا اور جب لوٹا تو ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا۔ اس نے خاموشی سے بائیک پر نظر ڈالی۔ کیا اب انہیں گھر جانا تھا اور کچھ دیر بعد وہ امی اور زوبی کو تمام شاپنگ دکھا رہی تھی۔

"واؤ تمہارے [illegible] مجھے بہت پسند آئے۔"

"تمہارے بھیا کی پسند ہے۔"

"واقعی! بھیا کی پسند تو بہت اچھی ہے یار! اگر یہ تمام چیزیں انہوں نے اپنی پسند سے لی ہیں تو پھر بھیا کو داد دینی پڑے گی۔"

"یہ تمام شاپنگ انہوں نے اپنی پسند سے کی ہے۔ میں نے کچھ کہا تک نہیں حتیٰ کہ تمہارے بھیا نے مجھ سے مشورہ تک نہ مانگا کہ تمہارے لیے لے رہا ہوں۔ تمہیں پسند بھی ہیں یا نہیں۔" زوبی ہنس دی۔ "بھیا جانتے ہیں کہ تم پر کیا سوٹ کرے گا تب ہی انہوں نے تم سے رائے نہیں لی۔"



وہ تمام چیزیں سمیٹ کر کمرے میں آئی تو شاہ ویز سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ امی نے اسے کہا تھا کہ مہندی لگانے کے بعد سونا اور مہندی لگانے کا اس کا بالکل بھی دل نہیں تھا۔ وہ کون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی مگر جب دل میں کسی چیز کی خواہش نہ ہو تو پھر کیا فائدہ آخر کون سائیڈ میں رکھ کر وہ پلٹنے لگی تھی کہ شاہ ویز نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"مہندی نہیں لگاؤ گی تو امی بہت برا منائیں گی۔"

وہ تو سمجھ رہی تھی کہ شاہ ویز سو چکے ہوں گے لیکن......!

"مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ اس وقت نہیں لگا پاؤں گی۔"

"چاند رات ہے اور تمہیں نیند آ رہی ہے؟" اس کے لہجے میں کچھ تھا اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اب بیٹھ چکا تھا۔ بازو اب تک اس کی گرفت میں تھا۔ جسے اس نے مزید زور سے تھام لیا تھا۔ اس کے چہرے پر مرکوز نظروں میں آج غصہ نہیں تھا۔ خفگی بھی نہیں لیکن جانے کیا تھا کہ وہ فوراً ہی نظریں پھیر گئی۔

"صبح عید ہے۔ تسمیہ! خوشی کا دن ہے اور میں یہ دن دلی خوشی کے ساتھ منانا چاہتا ہوں۔ مجھے پتا ہے تم نے جو غلطی کی اس پر تم نادم ہو اور تمہارے ساتھ اتنے دن جو رویہ میرا رہا اس پر میں تم سے شرمندہ ہوں۔ میرا مقصد بھی صرف تمہیں احساس دلانا تھا کہ ہر مرد وہ نہیں ہوتا۔ جیسا تصور تم اپنے ذہن میں لے کر اس گھر میں آئی تھیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے انجان ہوتے تو شاید مجھے اتنا برا نہ لگتا لیکن تم تو میری زندگی میں آنے والی وہ واحد لڑکی ہو جس سے میں نے اپنی ذات کی ہر ہر بات شیئر کی تھی۔ دل کی شدتوں سے چاہا تمہیں میں نے اور جب مجھے علم ہوا کہ تم میرے بارے میں اس طرح سوچ رہی ہو تو بہت دکھ ہوا تھا شاید یہ اسی دکھ اور غصہ کا ردعمل تھا۔ جو اتنے دن میں تمہیں یہ سزا دیتا رہا۔ مگر اب مزید نہیں۔ تمہاری یہ اتری صورت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی اور تم سے اتنے قریب ہوکر تمہاری دوری مجھ سے اب مزید نہیں سہی جاتی۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے تسمیہ کہ میں تمہارے بنا جی نہیں سکتا۔ پلیز سوری!" اسے بانہوں میں بھر کر تمام باتوں کا اقرار کر رہا تھا اور تسمیہ کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں کب سے آپ سے سوری کرنا چاہتی تھی لیکن آپ نے کبھی میری بات نہیں سنی۔ میں جانتی ہوں کہ میں غلط تھی اور اگر آپ نہ ہوتے تو مجھے اپنی غلطی کی جانے کیا سزا ملتی۔"

"یہ سزا کم تھی جو اتنے دن سہتی رہی ہو؟"

"کم تو نہیں تھی مگر آپ کو کھونے کا ڈر نہیں تھا۔ یقین تھا کہ ایک دن ضرور آپ مجھے معاف کردیں گے۔" اس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ شاہ ویز نے اس کے چہرے پر پھیلتے آنسو صاف کیے۔

"بس آج کے بعد یہ آنسو نظر آئے نا تو بہت برا ہوگا۔ تم میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہو تسمیہ! اور میں تمہیں صرف خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو گزر گیا اس کا ذکر ہم دوبارہ نہیں کریں گے۔ ہم آج اور ابھی سے اپنی زندگی کی خوشیوں بھری شروعات کریں گے۔" اس نے تسمیہ کا چہرہ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

"اب تو خفا نہیں ہوں گے نا......؟" معصومیت بھرے سوال پر وہ مسکرا دیا۔

وہ سرشار ہوکر اس کے سینے سے لگ گئی۔

# مہکتی چاند رات

نزہت جبیں ضیاء

صلیب شاخ پہ رقصاں گلاب دیکھے ہیں
شیراز حسن میں جلتے شباب دیکھے ہیں
ہماری سوچ پہ کوئی نہ ہوسکا حاوی
کہ ہم نے صرف تمہارے ہی خواب دیکھے ہیں

رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوچکا تھا۔ عید کی تیاریوں میں تیزی آ گئی تھی کہ اچانک جلال ملک کی اپنے بیٹے کے ساتھ وطن واپسی کی خبر نے تو جیسے سب ہی کے اور خصوصاً لڑکیوں کے ہوش اڑا دیے تھے۔ جلال ملک پچیس سال بعد وطن واپس لوٹ رہے تھے بیوی کے انتقال کے بعد وہ ٹوٹ سے گئے تھے اگر تیمور ملک (بیٹا) نہ ہوتا تو ان کا جینا مشکل ہوجاتا' ایسے میں انہیں ماں اور بھائیوں کی یاد آئی۔ ادھر ماں اور بھائیوں کا غصہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ سرد پڑ گیا اور پھر یہ سن کر بھائیوں کی بیویاں تو تیمور ملک میں اپنا داماد ڈھونڈنے لگیں۔ تیمور ملک ہینڈسم اور اسمارٹ ہونے کے ساتھ مالی لحاظ سے بھی بہت مستحکم تھا اور پھر جلال ملک نے کہہ دیا تھا کہ وہ تیمور کی شادی پاکستان میں ہی کریں گے اس لیے گھر میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔

ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر عدنیہ سپارہ پڑھ کر فارغ ہوئی تو دادو بھی جب تک نماز پڑھ چکی تھیں۔ آج کل دادو بہت خوش تھیں۔

''دادو! یہ جلال چاچو کیسے ہیں؟'' عدنیہ کو بھی تجسس تھا۔

''بہت اچھا' بہت پیارا تھا میرا بچہ...... بہت محبت کرنے والا لیکن بس ایک غلطی کرکے وہ سب کچھ چھوڑ بیٹھا۔ تمہارے دادا نے اسے نکال باہر کیا تھا حالانکہ بیٹا ابھی بچی تھی مگر'' دادو کی آنکھیں چھلکنے لگیں۔

''چھوڑیں دادو! اب تو وہ آرہے ہیں نا۔'' عدنیہ نے جلدی سے بات بدل دی۔ مبادا دادو پھر سے رونے بیٹھ جائیں۔

افطار اور کھانے سے فارغ ہوکر گھر کے مرد تراویح پڑھنے چلے گئے۔ عدنیہ دادو کے سر میں تیل ڈال رہی تھی۔ باقی سب لوگ کامن روم میں جمع تھے۔ سلمٰی بیگم اور نمونہ بیگم اپنی اپنی بیٹیوں کو خوب صورتی بڑھانے کے ٹوٹکے بتارہی تھیں۔

''نیلم! ذرا اپنی آنکھیں دیکھو حلقے کتنے گہرے ہورہے ہیں۔ کتنی بار کہا ہے رات رات بھر نیٹ پر مت بیٹھا کرو۔'' سلمٰی بیگم نے کٹا ہوا کھیرا نیلم کی طرف بڑھایا جو اس وقت ناخن فائل کررہی تھی۔

’’یہ رکھو آنکھوں پر اور خاموشی سے بیٹھ جاؤ دس منٹ...... کرن! اپنے بال کل ہی سیٹ کروالو تم‘ دیکھو تمہیں کتنی بڑھ گئی ہیں۔‘‘ نیلم کے بعد ان کی نظریں کرن پر جاٹکیں۔ میمونہ بیگم نے منہ بنایا۔

’’مما دیکھیں! اس درزی کے بچے نے میری قمیص کتنی ڈھیلی سی دی ہے۔‘‘ اسی وقت مونا کمرے میں داخل ہوئی تو میمونہ بیگم کی توجہ اس کی جانب ہوئی۔

’’واقعی......!‘‘

’’اب یہ کل دوں تو پرسوں تک واپس نہیں دے گا‘ کام زیادہ ہے اس کے پاس۔ میں کیا کروں مما! یہی شرٹ پہن کر تو ائرپورٹ جانا ہے مجھے......!‘‘ نخرے دکھاتی ہوئی مونا دھم سے صوفے پر آ بیٹھی۔ نیلم اور کرن ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دیں۔

’’نہیں میری جان! فکر مت کر۔ عدنیہ کر دے گی فٹنگ!‘‘ میمونہ بیگم سے بیٹی کی بے چارگی برداشت نہ ہوئی تو فوراً ہی حل پیش کر دیا۔ عدنیہ جو دادو کی چوٹی باندھ رہی تھی چونکی۔

’’جی......؟ جی......! کر دوں گی۔‘‘ وہ جلدی سے بولی۔

’’شکریہ مما!‘‘ مونا نے میمونہ کے گال چوم کر کہا۔

’’ایسا کرو تم جا کر بال کٹنگ کروالو۔ دو دن میں جا کر تیج سیٹ ہوں گے۔‘‘ میمونہ نے بیٹی کو پچکارا۔ عدنیہ کو ہنسی آ گئی۔ عید سے زیادہ تو جلال چاچو کی آمد کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہ بھاوجیں جو ساری زندگی اپنے اپنے شوہروں کو جلال کے نام سے شرمندہ کیا کرتی تھیں‘ آج جلال کی آمد پر بے حد خوش تھیں کیونکہ جلال نے صاف کہہ دیا تھا کہ شادی تیموری خاندان میں کروں گا‘ اب دیکھنا یہ تھا کہ قرعہ کس کے نام نکلتا ہے۔ اس لیے تینوں کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

رات کو سونے سے پہلے حسب معمول عدنیہ نے سحری کے لیے آٹا گوندھ کر رکھا۔ کچن کی صفائی کی‘ دادو کے لیے دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں آئی‘ دادو تراویح سے فارغ ہو چکی تھیں۔ ڈھیر ساری دعائیں عدنیہ کو دیتے ہوئے انہوں نے دودھ کا گلاس تھاما۔

’’یا اللہ! میری بچی کا نصیب بہت اچھا کرنا میرے مولا!‘‘ عدنیہ کے ہونٹوں پر تلخ ہنسی ابھر آئی۔

’’دادو! آپ ہمیشہ مجھے دعا دیتی ہیں مگر......‘‘

’’نہ بیٹا نہ! اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرے گا۔ جو ہو چکا‘ ہو چکا مگر آگے کے لیے اچھی دعا کر میری بچی!‘‘ ان کی آواز بھی رندھ گئی تھی۔ سلمیٰ تائی اور میمونہ تائی تو اس کے لیے آئے ہر رشتے کو کسی نہ کسی طرح انکار کر کے اپنی بیٹیوں کو پیش کر دیتیں‘ اس کی حیثیت نوکروں سے بدتر تھی۔ لوگوں کے سامنے آنے نہیں دیتی تھیں کہ مفت کی نوکرانی ہاتھ سے نکل جائے۔

❁ ❁ ❁

حیات ملک کا ذاتی کاروبار تھا۔ تین بیٹے شہاب ملک‘ کمال ملک اور جلال ملک تھے۔ شہاب اور کمال تو شادی شدہ تھے۔ جلال ملک نے کاروبار سنبھالا تو انہوں نے ایک لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش کی تھی‘ جس کو ماں‘ باپ اور بھائیوں نے سختی سے ٹھکرا دیا۔ جلال نے بہت سمجھایا منت سماجت کی‘ بینا کی اچھائیاں بتائیں لیکن سب کی ایک ہی رٹ تھی کہ ہمارے ہاں شادیاں خاندان میں ہوتی ہیں۔ بینا جلال کی کلاس فیلو تھی۔ یوں عاجز آ کر جلال ملک نے بینا سے ناتا جوڑ کر گھر والوں سے ناتا توڑ ڈالا۔



حیات ملک نے انہیں گھر سے نکال دیا اور جائیداد سے بھی بے دخل کر دیا۔ جلال نے بہت کوشش کی انہیں منانے کی لیکن وہ نہ مانے۔ یوں پھر وہ خاموشی سے ان کی دنیا سے نکل آئے اور اپنا کام خود شروع کر دیا۔ بینا نے تعاون کیا یوں محنت کر کے وہ امریکا شفٹ ہو گئے اور رفتہ رفتہ کاروبار بھی ترقی کرتا گیا۔

جہاں آرا بیگم کی ایک بہت پرانی دوست حمیدہ خاتون تھیں جو اپنی پوتی کی پرورش کر رہی تھیں۔ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ بیٹا اور بہو ایک حادثے میں ختم ہو گئے اور یوں ایک سال کی عدنیہ کی ذمہ داری حمیدہ خاتون کے بوڑھے کاندھوں پر آ پڑی۔ وہ خود بیمار اور دل کی مریضہ تھیں۔ عدنیہ دو سال کی ہوئی تو انہوں نے عدنیہ کو جہاں آرا بیگم کے سپرد کیا اور زندگی سے ناتا توڑ لیا۔ جب ننھی عدنیہ کو لے کر جہاں آرا آئیں تو بیٹوں اور بہوؤں نے خوب احتجاج کیا کہ کس طرح ایک لڑکی کی ذمہ داری قبول کریں گے‘ ایسے میں حیات ملک نے بیوی کا ساتھ دیا۔ اس وقت شہاب ملک کا ایک بیٹا ساجد اور دو بیٹیاں نیلم اور کرن تھیں جب کہ کمال ملک کے دو بچے صمد اور مونا تھے۔ عدنیہ سب سے چھوٹی تھی۔ روز اول سے ہی عدنیہ ان سب کے لیے کانٹا تھی‘ جہاں آرا بیگم نے عدنیہ کو سینے سے لگا کر پالا انہیں بھی اپنا لاڈلا بیٹا یاد آتا مگر شوہر کے غصے کی وجہ سے کچھ نہ کہتیں۔

وقت کا پہیہ تیزی سے چلتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حیات ملک کا انتقال ہو گیا۔ ساجد اور صمد بھی پڑھائی کے بعد کاروبار میں آ گئے۔ نیلم‘ کرن اور مونا تینوں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں‘ شکل وصورت تو کوئی خاص نہیں تھی مگر فیشن میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے چکر میں رہتیں۔ جیسے تیسے مر مر کر بی اے کیا تھا تینوں نے‘ اب شادی کی فکر تھی مگر کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں آتا تھا۔ ادھر عدنیہ شروع سے ہی اچھی طالبہ رہی‘ بی ایس سی فرسٹ ڈویژن میں کر چکی تھی۔ پڑھائی کے ساتھ سلائی کڑھائی‘ کھانا‘ آرٹ اینڈ کرافٹ ہر چیز میں ماہر تھی پر صورت بھی ماشاءاللہ بہت اچھی تھی۔ اس لیے تینوں لڑکیاں اس سے جلتی تھیں اور اس کے ساتھ بالکل نوکروں والا سلوک کرتی تھیں۔ عدنیہ کی پرورش جہاں آرا بیگم نے کی تھی اس لیے وہ بے مثال تھی۔ جب کہ کرن‘ نیلم اور مونا کے تو نخرے بھی ختم نہ ہوتے‘ ساتھ انہیں اپنی ماؤں کی شہ بھی ملی ہوئی تھی۔ اس گھر کے مرد کسی معاملے میں نہیں بولتے تھے۔ ساجد اور صمد کے رشتے بھی دونوں کے ننھیال میں طے ہو چکے تھے۔

❁ ❁ ❁

رمضان المبارک کی برکتیں اور رحمتیں عروج پر تھیں اور عدنیہ دادو کے ساتھ مل کر اس کا بھرپور فیض اٹھا رہی تھی‘ اسے کوئی غرض نہ تھی کوئی آئے جائے وہ تو نماز روزے اور عبادات اور ساتھ ہی کاموں میں مصروف رہتی۔ دادو ہی زبردستی اسے بازار لے جا کر کپڑے دلواتیں‘ وہ بھی ضرور لیتی کہ عید پر نئے کپڑے پہننا سنت ہے۔ کرن‘ نیلم اور مونا روزے رکھتیں تو بھی احسان ہوتا‘ سب کچھ تیار ہو جاتا تب اٹھتیں جلدی جلدی کھاتیں اور نماز کی پروا کیے بغیر بستروں میں گھس جاتیں‘ دوپہر میں ایک بجے سے پہلے نہ اٹھتیں‘ با دل ناخواستہ نماز پڑھتیں‘ قرآن پاک بھی نہیں پڑھتیں پھر عصر تک ٹی وی دیکھتی رہتیں۔ عدنیہ کو عجیب سا لگتا روزہ بہلایا کرتی ہیں وہ اس طرح...... توبہ توبہ......! وہ سوچتی۔

’’ایسی بھی کیا بے دینی۔ پرہیزگاری نہ ہو تو روزہ رکھنے کا فائدہ!‘‘

اس بار تو کچھ زیادہ ہی تیاریاں تھیں کہ تیمور ملک نے ہلچل مچا کر رکھ دی تھی۔ جہاں آرا بیگم ائرپورٹ نہیں جا رہی تھیں' سب لوگ جانے کے لیے تیار تھے' عدنیہ نے کھڑکی سے دیکھا۔ نیلم نے بلیک کیپری پہن رکھا تھا' آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ اور ہونٹوں پر تیز رنگ کی لپ اسٹک' کرن نے بلوجینز اور کرتا' گلے میں دوپٹے کی جگہ اسکارف تھا جب کہ مونا نے ٹی شرٹ اور پینٹ' شولڈر کٹ کٹے بالوں میں عجیب سی لگ رہی تھی۔

"توبہ توبہ......!" عدنیہ نے جھرجھری لی۔

"روزے کی حالت میں ایسے کپڑے!" عدنیہ افطاری تیار کرنے کچن میں آ گئی۔

"بچی تو بھی کپڑے بدل لے نا!" دادو نے کہا تو وہ کپڑے بدلنے چلی گئی۔ عام سے کاٹن کے سوٹ میں وہ سر پر دوپٹا لپیٹے جلدی جلدی کام نمٹانے لگی۔ افطار سے کچھ پہلے وہ لوگ واپس آئے۔ جلال چاچو دوڑ کر اماں سے لپٹ گئے اور پھر رونا دھونا شروع ہو گیا۔ وہ کچن سے دیکھ رہی تھی۔ جلال بہت اسمارٹ تھے' ان کے پیچھے سفید لٹھے کے شلوار قمیص میں یقیناً تیمور ملک تھا۔ اونچا پورا' سلیقے سے بال بنائے' سانولی رنگت اور مردانہ وجاہت کا مکمل پیکر۔ سر پر ٹوپی لگائے وہ کہیں سے بھی امریکن شہری نہیں لگ رہا تھا۔ عدنیہ کا دل اسے دیکھ کر عجیب انداز میں دھڑکا۔ اسے وہ اچھا لگا' عدنیہ نے جلدی سے نگاہیں جھکالیں۔ وہ بھی دادو سے ملا' تب ہی کچن میں میمونہ آ گئیں' انہوں نے غور سے عدنیہ کو دیکھا' اس کے کپڑے اور حلیے سے قدرے مطمئن ہو کر وہ مخاطب ہوئیں۔

"چلو ٹیبل لگا دو۔ کچھ دیر بعد افطار کا ٹائم ہو جائے گا۔ ہم لوگ اماں کے کمرے میں ہیں' ٹیبل لگا کر آواز دے دینا......" کہہ کر وہ واپس پلٹیں۔

"جی......!" عدنیہ آہستگی سے بولی۔

افطار پر سب جلال اور خصوصاً تیمور کی آؤ بھگت کر رہے تھے۔

"عدنیہ! یہاں آؤ۔" دادو کی آواز پر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آئی۔

"یہ...... یہ......" جلال نے اس کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ عدنیہ ہے اس کے ماں باپ......" قبل اس کے کہ سلمیٰ بیگم کچھ اور کہتیں' جہاں آرا بیگم بولیں۔

"جلال! تمہیں حمیدہ یاد ہے۔ میری کیلی؟"

"جی...... جی......! اماں! حمیدہ خالہ' جن کا بیٹا تھا احسان......!" جلال نے کچھ ذہن پر زور ڈال کر جلدی سے کہا۔

"ہاں بیٹا' وہی حمیدہ! یہ اس کی پوتی ہے عدنیہ! بے چاری حمیدہ' اس کے بیٹے اور بہو سب کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب یہ میری پوتی عدنیہ ہے۔" جہاں آرا بیگم نے متانت سے کہا۔

"السلام علیکم!" وہ جلدی سے بولی۔

"جیتی رہو!" جلال نے کہا۔ تیمور نے بھی نظر اٹھائی۔ سادے سے کاٹن کے فیروزی اور سیاہ لباس میں سر سے دوپٹا لپیٹے میک اپ سے قطعی عاری چہرہ۔ معصومیت اور سادگی کا مکمل پیکر تھی وہ۔

"آؤ...... بیٹھو!" جلال نے کہا۔

"نہیں' میں ذرا چاول دیکھ لوں چولہے پر ہیں۔" وہ تیزی سے واپس پلٹی۔

اس رات سحری تک سب لوگ جاگے اور جہاں آرا بیگم کے کمرے میں ہی رہے۔ نیلم' کرن اور مونا سائے کی طرح تیمور کے ساتھ لگی رہی تھیں' تیمور بہت خوش اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔ جلال بہت



سارے تحائف لے کر آئے تھے۔ عدنیہ کو بھی خوب صورت سوٹ پیس دیا۔ عدنیہ دادو کے پیچھے بیٹھی تھی' خاموش اور نگاہیں نیچی کیے۔ وہ تیمور کے دل میں اتری جا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ نگاہ اٹھا کر تیمور کی جانب دیکھتی' وہ تینوں لڑکیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ عدنیہ کو عجیب سی الجھن ہو رہی تھی' وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل آئی' تھوڑی دیر بعد آئی تو ہاتھ میں گرما گرم چائے کی ٹرے تھی۔

"ارے واہ! زبردست...... میرا دل چاہ رہا تھا چائے پینے کا۔" تیمور خوش دلی سے بولا۔ "چائے بڑی زبردست بنی ہے۔" گھونٹ لے کر براہ راست عدنیہ سے مخاطب ہوا۔

"ویسے ابھی آپ نے میرے ہاتھ کی چائے نہیں پی نا! اسی لیے۔" مونا جلدی سے بولی۔

"ٹھیک ہے' کل تم بنالینا۔" تیمور مسکرایا۔ سلمیٰ بیگم اور میمونہ بیگم کی تیز نظریں محسوس کر کے عدنیہ ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

دو دن اسی طرح گزر گئے۔ تیمور تینوں لڑکیوں کے ساتھ بازار گیا' رات کو سب مل کر آئس کریم کھانے جا رہے تھے۔ عدنیہ دادو کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"عدنیہ! آپ بھی چلیں۔" تیار ہو کر تیمور آیا تو عدنیہ سے کہا۔

"نہیں' مجھے کام ہے' دادو کو دودھ دینا ہے۔ آپ جائیں۔" وہ جلدی سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

تیمور اور جلال مستقل دیکھ رہے تھے کہ کرن' نیلم اور مونا سارا دن ایک کام نہیں کرتیں۔ سحری میں بھی سلمیٰ بیگم اور میمونہ بیگم کے ساتھ عدنیہ مصروف رہتی اور افطار کی تیاری میں بھی وہ ہی ہوتی۔ تینوں لڑکیاں نت نئے کپڑوں اور جیولری کی ہی باتیں کرتی رہتیں۔ جمعۃ الوداع کو ہر سال دادو بڑی افطار پارٹی اور قرآن خوانی کا اہتمام کرتیں' اس روز صبح سے ہی تیاریاں ہوتی تھیں۔ ایک دن پہلے کرن' نیلم اور مونا پارلر ہو کر آئی تھیں اور نئے کپڑے بھی لیے تھے۔ عدنیہ نے اس روز سفید چکن کا سوٹ پہنا تھا۔ ملٹی کلر دوپٹا سر پر اوڑھے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ لمبے سیاہ بال کیچر سے جکڑنے کے باوجود پیٹھ پر پھیلے تھے' ہاتھ میں سپارہ لیے وہ نہایت انہماک سے پڑھ رہی تھی۔ تب ہی کسی کام سے تیمور کمرے میں آیا۔ دادو نہا رہی تھیں' عدنیہ اکیلی تھی۔ تیمور نے غور سے حسن و سادگی کے پیکر کو دیکھا اور ایک لمحے میں ہی فیصلہ کر لیا۔

❁ ❁ ❁

"ہاں جلال میاں! یہ بتاؤ تم نے کچھ سوچا ہے تیمور کے لیے......؟" اس روز سب بڑے دادو کے کمرے میں تھے تب ہی شہاب ملک نے بھائی کو مخاطب کیا۔

"بھئی دراصل ہم چاہتے ہیں تمہاری پسند اور خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے تم جس سے چاہو اس سے تیمور کی منگنی کر دیں عید کے دن......" کمال ملک بھی بولے۔

"جی...... جی...... بھائی جان......! مجھے تو تینوں ہی اچھی لگی ہیں اب تیمور کی جو مرضی۔ اس سے پوچھ لوں......" آخری جملہ عدنیہ نے سن لیا تھا' اس کا ننھا سا دل ڈول گیا۔ وہ چائے لے کر آ رہی تھی۔

"ارے بھئی جلدی پوچھو تاکہ کپڑوں کا بندوبست بھی کیا جائے!" سلمیٰ بیگم قدرے جھنجلاہٹ سے بولیں۔ "دو دن ہیں عید میں اور تم لوگ ابھی تک سوچ رہے ہو۔"

"جی بھائی! میں آج ہی بات کرتا ہوں۔" جلال شرمندہ لگ رہے تھے۔

"بھئی تم نے خود ہی فون پر کہا تھا اس لیے کہہ رہے ہیں۔ ورنہ ایسا نہیں کہ یہاں پر لڑکوں کا کال پڑ گیا ہو......" میمونہ بیگم نے بھی ناک چڑھا کر کہا۔

اس رات عدنیہ عجیب بے چینی کا شکار تھی۔ نیند بھی نہیں آ رہی تھی دادو سو چکی تھیں۔ دادو نے بتایا تھا کہ تیمور نے کہا ہے کہ اسے تینوں ہی لڑکیاں اچھی لگی ہیں وہ چاند رات کو ہی سرپرائز دے گا۔ عدنیہ کے دل میں عجیب سی خواہشات نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

"توبہ کرو......!" جھنجلا کر وہ اٹھ بیٹھی۔ کل چاند رات تھی۔ گھر میں عید کی تیاریاں عروج پر تھیں' اس وقت سب لوگ تھک کر اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ عدنیہ کا حلق خشک ہونے لگا۔ وہ پانی پینے کچن میں آ گئی' پانی پی کر وہ پلٹی ہی تھی کہ کچن کے دروازے میں کھڑے تیمور کو دیکھ کر بری طرح گڑبڑا گئی۔

"آ...... آ...... آپ......! اس وقت......" وہ ہکلانے لگی۔ "سوئے نہیں......؟"

"ہاں اچھی لڑکی! تم بھی تو جاگ رہی ہو' بھلا میں کیسے سوتا؟" سیاہ ٹراؤزر اور ڈھیلی سفید ٹی شرٹ میں وہ اچھا لگ رہا تھا۔ پیشانی پر بکھرے بال اسے مزید دلکشی دے رہے تھے۔

"جی......! جی......؟" وہ حیران ہو رہی تھی۔

"ہاں بھئی تم تو بات کرنے کا موقع نہیں دیتی ہو۔ تم سے ایک بات کرنے کو یہ بھی کرنا پڑا۔" لہجے میں شرارت تھی۔

"مم...... مگر...... مگر...... کیا...... بات ہے......؟" بمشکل کہہ کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

بس ایک سوال پوچھنا ہے اچھی لڑکی! کہ میں تم کو اس قید سے چھڑا کر ہمیشہ کے لیے اپنانا چاہتا ہوں لیکن...... میں چاہتا تھا تم سے پوچھ لوں کہ کیا تم میرا ساتھ دو گی......؟"

"مگر......! کرن' نیلم آپا اور مونا آپی...... وہ......"

"چھوڑو سب کو۔" اس نے بات کاٹی۔ "مجھے اپنی مرضی بتاؤ؟"

"نا...... نہیں......" وہ بولی۔

"کیوں......؟ کیا میں قابلِ اعتبار نہیں؟" وہ بالکل سامنے آ گیا۔

"پلیز...... آپ...... مجھے جانے دیں......"

نگاہیں چرا کر وہ پلٹی۔ وہ تیزی سے گھوم کر دروازے میں آ گیا۔ عدنیہ لڑکھڑا گئی۔

"مجھے تمہارا جواب چاہیے' ابھی! میرے پاس وقت نہیں ہے۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ سراپا سوال تھا۔ "کیا میں برا ہوں؟"

"نہیں آپ...... آپ اچھے ہیں مگر......" بمشکل کہا۔

"یہ اگر مگر چھوڑ دو لڑکی! میں نے اور پاپا نے گھر میں تمہاری اور دادو کی حیثیت پہچان لی ہے۔ دادو بے چاری بھی بیٹوں اور بہوؤں سے آگے بے بس ہیں اور تم بھی۔ میں تم کو اور دادو کو یہاں سے لے جاؤں گا۔ یہ دکھاوا یہ محبت! میں اور پاپا سب سمجھ چکے ہیں۔ میں نے پہلے دن اور پہلی نظر میں تمہیں پسند کر لیا تھا اور پاپا کو بھی بتا دیا تھا۔ بتاؤ دو گی ساتھ اس دیوانے کا؟" ساتھ ہی کہہ کر ہاتھ آگے بڑھایا۔ عدنیہ گنگ کھڑی تھی' یہ سب کیا ہو گیا جو وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ دل تو تیمور کی چاہ کر رہا تھا۔ جس خواہش کو اس نے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا اور آج تیمور خود یہ سب کہہ رہا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے وہ خواب کی سی کیفیت میں ہو۔ خوشی اور حیرت سے وہ عجیب سی حالت کا شکار تھی۔ دادو کی دعائیں بار آور ثابت ہوئی تھیں۔

"کہو یار...... دیر نہ کرو۔" وہ اسی بے تابی سے بولا تب عدنیہ نے اپنا نازک سا کپکپاتا ہاتھ اس کی مضبوط ہاتھوں میں تھما دیا اور تیمور نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بہت بہت شکریہ اچھی لڑکی!" ہتھیلی کی پشت پر لب رکھ کر ہاتھ چھوڑ دیا۔ عدنیہ خواب کی سی کیفیت میں تھی' تیمور جا چکا تھا۔ جاتے جاتے اسے ان کہی سی خوشی دے گیا تھا۔ وہ خوشی سے اچھل اچھل ہوتے دل کو سنبھالے وہ کمرے تک آ گئی۔ یک لخت دل بدل گیا۔ ساتھ ساتھ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ سب کو معلوم ہو گا تو......! وہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

دوسرے دن جلال اور تیمور تقریباً سارا دن گھر سے باہر رہے۔ عدنیہ میں تو ہمت نہیں تھی کہ وہ تیمور کا سامنا کرتی۔ دادو کو اس نے بتا دیا تھا۔ دادو نے اسے سینے سے لگا کر ڈھیر ساری دعائیں دی تھیں۔ چاند نظر آ گیا تھا' خوب گہما گہمی تھی۔ کرن' نیلم اور مونا بیوٹی پارلر جا چکی تھیں۔ تیمور کے ساتھ آج رات کو خوب گھومنے کا پروگرام تھا۔ جلال اور تیمور ابھی لوٹے نہیں تھے' جلال نے فون کیا کہ آج رات کو یادگار بنانے کے لیے ہمارا ارادہ ہے کہ تیمور کا نکاح کر دیا جائے' آپ لوگ تیاری کریں' ہم لوگ کچھ دیر میں آتے ہیں۔ گھر میں بھگدڑ مچ گئی۔

"ہائے اللہ مما! تیمور کہیں مونا کو پسند نہ کر لے۔" کرن کو اپنی سانولی رنگت سے ڈر تھا۔

"نہیں بے بی! تم بہت اسمارٹ ہو اور پھر تم خوش قسمت بھی ہو۔ دیکھنا وہ کرن یا نیلم دونوں میں کسی ایک کو پسند کرے گا۔"

"ہائے مما! میں کیا پہنوں؟" دوسری جانب مونا

پریشان تھی۔

"سونا ڈارلنگ! تم جو کچھ بھی پہنو تم پر سوٹ کرتا ہے۔" میمونہ بیگم نے کرن کو آتے دیکھ کر قدرے زور سے کہا۔ وہاں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی اور دوسری جانب عدنیہ خاموشی سے دادو کے کمرے کی بستر کی چادر اور پردے بدل رہی تھی۔ دل گھبرا بھی رہا تھا اور خوشی بھی تھی۔ وہ اپنی کیفیت کا اندازہ خود بھی نہیں کرسکتی تھی۔ شہاب ملک' کمال ملک اپنے اپنے بیٹوں کے ساتھ جلدی گھروں کو لوٹ آئے تھے' تینوں لڑکیوں نے مہندی لگوائی' سب کے کپڑے عدنیہ نے پریس کرکے رکھے۔

جلدی جلدی قاضی صاحب کا انتظام ہوا' جلال اور تیمور آئے تو ڈھیر سارا سامان ساتھ تھا۔ کپڑے جیولری وغیرہ..... کرن' نیلم اور سونا کو اچانک ہی تیمور سے شرم سی آنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سب لوگ بڑے کمرے میں جمع تھے۔

"ہائے! بس کہہ بھی دو تم!" سلمٰی بیگم بہت زیادہ جلدی میں تھیں۔

"بھائی صاحب!" کچھ دیر بعد جلال مخاطب ہوئے۔ "مجھے تو تینوں بچیاں ہی بہت عزیز ہیں' خون ہیں میرا..... بس میں چاہتا تھا کہ تیمور کی شادی پاکستان جاکر اپنوں میں ہی کروں.....۔"

میمونہ بیگم پہلو بدل کررہ گئیں۔ جہاں آرا بیگم خاصی مطمئن تھیں' عدنیہ کمرے میں نہیں تھی۔ "میں نے تیمور سے بات کی۔" جلال نے تیمور کی جانب منہ کیا۔ تیمور سر جھکائے بیٹھا تھا۔ "ہاں بیٹا کہو تم؟"

تیمور نے سر اٹھایا۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کرن آتشی رنگ کی جدید طرز کی قمیص پر سبز غرارہ پہنے بیٹھی تھی۔ دوپٹا شانوں پر اک جانب پڑا تھا۔ نیلم جس نے ٹی شرٹ اور شارٹ پہنا ہوا تھا' دوپٹے سے بے نیاز اپنے لمبے لمبے ناخنوں کو دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی۔ سونا ٹی شرٹ اور سیاہ جینز میں عجیب لڑکا نما لڑکی کا نمونہ تھی پھر اس نے باہر سے آتی ہوئی عدنیہ کو دیکھا۔ سفید چوڑی دار پاجامہ' لمبی سیاہ فراک اور بڑا سا دوپٹا سلیقے سے اوڑھے' لمبے بالوں کی چٹیا ڈالے میک اپ سے عاری معصوم اور سیدھی سادی عدنیہ دل میں اتر گئی۔ سب لوگ تیمور کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"عدنیہ بیٹی یہاں آؤ۔" اسے دیکھ کر جہاں آرا بیگم نے آواز لگائی۔

"اماں! بات کرنے دیں تیمور کو عدنیہ کی کیا ضرورت ہے؟" سلمٰی بیگم جھنجلا کر بولیں۔

"نہیں تائی امی! عدنیہ کی ضرورت تو ہے۔" تیمور پہلی بار بولا۔ "اس لیے کہ میں..... عدنیہ سے شادی کروں گا۔"

"کیا..... کیا..... پاگل ہوگئے ہو..... دماغ چل گیا..... جلال! یہ کیا کہہ رہا ہے؟" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"کیا.....!" تینوں لڑکیاں جیسے کھڑی ہوگئیں۔ "تیمور! آپ..... کو اس بے تہذیب لڑکی میں کیا نظر آیا؟ ڈھنگ سے بات کرنے کا طریقہ بھی نہیں اسے۔"

"یہ..... دلہن ہے ہماری!" کرن نے دانت پیسے۔

"ممّا.....!" سونا منہ بسور کر ماں کی جانب لپکی۔

"جلال! یہ سب کیا ہے.....؟" کمال ملک بھی غصے سے بولے۔

"سوری بھائی! عمر زندگی تیمور کو گزارنی ہے۔" جلال نے دامن بچایا۔



"ایسا کیا نظر آیا آخر اس میں.....؟" کرن کا لہجہ بدتمیزی لیے ہوئے تھے۔ تیمور زیرلب مسکرایا۔ عدنیہ دور کھڑی تھرتھر کانپ رہی تھی' سب کی خونخوار نظریں اور کاٹنے والے جملے اس کے دل میں اتر رہے تھے۔

"کرن پلیز!" تیمور بولا۔ "بے شک عدنیہ تم لوگوں کی طرح نہیں ہے' اسے پارٹی سوسائٹی میں موو کرنا نہیں آتا' وہ تم لوگوں کی طرح فیشن ایبل اور ماڈرن نہیں ہے لیکن اس میں وہ سب کچھ ہے جو تم لوگوں میں نہیں ہے۔ مجھے ایک بیوی کی ضرورت ہے اور پاپا کو ایک بیٹی کی۔ گھر میں کچھ نہیں لیکن وہ سب کچھ ہے جس کی ضرورت ایک مکمل گھر کے لیے ہوتی ہے جو کامیابی اور سلیقے سے گرہستی کرسکے۔ مجھے بیوٹی کوئین کی نہیں بیوی کی ضرورت ہے۔ شوپیس تو امریکا میں بھی بہت ہیں۔ مجھے خالص مشرقی لڑکی چاہیے تھی جو عدنیہ ہے اور پھر وہ کوئی غیر بھی نہیں' دادو کی عزیز پوتی ہے اور خاندان بھی دادو جانتی ہیں اس لیے آپ لوگوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ میں معذرت چاہتا ہوں' آپ لوگوں نے ہمیں یہاں رکھا اور ہماری خاطر تواضع کی..... ہم نے یہاں پر ایک فلیٹ خرید لیا ہے آج صبح سے ہم وہیں مصروف تھے اس لیے کہ نکاح کے ساتھ ہی میں عدنیہ کو رخصت کروانا چاہتا ہوں اور دادو بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔" وہ بم پہ بم برسا رہا تھا۔ سب لوگ منہ کھولے ہونق تھے۔ کرن' نیلم اور سونا کا دل چاہ رہا تھا آگے بڑھ کر عدنیہ کا منہ نوچ لیں۔ مگر وہ تو فیصلہ کرچکا تھا۔ "دادو! آپ اجازت دیں تو میں عدنیہ کو لے کر جاؤں؟" جاتے جاتے ہم شاپنگ بھی کریں گے اور عدنیہ کو مہندی بھی لگوادوں گا۔ آپ لوگ پاپا کے ساتھ میرے فلیٹ پر آجائیں' سارے انتظامات وہاں پر ہوں گے۔ امید ہے آپ لوگ آئیں گے۔" عدنیہ کا ہاتھ تھام کر وہ متانت سے سب سے مخاطب تھا۔ عدنیہ نگاہیں جھکائے دل میں لرزتی جارہی تھی۔

وہ عدنیہ کا ہاتھ تھام کر باہر کی سمت نکلا۔ پیچھے کیا ہورہا ہے اسے کوئی سروکار نہ تھا' وہ تو اپنی زندگی کا اہم فیصلہ کرچکا تھا۔ واقعی دادو کی دعائیں رنگ لائیں' گاڑی کی سیٹ پر بیٹھ کر عدنیہ نے سوچا۔ اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ زندگی یوں بدل جائے گی یہ تو خواب میں بھی نہ سوچا تھا اس نے۔

"اے محترمہ!" برابر بیٹھے تیمور نے کاندھا ہلایا تو وہ چونکی۔ بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں پانیوں سے بھری تھیں۔ "نہ..... نہ..... میری جان! ان خوب صورت آنکھوں کو اور قاتل مت بناؤ۔ ویسے تحفہ کیسا لگا عید کا.....؟" قریب آکر سرگوشی کی۔

"بہت خوب صورت.....!" ساری پریشانیاں' خدشے' بے کار سوچیں یک لخت ختم ہوگئی تھیں۔ زندگی کی اتنی حسین اور بھرپور چاند رات کا تصور ہی خوب صورت تھا۔ پہلو میں بیٹھا بے حد حسین اور محبت کرنے والا شخص' چاند رات کی گہما گہمی' تیمور کی خوب صورت اور پیار بھری سرگوشیاں اور آنے والے حسین دنوں کے تصور سے سرشار وہ آنکھیں موندے تیمور کے کاندھے سے لگ کر بے حد مسرور اور شاداں تھی۔ کل عید کی صبح بھی چاند رات کی طرح حسین ہونی تھی۔ وہ اس وقت خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔

وہ تپتے ہوئے اعصاب کے ساتھ اس طوفانی بارش کی پروا کیے بغیر باہر نکل آیا۔ گاڑی طوفانی انداز میں گھر سے نکالی تھی اور مرکزی گلی تک آ گیا۔ اس کی آنکھیں اور رگیں تنی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی طوفان کے دہانے پر تھا' وہ اندھادھند گاڑی چلا رہا تھا۔

**قسط نمبر 20**

# اور کچھ خواب

عشنا کوثر سردار

ہمارے لب محبت میں سلے تھے
وگرنہ تم سے تو کتنے گلے تھے
اسے کیا معلوم کہ ہم اس کی خاطر
چراغوں کی طرح شب بھر جلے تھے

نی سیو اساں نیناں دے آکھے لگے
نیناں دے آکھے لگے
نی سیو اساں نیناں دے آکھے لگے

وہ بے چین ہو کر کھڑکی کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔ تیز برستی بارش کی بوچھاڑ اسے بھگونے لگی تھی۔ پانی کی کئی بوندیں اس کے چہرے کو بھگو گئی تھیں۔

نی سیو اساں نیناں دے آکھے لگے

نصرت فتح علی خان کی پرسوز آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ وہ اپنے اندر کی اس اضطرابی کیفیت کو تھام نہیں دے پائی تھی۔ مگر اس کی روح جیسے قفس میں قید کوئی پرندہ تھی۔ ایک ہلچل سی ہر طرف تھی۔

نی سیو اساں نیناں دے آکھے لگے
نیناں دے آکھے لگے
نی سیو اساں نیناں دے آکھے لگے

ایک تکرار فضا میں تھی۔ جیسے کوئی صدا گونج رہی ہو
کوئی آرزو مچل رہی ہو

کوئی درد ہولے ہولے سر اٹھا رہا ہو اور کہیں کوئی مداوا نہ ہو۔

''تمہیں یہ گانا پسند ہے۔'' وہ بہت مگن سی میوزک سنتی ہوئی رنگوں سے کینوس پر کھیل رہی تھی جب پیچھے سے اسے آواز سنائی دی تھی۔ اس نے پلٹ دیکھا تھا یلماز کمال آگے بڑھ آیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا' تمہیں نصرت فتح علی خان اور پینٹنگ سے لگاؤ ہے۔'' وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پارسا چوہدری اس پر کوئی خاص توجہ دیے بنا اپنے کام میں مگن رہی۔ ''تم مائیکل بروکس کی کمپوزیشن کو پینٹ کر رہی ہو؟'' وہ بغور اس کی انگلیوں کو کینوس پر چلتے ہوئے بولا۔

''میں کوشش کر رہی ہوں۔'' وہ مگن سی بولی۔

''اور اس کا مطلب کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''تم پنجابی نہیں جانتے؟'' وہ چونکی۔

''نہیں جانتا! میرا بچپن نیویارک میں گزرا ہے' میں اس زبان کی خوب صورتی سے واقف ہوں مگر مٹھاس کو محسوس کرنے کے باوجود اس کے اسلوب کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' وہ بولا تھا۔ پارسا چوہدری نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ایک لڑکی اپنی سہیلیوں سے مخاطب ہے کہ اے سہیلیوں! میں نے صرف اپنی نظروں کی بات مانی اور دکھ کا شکار ہوگئی۔''

''ہاہ! بہت گہرائی ہے' مجھے یہ گانا بہت متاثر کرتا تھا مگر میں اس کے بھید سمجھ نہیں پاتا تھا' اس کی اداسی اور اس کے مفہوم کو بھی سمجھا نہیں۔'' اس نے پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے اسے آج وہ پہلی بار بے ضرر سا لگا تھا۔ ''تمہاری یہ پینٹنگ متاثر کن ہے مگر اس لڑکی کی آنکھوں کی اداسی اچھی نہیں لگ رہی۔ کیا اس کی جگہ تم اس کے لبوں پر مسکراہٹ سجا سکتی ہو؟'' وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''اس پینٹنگ کا مقصد ختم ہو جائے گا اگر میں مسکراہٹ اس کے لبوں پر سجا دوں۔''

''ہاں مگر اس کی اداسی مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی۔'' وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

''تمہاری خاطر میں اس پینٹنگ کا مقصد تو ختم نہیں کر سکتی۔'' یلماز کمال نے شانے اچکائے اور پھر بغور اسے دیکھتا ہوا بولا۔

''تم کبھی اداس ہوئی ہو؟''

''کیا مطلب؟'' وہ اس کی موجودگی سے ڈسٹرب ہو رہی تھی۔

''تم نے کبھی اداسی کو محسوس کیا' اس پینٹنگ والی لڑکی کی طرح...... کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو آئے یا تم روئیں؟''

''تم پاگل ہوگئے ہو؟'' وہ اسے ایسے دیکھنے لگی تھی جیسے اس کی ذہنی کیفیت پر شبہ ہو۔ ''میں کسی اور سیارے سے نہیں آئی نا کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں۔ آخر کار میں بھی اسی دنیا کی ہوں۔'' وہ بولی تھی تو یلماز کمال اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

''مجھے لگا تم کسی اور دنیا کا حصہ ہو گلابو!''



''مجھے گلابو مت کہا کرو۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''کیوں...... تمہیں پسند نہیں؟'' یلماز کمال نے پوچھا۔

''مجھے تم بھی پسند نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ یلماز کمال نے اسے دیکھا تھا جیسے اسے حیرت نہیں تھی مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ اس نے پارسا چوہدری کو دونوں کاندھوں سے تھاما تھا۔ شاید وہ غصے میں آ گیا تھا۔ کسی سے اپنے متعلق سننا کہ آپ اس کے پسندیدہ نہیں' غالباً انتہائی بدمزا کر سکتا تھا۔ گلابو کو اس سے خوف محسوس نہیں ہوا تھا مگر وہ اس کے اس اقدام پر ساکت رہ گئی تھی۔ یلماز کمال نے پلیٹ میں سے رنگ لیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی چھوٹی سی ناک پر لگا دیا پھر مسکرا دیا تھا۔ گلابو نے اپنی آنکھوں کے زاویے بدل کر اپنی ناک پر لگے اس رنگ کو دیکھا اور اسے یلماز کمال کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر برش اور پلیٹ ایک طرف رکھ کر بھاگی تھی اور وہ اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا تبھی فوراً دوڑ لگائی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جو آیا تھا' کھینچ مارا تھا وہ شرارتاً جھک گیا تھا اور وہ اس کے پیچھے آئی تھی۔

وہ سیڑھیوں کے اختتام پر کھڑا اسے چڑا رہا تھا۔

''تم چڑیل لگ رہی ہو گلابو! اب کسی کی نظر نہیں لگے گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ تبھی پاؤں مڑا اور وہ پھسلتی ہوئی نیچے آ پڑی تھی۔ یلماز کمال کو شاید اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ایسا ہوگا' تبھی اس نے فوراً اسے تھاما تھا اور دیکھا تو اس کے سر سے خون رس رہا تھا۔ وہ جو تھوڑی دیر پہلے مسکرا کر اس کا مذاق اڑا رہا تھا یک دم پریشان سا اسے دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کو پارسا کا سر چکرا گیا' جب اس نے پیشانی پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو اس پر خون دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی۔

''تمہیں لگ جائے گی' مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔'' یلماز کمال نے اس کے زخم کی نوعیت کو دیکھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا مگر پارسا نے یک دم اس کا ہاتھ جھٹکا اور وہاں سے اٹھتی ہوئی اپنی اماں کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

یلماز کمال کو پچھتاوے نے گھیر لیا تھا۔

❁......☆......❁
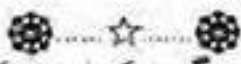
انا یا ملک نے بہت پریشانی کے ساتھ گھڑی کی طرف دیکھا اور اکتائے ہوئے انداز میں اس ٹریفک کی لمبی قطار کو دیکھا تھا' جس میں اس کی گاڑی پھنسی ہوئی تھی۔

''تم پریشان مت ہو' تم ضرور وقت پر پہنچ جاؤ گی۔'' عدن بیگ نے اسے جیسے تسلی دینا چاہی تھی مگر انا یا ملک کچھ نہیں بولی تھی۔ پرس سے سیل فون نکال کر دیکھا تھا جس کی بیٹری ڈیڈ تھی۔ بارش اب بھی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی اور ہر گزرتا لمحہ اسے اکتاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

''مجھے فون کرنا ہے' کب بند ہوگی یہ بارش......؟ یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ پریشان لگ رہی تھی۔

''گاڑی میں پنکھ ہوتے تو اڑا کر کب کا یہاں سے نکل چکا ہوتا مگر افسوس کہ میری گاڑی اڑن کھٹولا نہیں۔ نا یہ کوئی فکشن ورلڈ ہے۔'' عدن نے کہا۔

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی' سیل فون کو ہاتھ پر ایک ضرب سے بجایا تھا اور دوبارہ آن کرنے کی کوشش کی تھی مگر یہ کوشش کارگر نہیں ہوئی۔ عین اسی لمحے کسی نے کھڑکی کے شیشے کو بجایا تو انا ئیا ملک نے چونک کر دیکھا تھا اور شیشے کے اس پار کھڑے شخص کو دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ اس نے گاڑی کے دروازے کا لاک کھولا اور دروازہ کھلتے ہی معارج تغلق نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا تھا۔ اس کی نگاہیں جلتی ہوئی تھیں اور بس ایسا تھا جیسے وہ اسے صرف چھو کر خاکستر کر دینا چاہتا ہو۔ انا ئیا ملک کے لیے اس کی نگاہوں میں دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا زم موڈ تو بارہا دیکھا تھا مگر ایسا درشت انداز اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت ایسی تھی کہ جیسے انگلیاں دہکتی محسوس ہوئی تھیں۔ تیز برستی بارش میں وہ اس کی سمت سلگتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے قبل کہ عدن کچھ کہتا یا وہ کوئی وضاحت دیتی یا کچھ کہتی' معارج تغلق نے زور سے دروازے کو بند کیا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس تیز بارش میں اس کو وہ دو قدم کے فاصلے پر چلنے کے باوجود دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ آتش فشاں سا شخص اب کیا ٹھان کر آیا تھا؟ کیا مرضی تھی اس کی......؟

اسے لے کر وہ ایک بڑی بلڈنگ کے اندر داخل ہوا تھا۔ یہ قدآوری بلندی کو چھوتی ہوئی عمارت کس مقصد کے لیے استعمال ہوتی تھی وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ اتنا جانتی تھی کہ معارج تغلق کا موڈ بہت خراب ہے۔ اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے اور مضبوط گرفت سے تھامے وہ یوں چل رہا تھا جیسے اسے احتمال ہو کہ وہ ہاتھ چھوڑے گا اور وہ بھاگ جائے گی۔ معارج تغلق نے لفٹ کے سامنے رک کر ایک لمحے کو لفٹ کے آنے کا انتظار کیا۔ دوسرے ہی پل لفٹ رکی تھی۔ دروازہ کھلا تھا۔ لفٹ خالی ہوئی تو وہ اسے لے کر اندر داخل ہوگیا۔ اپنے مطلوبہ فلور کا نمبر دبا دیا اور وہ اس کا ہاتھ تھامے اسی مضبوطی سے کھڑا تھا۔

کیا ارادے تھے اس کے اور کہاں لے جا رہا تھا وہ اسے؟

اور اسے معارج تغلق نے کھوج کیسے لیا تھا؟

ایک ایک بات اسے حیرت میں مبتلا کر رہی تھی

وہ شخص جو اس کی ذات پر مکمل اختیار رکھتا تھا اور اس کے پاس ہر تالے کی چابی تھی۔ کچھ بھی ممکن نہیں تھا اس کے لیے۔ ہر شے جیسے اس کی دسترس میں تھی اور ہر شے تک رسائی رکھتا تھا وہ۔ کتنا انتہائی انداز تھا اس کا۔ ایک دم قطعی!

عمارت کی آخری منزل پر لفٹ رکی اور وہ اسے لے کر باہر آ گیا۔ عمارت کی چھت پر دور سے ہی ایک ہیلی کاپٹر دکھائی دیا تھا جو غالباً انہی کے لیے وہاں موجود تھا اور منتظر تھا۔ معارج تغلق برستی بارش میں اسے لے کر لمبے لمبے ڈگ بھر رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ جیسے گھسٹتی جا رہی تھی۔

کیا اس شخص کو اس کی تکلیف کا کچھ اندازہ نہ تھا۔

اس کی کلائی پر اس کی گرفت بے حد سخت تھی۔



انا ئیا ملک کو لگ رہا تھا اس کی کلائی کی ہڈی چٹخ کر ٹوٹ جائے گی۔ اس سے پہلے شاید اس نے کسی ہیلی کاپٹر کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ اس پر سواری تو دور کی بات تھی۔ جیسا معارج تغلق نے اقدام کیا تھا ایسا صرف ہنگامی حالات میں ہو سکتا تھا۔ جب صورت حال ناگزیر ہو اور جب کوئی اور راہ نہ نکلتی ہو تو اس تک رسائی اور اپنے گھر میں واپس لے جانے کی کوشش اس کی آخری راہ تھی؟

معارج تغلق ہیلی کاپٹر کے پاس رکا اور انا ئیا ملک کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بنا احتجاج کیے بیٹھ گئی تو معارج تغلق اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پائلٹ جیسے اس بات کا منتظر تھا' ہیلی کاپٹر نے فوراً اڑان بھری اور اپنی منزل کی سمت روانہ ہوگیا۔

❁ ☆ ❁

''میرا دل بیٹھا جا رہا ہے کیا ہوگا' معارج بھی ابھی تک نہیں پلٹا اور انا ئیا کا بھی کچھ پتا نہیں۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ ہو کیا رہا ہے؟'' سدرہ تغلق پریشانی سے بولی۔

''میری تو خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ممی! شاید قصور میرا ہی ہے نا میں اسے پارلر لے کر جاتی' نا اسے تنہا نکلنے دیتی نا صورت حال پیش آتی۔'' ایشاع اپنے آپ کو الزام دے رہی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا تشویش اتنی ہی بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا ہوا' آپ لوگ اس طرح پریشان کیوں کھڑے ہیں؟'' مسٹر تغلق اندر آئے تو بیوی اور بیٹی کو پریشان حال کھڑا دیکھ کر پوچھا۔ ''اور اس تقریب کا کیا ہوا؟ وقت گزر رہا ہے' مہمان وہاں جمع ہیں۔ انا ئیا اور معارج کہاں ہیں؟''

''وہ گھر میں نہیں ہیں۔'' سدرہ نے شوہر کو مطلع کیا۔

''وہ گھر میں نہیں' کیا مطلب؟'' مسٹر تغلق چونکے۔

''ہاں! معارج' انا ئیا کو لینے گیا ہے۔''

''لینے گیا ہے......! کہاں سے لینے گیا ہے......انا ئیا کہاں ہے؟ وہ تو تمہارے ساتھ پارلر گئی تھی نا ایشاع؟''

''جی ڈیڈی! گئی تو وہ میرے ہی ساتھ تھیں مگر وہاں سے انہیں کہیں جانا پڑ گیا اور وہ مجھے بتا کر اتنی تیزی سے وہاں سے نکلیں کہ میں پوچھ ہی نہیں سکی کہ وہ کہاں جا رہی ہیں' انہیں کوئی ضروری کال آ گئی تھی۔ اب یہ کال کس کی تھی اور وہ کہاں جا رہی تھیں' یہ میں نہیں جانتی۔ معارج بھائی کو پتا چلا تو وہ اس کو ڈھونڈنے گئے ہیں۔''

''اوہ!'' تیمور تغلق نے ہونٹ سکوڑے۔ ''مگر شہر تو بدترین ٹریفک جام کا شکار ہے۔ اس طوفانی بارش کے باعث صورت حال نارمل نہیں رہی پھر معارج کہاں ڈھونڈے گا اسے...... جب کہ اسے معلوم ہی نہیں وہ کہاں ہے؟'' تیمور تغلق کو بھی پریشانی لاحق ہوئی۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' گھر مہمانوں سے بھرا ہے۔ سب مہندی کی تقریب کے آغاز کے منتظر ہیں مگر دلہن غائب ہے اور اب تو دلہا بھی موجود نہیں گھر پر...... کسی کو بھنک پڑ گئی تو کیسی جگ

رسوائی ہوگی۔ ساری عزت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اتنے چینلز اور اخبارات کے رپورٹرز جمع ہیں' کسی نے ایسی ویسی خبر لگادی یا نشر کردی تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی؟ انایا کو سمجھنا چاہیے تھا وہ اس گھر کا حصہ ہے اور اس گھر کی عزت بھی۔'' سدرہ تغلق کی پریشانی عروج پر تھی۔

''تم فکر مت کرو' ایسا کچھ نہیں ہوگا' میں دیکھتا ہوں۔'' تیمور تغلق تسلی دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔

❁......☆......❁
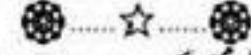
ہیلی کا پٹر مطلوبہ فاصلہ عبور کرتا ہوا تغلق محل کی چھت پر بنائے گئے ہیلی پیڈ پر اترا تھا۔ معارج تغلق اسے لے کر اترا اور گھسیٹتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگا۔

وہ یقیناً یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ بھاگ رہی تھی اس شادی سے اور اس پر وہ عدن بیگ کے ساتھ گاڑی میں موجود تھی۔ اپنی مہندی کی تقریب والے دن جب اسے گھر میں موجود ہونا چاہیے تھا تب وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ تھی اور ارادہ فرار کا ہی تھا۔ وہ فوری طور پر اس کی کوئی غلط فہمی دور نہیں کر پائی تھی۔ وہ پوچھ نہیں رہا تھا' جواز نہیں مانگ رہا تھا۔ کوئی وضاحت بھی نہیں چاہی تھی۔ سو وہ اس سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ وہ مجرم نہیں تھی' نا قیدی تھی۔ مگر جس طرح وہ اسے کھینچتا ہوا لے جا رہا تھا انتہائی بُرا سلوک تھا وہ...... اس کی گرفت اس کی کلائی پر اسی طور مضبوط تھی اور اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ کتنی کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر کلائی میں دھنسی تھیں' مگر اس بات کی پروا اسے کب تھی' وہ شخص تو بس اپنی ہی دھن میں اپنے انداز میں ایک آتش فشاں لیے اسے کھینچتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ انایا ملک کو اسے مخاطب کرنا اور کوئی وضاحت دینا مناسب نہیں لگا تھا۔ وہ اس کے سامنے گڑگڑانا نہیں چاہتی تھی' کوئی رحم کی امید وہ نہیں رکھتی تھی نا رحم چاہتی تھی۔ معارج تغلق نے اسے لاکر اپنے کمرے کے بیڈ پر پھینکا تھا۔ وہ اس کی طرف ششدری دیکھنے لگی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' انایا ملک نے احتجاج کیا۔ وہ اپنے ساتھ اس ناروا سلوک کو برداشت نہیں کرسکی تھی۔ یہ غیر انسانی عمل تھا۔ وہ شخص اپنی حدود سے نکل رہا تھا۔ بھول رہا تھا کہ وہ ایک انسان ہے اور ایک انسان کو دوسرے انسان سے اس بے جا سختی سے پیش آنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھا تو انایا ملک کو اس کے ارادے اچھے نہیں لگے تھے۔

''میں تم سے کسی قسم کی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا' نا میرا ارادہ تمہارے پاس آنے کا یا تمہیں زک پہنچانے کا تھا مگر جو بھی ہوگا' اس کی ذمے دار تم خود ہوگی انایا ملک۔ میں کسی رشتے کو لے کر تم پر کوئی حق جتانا نہیں چاہتا تھا نہ کوئی زبردستی روا رکھنا چاہتا تھا مگر تم نے اس سب کا موقع دیا اور مجھے مجبور کیا کہ تم سے اس سلوک کو روا رکھوں جس کی تم اصل حق دار ہو۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ اپنے تمام حواسوں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتی ہوئی تیز لہجے میں بولی۔

''چیخو مت انایا ملک! تم دنیا کی واحد ہو جو اپنی ہی شادی کی ایک تقریب سے فرار ہوئی ہے' وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جو انتہائی درجے کا نااہل ہے۔''

''کیا!'' وہ حیرت سے چیخی تھی مگر معارج تغلق نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

وہ پھٹی ہوئی حیرت زدہ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا وہ عدن بیگ کے ساتھ فرار ہو رہی تھی...... اوہ خدا......!

اس نے معارج تغلق کی جلتی ہوئی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ جس نے سرعت سے پلٹ کر دروازہ لاک کیا اور اس کی طرف دیکھا۔

''کیا سوچ رہے ہو تم......؟ کیا بکواس ہے یہ؟'' انائیا نے چیخنا چاہا تھا مگر معارج تغلق نے پھر اس کا منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مجھے صرف ایک حق کو تم پر ثابت کرنے کی چھوٹی سی کوشش کرنی ہے۔ تم اس خاندان سے منسوب ہو اور یہ صرف چند دنوں کے لیے نہیں ہے۔ میں تم سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا' مگر تم معارج تغلق کی بیوی ہو اور اس تغلق خاندان کی بہو۔ اس احساس کو سمجھنا تمہارے لیے بہت ضروری ہے تاکہ تم خود کو بھی دوبارہ نہ جتا سکو کہ یہاں سے فرار ضروری ہے۔''

انائیا ملک اس کے لفظوں سے حواس باختہ رہ گئی تھی۔ یعنی اس کے ''پر کاٹنے'' کی سعی تھی؟

اتنے دن نکاح میں رہنے کے باوجود اس نے حدود کو قائم رکھا تھا اور کبھی اس تک رسائی نہیں کی تھی مگر آج اس کی آنکھوں کی تپش سے انائیا ملک کو اپنا پورا وجود جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

یہ صرف سزا تھی یا اسے ''سبق'' سکھانے کی کوشش......؟

وہ اس شخص سے دور ہونا چاہتی تھی' مگر وہ اس طوفان کے سامنے جیسے ایک تنکا تھی۔ وہ تنکا جو طوفان کے سامنے تن کر کھڑے رہنے کے ارادے اور سعی کرنے کے باوجود بہہ جاتا ہے۔

❁......☆......❁

''اوہ خدا شکر ہے یہ بارش تو رکی۔ اب کوئی ٹریفک کانسٹیبل آ جائے تو اس رکی ہوئی ٹریفک کو بھی کوئی راہ ملے۔'' زائرہ ملک اکتائے ہوئے انداز میں بولی تھیں۔

''چلو کوئی بات نہیں' ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس شہر کا معمول ہے۔ بارش ہو اور ٹریفک جام نہ ہو ایسا ہو نہیں سکتا۔'' نانا نے کہا۔

''ابا دیکھ رہے ہیں آپ! پچھلے دو گھنٹے سے ہم اسی جگہ پر کھڑے ہیں اور کہیں دور تک کوئی ٹریفک پولیس کا اہل کار دکھائی نہیں دے رہا۔ بارش کے شروع ہونے کے ساتھ سے ہی وہ بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ تو حال ہے اس شہر کا۔''

''کیا ہو سکتا ہے کئی شہری اسی مصیبت میں گھرے ہیں۔ سب اپنے گھروں کو جانے کے منتظر ہیں۔ اندھیرا گہرا ہو گیا ہے' موسم خراب ہے' سب کو جلدی ہے مگر کیا کیا جا سکتا ہے۔'' نانا نے شانے اچکائے۔

''میں فون کر کے پتا کرتی ہوں کہیں تقریب شروع ہو کر ختم بھی نہ ہو گئی ہو اور ہم یہاں پہنچنے کی سعی ہی کرتے رہ جائیں۔'' زائرہ ملک نے مسز تغلق کا نمبر ملایا۔



''جی مسز تغلق تقریب شروع تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں زائرہ! ہم آپ کے بغیر تقریب کا آغاز کیسے کر سکتے ہیں جب تک انائیا کے میکے سے کوئی نہ آ جائے' ہم اسے مہندی نہیں لگا سکتے۔'' سدرہ تغلق نے دوسری طرف سہولت سے بہانہ بنایا تھا۔

''اوہ! شکر خدا کا!'' زائرہ ملک نے سکون کی ایک سانس لی تھی۔

''آپ لوگ کہاں ہیں؟ ابھی تک پہنچے کیوں نہیں؟'' سدرہ تغلق نے تہذیب سے پوچھا۔

''ہم ابھی تک ٹریفک جام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سڑکوں پر پانی یوں جمع ہے جیسے سمندر کا بہاؤ اسی طرف آ گیا ہے۔''

''اوہ! یہ تو ٹھیک نہیں۔ امید کرتی ہوں کہ آپ جلد اس صورت حال سے نکل کر یہاں تقریب میں پہنچتی ہیں۔'' مسز تغلق نے کہا۔

''میں بھی یہی امید کر رہی ہوں۔'' زائرہ ملک نے کہا تھا پھر پوچھا۔ ''یہ انائیا کہاں ہے؟ میں نے کئی بار اس کے سیل فون پر ٹرائی کیا مگر بات نہیں ہو سکی۔ اس کا سیل بند مل رہا ہے۔'' زائرہ ملک نے کہا تو سدرہ تغلق کے لیے بات کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

''وہ پارلر گئی تھی نا! اس لیے سوئچ آف کر دیا ہوگا۔''

''اوہ! اچھا مگر اب کہاں ہے وہ؟'' زائرہ ملک نے پوچھا۔

''وہ اسٹیج کے ساتھ ہے' مہمانوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ بس آپ کا انتظار ہے۔ آپ آ جائیں تو تقریب کا آغاز کرتے ہیں۔'' وہ سہولت سے کہہ رہی تھیں۔

''تو ٹھیک ہے پھر...... ہم پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' زائرہ ملک نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

''یہ انا بیچا لوگ بھی پہنچے کہ نہیں' کچھ معلوم نہیں چل رہا۔ اس بارش نے تو شہر کا حشر نشر کر دیا۔ بارش تو باہر کے ملکوں میں بھی ہوتی ہے اور اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے مگر وہاں کبھی ایسی صورت حال پیش نہیں آتی۔ ہمارے ملک کی انتظامیہ کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔'' زائرہ ملک نے ایک بار پھر اکتاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

❁......☆......❁

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں...... انائیا کی مہندی میں نہیں جانا کیا؟'' ممی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔ انابیچا بیگ جو سکون سے بیٹھی پروجیکٹ پر کام کر رہی تھی مسکرا کر ماں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''بارش کا حال دیکھ رہی ہیں آپ؟ اس طوفانی بارش میں کسی تقریب میں شرکت کرنے کا تصور کر سکتی ہیں آپ؟'' انابیچا نے کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی ہو' انائیا کی شادی کی تقریب ہے' جانا تو ہے ہی...... چلو شاباش! اٹھو۔'' مسز بیگ نے اسے اٹھایا۔

''ممی! بارش بند ہوئی ہے مگر سڑکوں کا حال جانتی ہیں آپ؟ پورا علاقہ سمندر کا سا منظر پیش کر رہا

ہے۔ ایسے میں تعلق محل تک رسائی تو اگلے برس ہی ہوگی۔'' اناہیتا بیگ نے کہا۔
''تم بھی نا! بہانے ایک سو ایک ہیں تمہارے پاس۔'' امی نے ڈپٹا تھا۔ ''میں تیار ہونے جارہی ہوں' تم بھی اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔ شاباش!'' ممی نے اسے پیار سے پچکارا۔
''اتنے خراب موسم میں ہم اکیلے جائیں گے؟'' اناہیتا بولی۔
''ہم اکیلے ہیں...... تم اور میں؟'' ممی نے پلٹ کر اسے حیرت سے دیکھا۔
''مانتی ہوں دو اکیلے نہیں ہوتے ممی! مگر اگر گاڑی خراب ہوگئی تو......؟''
''نہیں ہوگی۔ اتنا پانی نہیں کہ گاڑی ڈوب جائے۔''
''آپ نے عدن بھائی کو فون کیا؟''
''ہاں! تھوڑی دیر پہلے کیا تھا وہ ٹریفک جام میں پھنسا ہوا ہے۔''
''اوہ! یہ تو ٹھیک نہیں۔ ایسی صورت حال میں ہم کیسے وہاں پہنچیں گے؟ رکیں میں انا نیا کو فون کرتی ہوں۔ اس کے شوہر بڑے رئیس ہیں' ایک عدد جیپ کا پتر تو ضرور ہوگا ان کے پاس۔ کہتی ہوں آ کر ہمیں لے جائیں۔'' وہ مسکرائی۔
''میں تمہارے ڈیڈ کو چائے دینے کے بعد تیار ہونے جارہی ہوں' اب مزید بہانے بنانے کی بجائے تم بھی اٹھ کر تیار ہو جاؤ اور سنو! کوئی ڈھنگ کا لباس پہننا۔ یہ پارسا کہاں ہے؟''
''وہ تو ڈیڈی کے اسٹڈی روم میں ہے۔ اپنے پروجیکٹ پر کام کررہی ہے۔'' اناہیتا بیگ نے بتایا۔
''چلو ٹھیک ہے' تم اٹھ جاؤ۔ اب یہ لیپ ٹاپ بند کرو اور باقی کام بعد میں کر لینا۔'' ممی کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں۔ اب اناہیتا کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا' اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور اٹھنے ہی والی تھی جب سیل فون بجا۔ ایک جانا پہچانا نمبر دیکھ کر وہ فون اٹھائے بنا نہیں رہ سکی۔
''ہیلو!'' دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔
''بولو!'' وہ گویا ہوا کے گھوڑے پر سوار بولی تھی۔ سرد مہری کی حد تھی۔ دوسری طرف موجود امیان سوری نے کسی حیرت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔
''مجھے لگا آج کی دھواں دھار طوفانی بارش کے ساتھ تمہارا مزاج بھی شاید بہہ گیا ہوگا مگر تمہاری سرد مہری جوں کی توں ہے۔'' وہ لگی لپٹی رکھے بغیر بولا۔
''کیا مطلب؟'' وہ چونکی تھی۔ ''کہنا کیا چاہتے ہو تم؟''
''یہی کہ تم کس پر گئی ہو؟ ممی اتنی مٹھاس بھری باتیں کرتی ہیں۔ ڈیڈی اور عدن بھائی بھی خوش اخلاق ہیں مگر تم کس پر گئی ہو؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔
''اُف!'' اسے اکتاہٹ ہوئی۔ ''تم نے یہی کہنے کے لیے فون کیا تھا؟'' اناہیتا بیگ نے پوچھا۔
''نہیں کہنا تو مجھے کچھ اور بھی تھا۔ تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟ تمہارے ان منگیتر صاحب کا فون آتا ہے کیا؟'' دامیان سوری نے پوچھا تھا۔

’’تمہیں جلن ہوتی ہے؟‘‘ وہ تنک کر بولی۔

’’جلن! اور مجھے؟ یہ تو تمہارا مشغلہ ہے نا! میں ایسی ٹینشن نہیں پالتا اور پھر میرے پاس لگتا ہے میں خالی ہاتھ نہیں ہوں جو مجھے تمہارے اس مسٹر منگیتر سے کوئی حسد ہو اور وہ بھی تمہارے لیے...... ؟ ہرگز نہیں‘‘ وہ بہت بے پروائی سے کہہ رہا تھا۔

’’تم میں ایسی کوئی بات نہیں جو مجھے متاثر کر سکے۔ سوکھے سیب جیسے گال‘ بٹن جیسی آنکھیں‘ چھوٹی چڑی سی ناک‘ جو ہمیشہ غصے سے لال رہتی ہے۔ تناسب ہونے کے بعد ایک سڑا ہوا مزاج۔ کوئی تمہاری طرف اس سب کے بعد بھی اگر متاثر ہوگا تو کوئی پاگل ہی ہوگا اور میں عقل رکھتا ہوں۔ میرا دل میرے ساتھ ہے اتنا عقل سے پیدل بھی نہیں ہوں۔ یوں بھی میں دماغ کی مان کر چلتا ہوں۔‘‘ وہ اپنی خصوصیات بیان کر رہا تھا۔

’’اوہ‘ زبردست!‘‘ اس کے اتنا کہنے کے باوجود اسے غصہ نہیں آیا تھا یا وہ صرف نارمل رہ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔

’’تو کب ملوا رہی ہو مسٹر منگیتر سے......؟ ویسے اس کو تم میں کیا بات اچھی لگی جب کہ تم میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ کوئی پاگل ہے کیا؟‘‘

’’ہاں پاگل ہی ہے بھی تو میرے گن گاتا ہے۔ تم اپنی توانائی ضائع مت کرو۔ ایک بات سنو اس وقت کہاں ہو تم؟‘‘

’’کیوں مسٹر منگیتر بھاگ گئے ہیں...... کہیں تم نے انہیں پکڑ کر واپس لانے کی ڈیوٹی تو میرے سر نہیں لگا رہیں؟‘‘ دامیان بولا۔

’’نہیں‘ فی الحال اس کی نوبت نہیں آئی‘ میں جانتی ہوں تم سے زیادہ میرا کوئی خیر خواہ نہیں ہو اگر کوئی نوبت آئی تو مدد کے لیے پہلی آواز تمہیں ہی دوں گی۔‘‘ وہ پورے سکون سے کہہ رہی تھی۔

’’کیا بات ہے‘ آج غصہ نہیں آ رہا؟‘‘ جس طرح وہ پُرسکون رہنے کا مظاہرہ کر رہی تھی اس پر دامیان کو حیرت ہو رہی تھی۔

’’میں نے اپنی کزن کی مہندی کی تقریب میں جانا ہے۔ میں نے تو انہیں کہا ہے کہ سڑکیں پانی سے بھری ہیں‘ ٹریفک جام ہے مگر کوئی نہیں سن رہیں۔ اگر فارغ ہو تو آ جاؤ۔ ڈرائیونگ تو میں کر سکتی ہوں اگر گاڑی خراب ہوگئی تو...... اور یوں بھی اس صورت حال میں اس طرح تنہا جانا بُرا لگتا ہے۔ رات گہری ہو چکی ہے اور موسم بھی ٹھیک نہیں۔‘‘ وہ جیسا کوئی تمہید باندھے بولی تھی۔

’’اوہ! تو اس کے لیے تمہارے مسٹر منگیتر کس دن کام آئیں گے؟ انہیں فون کرو۔‘‘ وہ فوراً بولا۔

’’اوہ! ٹھیک ہے شکریہ تمہارا۔‘‘ صاف لگتا تھا وہ بُرا مان گئی تھی۔ دامیان سوری کو جیسے ترس آ گیا۔

’’اچھا بتاؤ کتنی دیر میں آؤں؟‘‘

’’رہنے دو۔‘‘ وہ خفگی سے بولی۔

’’رہنے دو۔‘‘ دامیان نے اس کے انداز میں اس کی نقل اتاری تھی‘ پھر بولا۔ ’’کتنی دیر میں تیار ہو جاؤ گی تم؟ میں ایک دوست کی طرف ہوں‘ قریب ہی ہوں تمہارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہوں سو تیاری میں زیادہ دیر مت لگانا‘ یوں بھی تمہیں زیادہ فرق پڑنے والا تو ہے نہیں جتنا بھی کر لو صورت تو وہی رہے گی نا۔‘‘

’’دامیان......!‘‘ وہ سرد لہجے میں ڈپٹتی ہوئی بولی تو وہ ہنس دیا۔

’’تمہاری سمجھ نہیں آتی انارکلی! لڑکی کم اور الجبرا زیادہ لگتی ہو۔ ہم میں وہ پہلی سی دوستی نہیں رہی نا‘ مگر ایک مروت کا رشتہ تو رہنے دو۔ یوں بھی اب تو تم انگیجڈ ہو‘ اگر تمہیں کوئی قلق بھی تھا کہ میں تمہیں نظر انداز کر رہا ہوں تو اس قلق نہیں رہنا چاہیے۔ تم لگی سے بہتر نہیں ہو مگر اتنی بُری بھی نہیں ہو کبھی تو کسی کے ساتھ ہو...... ہے نا!‘‘ وہ دوسری طرف چھیڑ رہا تھا۔ اناچا بیگ اس کے لبوں کی مسکراہٹ دیکھ نہیں سکتی تھی کہ جھنجھلا کر اس نے فون بند کر دیا۔

❀......☆......❀

اناثیا ملک کی سسکیاں کمرے میں کتنی دیر تک ابھرتی رہی تھیں۔

’’وہ جو ہمیشہ سے اسے حاصل کرنا چاہتا تھا اور صرف اسی کوشش میں اس کے قریب آیا تھا کہ وہ اسے پانا چاہتا تھا۔ وہ ان ڈی سنٹ پروپوزل جو اسے دیا تھا‘ وہ بھی اسی پانے کی لگن کی ایک کوشش تھی اور پھر جس طرح شادی کی وہ بھی اس کا ایک حصہ تھی مگر یوں زبردستی وہ اسے ایک دن حاصل کرے گا۔‘‘ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

کیا یہ واقعی اسے صرف ایک ’’سزا‘‘ یا ’’سبق‘‘ دینے کی کوشش تھی؟

اسے صرف یہ سمجھانے کی کہ وہ اسے اتنا آسان مت سمجھے اور یہ مت بھولے کہ اس کے اختیارات کتنے ہیں اور وہ کس قدر رسائی رکھتا ہے؟

کیا جتانا چاہتا وہ؟

اس کے چہرے کی کوئی کیفیت اناثیا ملک نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا رہی تھیں۔ چہرہ بھیگ رہا تھا۔

’’تم دنیا کے انتہائی بُرے انسان ہو۔‘‘ اس نے کشن اٹھا کر اس کی سمت اچھالا تھا مگر وہ ایک طرف ہو کر اپنا بچاؤ کر گیا تھا۔ ’’میری کمزوری کو اپنی طاقت بنایا ہے۔ انتہائی گھٹیا آدمی ہو تم۔‘‘ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر حلق سے آواز ہی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ وہ سنی ان سنی کرتا رہا تھا۔ جیسے اسے اس سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اس کی نگاہ اس کی بھیگی آنکھوں پر تھی نا اس کے چہرے پر نا اس کی آواز پر۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے کان بند کر لیے ہیں۔ اسے کوئی اہمیت دینے پر آمادہ نہ تھا۔

’’ڈرامہ آدمی ہو تم۔ تمہارے قول اور فعل میں تضاد ہے۔ اچھا ہونے کا ناٹک کرتے ہو۔ طاقت سے کوئی بھی کسی لڑکی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا معرکہ مارا تم نے اگر ایسا گھٹیا کام کیا تو...... کہاں کے توپ مرد ہو تم...... کہاں کی بہادری ہے یہ؟ ایک بیمار ذہن کی تسکین ہے یہ صرف...... کوئی بہادری نہیں ہے...... کوئی میدان نہیں مارا تم نے معراج تعلق!‘‘ وہ سارا غبار دھو دینا چاہتی تھی۔

اگر تم بھاگ نہیں رہی تھیں تو بتاؤ' وہ تنگ وود کس لیے تھی...... طوفانی موسم میں وہ بھاگم بھاگ کس لیے تھی...... اور اسباب کیا تھے؟ میں وجہ جاننا چاہتا ہوں' تم بتا سکتی ہو؟" وہ اس کا چہرہ تھامتا ہوا بولا۔

"میں وجہ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں پورے اعتماد سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"تو یہ ثابت ہوا کہ تم بھاگ رہی تھیں۔ اگر میں نے ذرا سی بھی دیر کی ہوتی تو تم شہر سے یا پھر ملک سے باہر ہوتیں' ہے نا!" معارج تغلق کا لہجہ رسانیت سے بھرپور تھا۔

"ہاں بھاگ جاتی۔ بھاگ جانا چاہتی ہوں میں تم سے دور' نہیں رہنا چاہتی تمہارے ساتھ...... برے کردار کے آدمی ہو تم...... نہیں رہنا مجھے تمہارے ساتھ...... ایک پل کو بھی نہیں۔" وہ چیخی تھی۔

معارج تغلق نے اسے بغور دیکھا۔

"تم سچ نہیں بول رہیں مجھے جواب چاہیے۔" لہجہ قطعی تھا۔

"کس بات کا جواب؟ میں کسی جواب دہی کے لیے پابند نہیں۔" وہ اپنی خو میں بولی۔ "تم سزا دے چکے ہو اور اپنا حق ہونا ثابت کر چکے ہو۔ اپنی لغت میں تم مجھے اپنے ساتھ باندھ چکے ہو مگر مجھے یہ قید قبول نہیں مجھے سانسیں لینے دو۔ گھٹن ہوتی ہے تمہارے ساتھ......" وہ آنکھوں کو رگڑتے ہوئے بولی۔

"اسی لیے تم رئیس لاکھانی سے ملنے گئی تھیں تاکہ طلاق کے معاملات طے کر سکو؟"

"ہاں تو پھر...... کیا کر لو گے تم؟" وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی بولی۔

"تم جانتی ہو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ جتاتے ہوئے بولا۔

"اور کیا کرو گے تم...... مزید طاقت کا استعمال کرو گے؟ تم اس حصول کو اپنی کامیابی سمجھتے ہو؟" وہ ہار ماننا نہیں چاہتی تھی۔

"میں ہار جیت کو انتہائی موڑ تک لانے کے جتن نہیں کر رہا فی الحال۔ نا میں ہارا ہوا ہوں' نا میں کسی کو جیتنے دوں گا۔ تم کہاں گئی تھیں' مجھے اس بات کا جواب چاہیے۔ بات کو گول مول مت کرو' جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ تم کیوں بھاگ رہی تھیں؟ وہ دوڑ کس گھٹن میں تھی؟"

وہ خاموش رہی تھی۔ کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔

"تمہاری چپ بہت سے بھید رکھتی ہے انا نیا ملک اور مجھے سوئی کھیلنے کا کوئی شوق نہیں۔"

"میں تمہاری قیدی نہیں ہوں میں کہیں بھی جا سکتی ہوں اور اس کے لیے مجھے کسی کو وضاحت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔

معارج تغلق نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا کچھ پل خاموشی میں گزر رہے تھے' پھر اس خاموشی کو معارج تغلق کی بھاری آواز نے توڑا تھا۔

"تم شفاف نہیں ہو انا نیا ملک! ایک کھوٹ ہے تمہارے اندر...... یہ خاموشی صاف کہتی ہے تم اسے میری طاقت سمجھو یا کمزوری مگر میں دہرا پن برداشت نہیں کر سکتا۔ تم کتنے ہی جتن کرو' تمہیں



وہ اطمینان سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا نہ ہی کوئی نقب لگائی ہے۔ یہ سطحی عورتوں کی طرح واویلا کرنا بند کرو۔ ہم ایک شرعی رشتے میں ہیں۔ مزید کسی ڈرامے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ واویلا بند کرو اور ہاں باہر سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ جھک کر اس کے گال تھپتھپاتا ہوا یوں بولا تھا جیسے کسی بچے کو پچکار رہا ہو۔

انا نیا ملک نے اس کی سمت یوں دیکھا تھا جیسے اسے اپنی نگاہوں سے قتل کر ڈالے گا۔ ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"پاگل آدمی ہو تم...... ذہنی طور پر پسماندہ انسان! نہیں رہنا مجھے تمہارے ساتھ......" وہ چیخنا چاہتی تھی۔ مگر حلق ایسے خشک تھا کہ جیسے حلق میں کانٹے اُگے ہوئے ہوں۔ آواز شاید معارج تغلق کی سماعتوں تک بھی نہیں پہنچی تھی۔

"ہوس پرست آدمی ہو تم۔ صرف اپنی تسکین کی راہ نکالی ہے میں نا اس شادی کو مانتی ہوں نا تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" وہ آنکھیں رگڑتی ہوئی بولی۔ وہ اطمینان سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جانتا ہوں۔ تم میرے ساتھ تو رہنا نہیں چاہتیں تبھی اپنی شادی کی تقریب کی پروا کیے بغیر تم اس کلاؤن کے ساتھ بھاگ رہی تھیں۔ میں نے تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔" اس کا انداز اب جیسے پُرسکون تھا۔ ایک گہرا سکوت...... اس کی آواز اس کے اندر کی بھرپور غمازی کر رہی تھی۔ انا نیا ملک کے اتنا بُرا بھلا کہنے پر بھی وہ کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

"میں بھاگ نہیں رہی تھی۔" وہ چیخی۔

"تم بھاگ نہیں رہی تھیں؟" وہ جتاتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا اور پھر اس کے قریب آیا تھا اور جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تمہارا چہرہ بہت خوب صورت ہے انا نیا! یہ آنکھیں بظاہر شفاف آئینوں سی ہیں مگر اس دلکشی سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ تمہارا حصول میرے لیے کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔ اگر میں وہاں بندوق کے زور پر جا کر تم سے نکاح کے پیپرز سائن کروا سکتا تھا تو تمہیں اٹھا کر اپنے قبضے میں بھی لے سکتا تھا۔ اگر تمہیں حاصل کرنا ہوتا تو پہلے ہی دن حاصل کر لیا ہوتا جب تمہیں پرپوزل دیا تھا۔" وہ بہت سکون سے اسے سنا رہا تھا۔ "تم دنیا کی واحد خوب صورت لڑکی نہیں ہو انا نیا ملک! یہ دلکشی کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہیں زیادہ خوب صورت لڑکیاں دیکھی ہیں' اس سے زیادہ رعنائی دیکھی ہیں۔ میں تمہارا پیار رتا تھا نہ ہوں' نہ ہوں گا۔ مجھے عشق میں سدھ بدھ گنوانے والوں میں شمار مت کرنا۔ نا میں کمزور مردوں کی فہرست میں ہوں' میں ایک اصول پرست انسان ہوں۔ میں نے تمہیں اپنی بیوی ہونے کے باوجود کبھی نگاہ بھر کر دیکھا تک نہیں۔ تم میں کچھ بھی خاص نہیں ہے انا نیا ملک! تم پر اپنا حق جتا کر میں نے کسی طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا' تم اس سلوک کی مستحق ہو اور یہ میرا قانونی و شرعی حق ہے۔



www.paksociety.com

یہیں اس گھر میں رہنا ہے۔ اب اسے سزا سمجھو' کوئی قید سمجھو یا کچھ بھی...... مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہیں صرف ایک بات سمجھا دینا چاہتا ہوں' تم اس گھر سے کہیں نہیں جاسکتیں۔ تمہیں مسز معارج تغلق بن کر ہمیشہ یہاں رہنا ہے اور اب اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ تم نے اپنی آزادی خود سلب کی ہے' میں یہاں سے بھاگنے کی ہر تمہاری کوشش ناکام بنادوں گا۔" وہ سرد لہجے میں جتا رہا تھا۔

"کیوں رکھنا چاہتے ہو تم مجھے قیدی بنا کر......؟ نہیں پیار کرتی میں تم سے...... کوئی لگاؤ نہیں ہے مجھے تم سے...... یہ رشتہ کوئی معنی نہیں رکھتا' میں اسے قبول نہیں کرتی' تم نے زبردستی کی تھی اور مزید زبردستی کررہے ہو۔

"کسی سے محبت کرتی ہو تم! لگاؤ کس سے ہے' اگر مجھ سے نہیں؟" اس کے لہجے میں کسی جلن نے اندر سر اٹھایا تھا' اک حسد تھا۔ وہ خاموش رہی تھی۔

"عدن بیگ؟" معارج تغلق نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تا۔

"ہاں ہے عدن بیگ! کرتی ہوں اس سے محبت۔ کیا کرلو گے تم؟" وہ چیخی تھی۔ معارج تغلق نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی۔

"ششش! نئی نویلی دلہن اونچی آواز میں بات نہیں کرتی۔ تم اگر عدن سے محبت کرتی ہو تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میں تمہیں اس کے ساتھ بھاگنے اور جینے کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ نکال کر باہر پھینک دوں گا اس دل کو اور اس محبت کو اگر دوبارہ ایسا کہا یا اس کھوکھو کا نام بھی لیا۔ چلو اٹھو اب تیار ہو جاؤ۔ نیچے مہمان ہمارے منتظر ہیں۔ میں ایشاع کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔ چپ چاپ تیار ہو جاؤ' وہاں سب معارج تغلق کی دلہن کا چہرہ دیکھنے کو بے قرار ہو رہے ہیں' اب دیدار ہو جانا چاہیے' زیادہ انتظار ٹھیک نہیں ہوتا۔ چلو شاباش!" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر سیدھا ہوا اور باہر نکل گیا۔

اناتیا ملک بند دروازے کو دیکھتے رہ گئی۔

اپنا آپ بہت ارزاں لگا تھا۔

وہ جیسے وہ نہ رہی تھی۔

معارج تغلق نے اسے پل بھر میں پستیوں میں دھکیل دیا تھا۔ اسے اپنا آپ بہت معمولی لگ رہا تھا۔ معارج تغلق نے کیسی سزا دی تھی اسے...... سارا غرور پل میں خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ اس کی کمزوری جانتا تھا۔ پل میں وہ گھاؤ دیا کہ اس کا غرور ختم کیا تھا۔ خود اپنی نظروں میں وہ گر گئی تھی۔ معارج تغلق اس کے معاملے میں وہ اتنا قطعی اور انتہا پسند کیوں تھا' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اسے سارا مان' ناز' خودی کا غرور' سب جاتا رہا تھا۔ وہ کیا تھا اور تغلق نا تمام! وہ اس ذلت کو بھول نہیں سکتی تھی۔ کبھی بھی نہیں!

❁ ☆ ❁
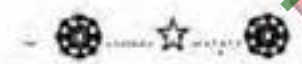


پارسا نے تھکے ہوئے انداز میں سر میز پر رکھا تھا اور پل بھر کو آنکھیں میچ لی تھیں۔

"گلابو! میرا ارادہ تمہیں زک پہنچانے کا نہیں تھا' آئی ایم سوری اگر تمہیں میری وجہ سے تکلیف پہنچی ہو تو...... دیکھو میں سرخ گلاب تمہارے لیے لایا ہوں۔" یلماز کمال کی آواز اس کے گرد گونجی تو اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں اور اپنے اطراف خالی خالی نظروں سے بغور دیکھا تھا۔

دور تک خاموشی سی تھی۔ فضا میں ایک سکوت تھا۔

تو یہ پھر کس شے کی بازگشت اس کے اندر تھی؟

"اٹھا کر باہر پھینک دو یہ گلاب...... کیا سمجھا تم نے؟ چڑیل! یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا اور میں اس کے لیے تمہیں معاف نہیں کروں گی؟" وہ غصے سے بولی تھی۔

"گلابو! اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔ چلو شاباش غصہ کرنا بند کرو اور مسکرا کر میری طرف دیکھو۔ میں تمہارا ٹیچر ہوں نا! اچھے بچے استادوں کی بات مانتے ہیں۔" اس نے بچوں کی طرح پچکارا تھا۔

"استاد! ہونہہ! تم انتہائی بُرے ہو اور میں تم سے مزید ٹیوشن لینا نہیں چاہتی۔ میں سلو بھائی سے کہہ دوں گی کہ میرے لیے کسی اور ٹیوٹر کا بندوبست کریں' نہیں پڑھنا تم جیسے جنگلی سے......!" وہ غصے سے بولی تو یلماز کمال کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

"دیکھو گلابو! کوئی اپنی غلطی پر شرمندہ ہو تو ایسے غصہ نہیں کرتے۔ ہوگئی نا غلطی......! میں مذاق کررہا تھا' اب بھی دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہوں۔" یلماز کمال نے باقاعدہ دوستی کا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ "تم اچھی ہو گلابو! مگر یہ غصہ جو ہر وقت ناک پر دھرا رہتا ہے ٹھیک نہیں۔ مسکرایا کرو' ہنسا بولا کرو۔ تمہاری عمر کی لڑکیاں ایسے جھمیلوں میں نہیں پڑتیں' تمہیں خوامخواہ کی ٹینشن رہتی ہے۔" وہ سمجھاتا ہوا بولا تھا۔

"تم ضرورت سے زیادہ ناصح بننے کی کوشش مت کیا کرو۔ مجھے تمہارا بلاوجہ ذاتیات میں مداخلت کرنا اور میرے قریب آنا پسند نہیں اور میری عمر کی لڑکیوں کو کیا کرنا چاہیے' یہ بات مجھے خوب معلوم ہے' مجھے تمہارے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ جتاتے ہوئے بولی تھی۔

"تم مجھے کیا سمجھتی ہو گلابو! کھا جاؤں گا تمہیں......؟ اُف خدایا! کتنا گھٹیا دماغ ہے تمہارا...... پکی دیہاتی ہو' پینڈو! ایک لڑکے کا لڑکی سے بات کرنے کا مقصد صرف ایک ہی نہیں ہوتا۔ وہاں شہر میں تو یہ عام بات ہے' کوئی اس کا نوٹس بھی نہیں لیتا۔ لڑکیاں اتنی بے سول بھی نہیں ہوتیں۔ تم اتنی محتاط ہو' اچھی بات ہے مگر یہ محتاط رویہ تمہارے اندر کے اعتماد کو ختم کررہا ہے۔ تمہاری شخصیت بگڑ رہی ہے۔ اس طرح تو تم اپنے قریب والے ہر انسان سے خوف محسوس کرو گی۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ افسوس کرتا ہوا بولا تھا۔

وہ چہرہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔

"تمہیں اس بات کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ میں کافی خود اعتمادی ہے اور میں اس

سے آرام سے دنیا کا سامنا کرسکتی ہوں۔ اس میں مجھے کوئی پریشانی نہیں تو تمہیں کیوں......؟'' وہ لاتعلقی انداز میں بولی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے گلابو! دیکھو تم نے میرا دوستی کا ہاتھ بھی نظر انداز کردیا۔ کافی جنگلی ہو۔'' وہ چھیڑ رہا تھا۔ وہ غصے سے گھورنے لگی تھی۔ یلماز کمال نے مسکراتے ہوئے سرخ گلابوں کا بوکے اس کے سامنے کردیا تھا۔

''دیکھو کتنے پیار سے تمہارے لیے خود باغ سے توڑ کر لایا ہوں۔ یقین نہ آئے تو خود دیکھ لو۔ سوچا تھا کہ تمہارا غصہ شاید کچھ کم ہوجائے گا مگر تم بہت غصہ کرتی ہو سوچتا ہوں اگر تم جیسی لڑکی مستقبل میں میری زندگی میں آ گئی تو گزارا کیسے ہوگا؟''

پارسا چوہدری نے دیکھا تھا اس کی کلائیوں سے جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا' سفید ٹی شرٹ پر بھی کہیں کہیں خون کے دھبے تھے۔ وہ اس کے لیے خود باغ سے گلاب چن کر لایا تھا۔

پارسا چوہدری کو اتنا تلخ ہونا ایک پل کو اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ اس بندے سے بہت زیادہ سختی سے پیش آرہی تھی' غالباً یہ مناسب نہیں تھا۔ حد بندیوں کا تعین وہ اپنی طرف سے کرسکتی تھی مگر خوامخواہ کسی سے بیر رکھنا اور سختی سے پیش آنا' اسے ایک پل کو سوچ کر شرمندگی ہوئی تھی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر بوکے تھام لیا تھا۔

''شکریہ!''

''اوہ تو آپ میں تہذیب ہے تھوڑی بہت؟'' وہ مسکرایا تھا۔ وہ گھورنے لگی۔ ''گلابو! تمہارا بس چلے تو مجھے ان آنکھوں سے ہی قتل کردو۔ کمال کرتی ہو یار! اگر میری جگہ ادھیڑ عمر کا نیوز ہوتا تو بھی تو تم اس سے پڑھتی نا! اور تم اتنا تنگ کیوں سوچتی ہو کہ میں تم پر نظر رکھتا ہوں؟ یار! شہر میں لڑکے لڑکیاں ساتھ پڑھتے ہیں۔ وہاں لوگ آزاد خیال ہیں۔ بات کرنے کا مطلب نظر رکھنا نہیں ہوتا' ایک لڑکے اور لڑکی میں صرف ایک ہی رشتہ نہیں ہوتا' میں ایک اچھی فیملی سے ہوں۔ اپنی حدود اور وقار کا پاس ہے مجھے۔ میں اتنا جنگلی نہیں ہوں۔'' وہ اس کا اعتبار بحال کرنے کی کوشش کررہا تھا شاید یا پھر اس کے بے وجہ کے گریز کو مٹانے کی ایک چھوٹی سی کوشش تھی۔

پارسا چوہدری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا' وہ شخص اتنا برا نہیں تھا شاید اس کی طرف سے ہی گریز زیادہ تھا۔

''آئی ایم سوری تمہارے سر میں میری وجہ سے چوٹ آئی۔'' وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔

''اور پاؤں میں موچ بھی آگئی۔'' وہ جتاتے ہوئے بولی۔

''اوہ!'' اس کا اندازہ مجھے نہیں تھا۔ کل شام گرنے کے بعد تم اتنی تیزی سے اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ مجھے نہیں پتا تھا' تمہیں اتنی ساری چوٹیں میری وجہ سے لگی ہیں۔'' انداز میں افسوس تھا' وہ شرمندہ دکھائی دیا تھا۔ ''چلو کل شام ٹیوشن کے بعد میں تمہیں باغ کی سیر کرواؤں گا۔ اس سے موڈ پر اچھا اثر پڑے گا اور چلنے پھرنے سے پاؤں کے مسلز بھی حرکت میں آجائیں گے۔'' وہ بولا تھا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ فوراً بولی تھی تبھی اماں چائے لے کر جنتے کے ساتھ اوپر آئی تھیں۔ یلماز احتراماً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اماں! معذرت چاہتا ہوں......'' یلماز نے کہنے کے لیے منہ کھولا تھا' تبھی پارسا چوہدری فوراً بولی تھی۔

''اماں! آپ نے چائے کے ساتھ کچھ بنوایا کھانے کے لیے...... مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔'' پارسا غالباً بتانا نہیں چاہتی تھی کہ چوٹ اس کے باعث لگی۔

''ہاں ہاں پتر! بنایا ہے نا! تیرے پسند کی حلوہ پوری اور سموسے...... جنتے! ٹرے آگے رکھ بچی کے......'' اماں نے کہا تھا اور جنتے لوازمات پیش کرنے لگی تھی۔

''تم کھڑے کیوں ہو بیٹا! بیٹھو نا۔'' اماں یلماز کمال سے مخاطب ہوئی تھیں۔ ''تمہارے گھر سے فون آیا تھا' تم کہیں باہر تھے۔ سو بات نہیں کروا سکی۔ گھر کا ایک چکر لگا لینا۔ وہاں سب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔'' اماں نے یلماز کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ ''بیٹا! تم بہت محنت کر رہے ہو پارسا پر...... اب کہیں جا کر اس کا دماغ چلنا شروع ہوا ہے۔ اس کے امتحانات میں ابھی دیر ہے' سو گھر کا ایک چکر لگا لینا۔ تم نے باہر کی کسی یونیورسٹی میں اپلائی کیا تھا؟ غالباً وہاں سے بھی کال موصول ہوئی ہے' اپنے گھر فون کر لینا۔''

''جی اماں! ضرور......!'' یلماز سر جھکائے احتراماً کھڑا بول رہا تھا۔ ''میں چلتا ہوں۔'' وہ بولا تھا۔

''ارے بیٹا! چائے پی کر جانا۔''

''نہیں اماں! مجھے ایک ضروری کام ہے۔ آپ لوگ انجوائے کریں۔ میں چلتا ہوں۔'' یلماز کمال کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اگلے دن ٹیوشن کے بعد وہ اسے باہر لے جانے کو تیار تھا۔

''اپنا ہاتھ دو گلابو!'' اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا وہ بولا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ ''ارے بابا! ہاتھ تھام کر سہارا دینے کو کہہ رہا ہوں' ارادہ نیک ہے۔ صرف ازالہ کر رہا ہوں۔ دراصل میں احساس جرم کا شکار ہوں۔ جب مجھ سے کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو مجھے اس کا بہت افسوس ہوتا ہے۔ بے فکر رہو' تمہیں بھگا کر نہیں لے جا رہا۔ میں نے سلو بھائی سے باقاعدہ اجازت لی ہے اور یوں بھی شادی تو مجھے کسی گوری میم سے کرنی ہے۔ کسی گاؤں کی گوری میں اتنی اہلیت نہیں کہ مجھے متاثر کر سکے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

پہلی بار پارسا چوہدری کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ وہ چونکا تھا۔

''ارے! تم مسکرا رہی ہو گلابو! دیکھو میرے ایسا کہنے سے تمہیں ایک اطمینان ملا تبھی تمہارے لبوں پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔ اسے اندر کا ایک اعتماد بحال ہونے کی کیفیت کہتے ہیں۔ اس کا مطلب اب میں تمہیں اتنا خوف ناک محسوس نہیں ہوتا یا تمہیں مجھ سے بلاوجہ کا اتنا خوف نہیں آ رہا۔'' وہ اس کا ہاتھ



سہولت سے تھام کر کھڑا کرتا ہوا بولا تھا۔

وہ بغور اس کی جانب تکنے لگی تھی

محبت کیسی ہوتی ہوگی؟

میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا

کسی کی آنکھوں میں جاگنا

یا بے تکان بولنا

یا پھر خاموشی میں چلتے رہنا محبت ہے؟

میں نے محبت کو نیلی چھتری اوڑھے

دور کھڑا دیکھا ہے

مگر اس کا فاصلہ میرے وجود سے بہت دور ہے

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میں نے کبھی نہیں دیکھا

مجھے ڈر لگتا ہے

جانے کیوں میں محبت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کا تصور نہیں کر پاتی

پھر چاہے وہ دور گلابی چھتری اوڑھے کھڑی ہو

یا نیلی!

مجھے نیلے سمندروں میں تیرنے کا تجربہ نہیں

سو محبت مجھے اجنبی لگتی ہے

میں نے محبت کو کبھی نہیں دیکھا

مجھے ڈر لگتا ہے!

اس کے اندر کوئی مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ایسا ایک احساس اس کے اندر کیوں اٹھا تھا' وہ خود جان نہیں پائی تھی۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے احساس کو وہ کوئی نام نہیں دے پائی تھی اور باغ میں اسے سہارا دے کر ساتھ چلتے ہوئے اِدھر اُدھر کی اس کی غیر اہم باتیں سنتے ہوئے وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔ سارا وجود کسی نامعلوم احساس کے زیر اثر تھا۔ اسے کچھ سنائی دے رہا تھا نا دکھائی۔ وہ بس خالی خالی نظروں سے اپنے ساتھ چلتے بندے کو دیکھ رہی تھی۔

ایک پل میں کیا ہوا تھا؟

وقت نے کیسا اسم پھونکا تھا؟

ساری درشتگی ریت کی دیوار ثابت ہوئی تھی۔

اچانک تیز بارش ہونے لگی تھی' اسے اس کا اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔

وہ بھیگ رہی تھی۔

''گلابو! کہاں کھوئی ہوئی ہو تم......؟ بارش شروع ہو گئی ہے' مجھے تمہیں اندر لے جانا ہے۔ یہ نا ہو تم

بیمار پڑ جاؤ اور پھر ایک نیا احساس ندامت مجھے گھیرے کہ میری وجہ سے ایسا ہوا۔'' یلماز کمال اس کا خیال کرکے کہہ رہا تھا۔ تب اس نے اپنے اداسوں کو پل میں جگاتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ برستی بوندوں سے تربتر تھا۔ اس سے پہلے اسے بارش اتنی خوب صورت نہیں لگی تھی' یہ کوئی نیا احساس تھا۔ بارش اس سے پہلے اتنی خوب صورت نہیں لگی۔ ایک پل میں اسے منظر نیا نیا لگا تھا۔ اس کا زاویہ نظر تھا یا واقعی کوئی احساس...... پل کے پل میں سب کچھ بدل رہا تھا۔

''تم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہو رہی لگا ہو! یہ ٹھیک نہیں۔ تم بھیگ کر بیمار پڑ گئیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ تمہارے سر کا زخم بھی ابھی ٹھیک نہیں۔ بارش کا پانی فی الحال بھیگنے کے لیے مناسب نہیں۔'' وہ اس کا خیال کرکے محتاط انداز میں کہہ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی سمت خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

محبت کیسی ہوتی ہوگی؟
اس کی آنکھوں سی گہرائی
اس کے لب و لہجے سے شریں
اس کی بے تکی باتوں کو سننا اور دیر تک چلنا
محبت ہے؟
خیالوں ہی خیالوں میں
کچے پکے رنگوں کے خواب بُن لینا
محبت ہے؟
مجھے بارشوں سے پوچھنا ہے
محبت کیسی ہوتی ہے؟
تمہارے خیال کے جیسی؟
محبت کیسی ہوتی ہے؟
اندر کوئی سرگوشیاں کر رہا تھا۔

''مجھے بارش میں بھیگنا برا نہیں لگتا۔'' پارسا چوہدری نے اس کی سمت سے نگاہ ہٹا کر ہاتھ کی روک میں پانی لیتے ہوئے کہا تھا۔ ''مجھے بارش اچھی لگتی ہے۔'' وہ جیسے کوئی سرگوشی کر رہی تھی یا پھر خود کلامی تھی کوئی۔

''تم اچھا نہیں کر رہیں لگا ہو! میں تمہیں سیر کرانے کی غرض سے یہاں لایا تھا۔''

''تو ٹھیک ہے' تم اندر چلے جاؤ۔ میں اماں سے کہہ دوں گی کہ میں اپنی مرضی سے بھیگی ہوں۔'' وہ اس کی طرف سے گریز کرتی ہوئی بولی تھی۔

''میں تمہیں اس طرح یہاں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ بھی اس حالت میں جب تمہارے پاؤں میں موچ ہے اور سر پہ چوٹ لگی ہے۔ تمہاری بینڈیج گیلی ہوگئی ہے لگا ہو! تم پاگل ہوگئی ہو؟'' وہ ان سنی کرتی ہوئی آگے بڑھی تھی جب یلماز کمال نے اس کی کلائی تھام کر ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ لیا تھا'



وہ اس جھٹکے کے لیے تیار نہیں تھی تبھی اس کی طرف کھنچتی چلی آئی تھی۔ سر اس کے سینے سے ٹکرایا تھا اور وہ کتنے ہی پل حواس بحال نہ کرسکی تھی پھر سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا تو ایک طرف اس کے دل کی دھڑکنوں کا شور اس کے کانوں کو پھاڑ رہا تھا تو دوسری طرف اس کی نظریں جو اس کے چہرے پر گڑی تھیں' اسے شرمندگی میں مبتلا کر رہی تھیں۔

کتنے پل خاموشی میں گزر رہے تھے۔ اس پل میں پتہ تھا کہ یلماز کمال بھی کچھ لمحوں تک کچھ کہہ نہ پایا تھا۔ وہ یک دم دور ہٹی تھی اور خجل سی ہو کر اس کی سمت سے نگاہ چرا گئی تھی۔ یلماز کمال بھی خجل ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ جہاں رخ پھیر کر کھڑی ہوئی تھی وہیں یلماز کمال بھی وہاں سے دور جانے لگا تھا۔

وہ یونہی کھڑی ترچھی نظروں سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

برستی بارشوں میں کیسی کھنک چھپی ہے
بوندوں میں نغمگی ہے یا کوئی کہانی ہے
محبت ہے اس کا نام جس کی دنیا دیوانی ہے؟
محبت کیسی ہوتی ہے؟
برستی بارشوں جیسی؟
سرگوشیوں میں بولتی یا پھر اک فسوں جیسی؟
محبت کیسی ہوتی ہے؟
محبت ایسی ہوتی ہے؟

وہ ساکت سی اس برستی بارش میں کھڑی اردگرد سے بے نیاز کھڑی تھی۔ دھڑکنوں کا شور اتنا تھا کہ آواز وہ خود سن سکتی تھی۔
اس بارش کے شور کے باوجود......!

❁......☆......❁

مہندی کی تقریب اور باقی کی رسمیں کیسے اور کب ہوئی تھیں' سے کچھ خبر نہیں ہوئی تھی۔ سارا احساس جیسے مر گیا تھا اور حواس کھو گئے تھے۔ اسے اپنا آپ اندر سے یخ بستہ محسوس ہو رہا تھا۔

کیا وہ زندہ تھی؟
اسے اپنے آپ سے پوچھنا کچھ عجیب لگ رہا تھا
سرخ جوڑے میں دلہن بنا اپنا وجود اسے بہت پرایا لگا تھا۔
یہ ہار سنگھار کس کے لیے......
کس کے لیے اتنی تگ و دو کی گئی تھی؟
کس کے لیے یہ پور پور سجایا گیا تھا اس بے قدرے کے لیے جو اسے پیروں تلے روند گیا تھا؟
جس نے اس کی روح کو اذیت دی تھی۔
کیوں وہ اس کے نام کا سرخ جوڑا پہن کر اتنے بناؤ سنگھار کرکے تیار ہو بیٹھی تھی۔

اندر جب کوئی احساس نہیں تھا تو وہ احتجاج کیوں نہیں کر رہی تھی؟

ایشاع اس کے قریب اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہی تھی۔

''بھابی! بھائی کی خیر نہیں آج...... آپ اتنی خوب صورت لگ رہی ہو کہ وہ ہوش گنوا بیٹھیں گے۔''

اس سرگوشی نے اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں بکھیرا تھا۔ نا اس کی آنکھوں میں جگنو چمکے تھے نا کوئی احساس اندر کہیں جاگا تھا۔

یہ کس دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا اسے زندگی نے؟

وہ اپنے آپ کو تمام حواسوں کے ساتھ بیدار کرنے کے جتن میں ہاری جا رہی تھی۔

گو کہ زندگی کہ ایک اہم موڑ پر کھڑی تھی' جہاں لڑکیوں کے پاس کئی خواب ہوتے ہیں۔

آنکھوں میں کئی رنگ ہوتے ہیں

دھڑکنوں میں شور ہوتا ہے

اس کے ساتھ تو ایسا کچھ نہیں تھا۔

نا آنکھوں میں خواب......!

اندر سارے وجود میں بس ایک یخ بستہ سا احساس تھا جو اسے بتا رہا تھا کہ وہ زندگی میں باقی نہیں رہی۔ صرف سانس بھرنے کا نام زندگی نہیں ہے شاید!

وہ اپنی زندگی کے رنگوں سے خالی تھی۔ احساسات سے خالی تھی۔

اور اس کا ذمے دار وہ شخص تھا...... جو اس کی سوچ سے زیادہ پست تھا۔

وہ ایسا کر گزرے گا' اتنا گر جائے گا' ایسا اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔

ایشاع اور اناہیتا اسے معارج تغلق کے اس سجے سجائے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں جہاں پورے ماحول کو پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ کمرے میں مہکی مہکی خوش بو رچی بسی تھی۔ اناٰیا ملک کو اس سارے ماحول میں خود اپنا آپ بہت غیر ضروری لگا تھا۔ شاید وہ اس ماحول کے لیے نہیں تھی یہ دنیا اس کے لیے نہیں تھی۔

اس کے اندر کوئی جذبہ نہیں تھا نا کوئی احساس!

معارج تغلق اندر داخل ہوا اور وہیں کھڑے ہو کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ نا تو روایتی دلہن کی طرح سر جھکا کر بیٹھی تھی نا چہرے پر گھونگھٹ تھا نا اس کی دھڑکنوں میں شور تھا۔

وہ اس کے قریب آیا تو اس نے خوف سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

معارج تغلق اسے بغور تکتا رہا تھا پھر جیسے اسے اس پر ترس آ گیا تھا۔ وہ اس سے خوف زدہ تھی۔

اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے وہ جان سکتا تھا۔

تھی تو وہ ایک لڑکی!

کتنی بھی کوشش کرتی' بہادر نظر آنے کی یا تن کر کھڑی رہنے کی...... تھی تو وہی عام سی نازک سی لڑکی!



اسے ایک پل کو کسی احساس ندامت نے گھیرا تھا۔ شاید جو اقدام اس سے سرزد ہوا تھا' وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ خوف سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی جب اس نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''مجھ سے ڈرو مت' تمہاری نظروں میں یہ خوف اچھا نہیں لگتا۔ میں ایک بھرپور اعتماد لڑکی تم میں دیکھتا آیا ہوں' یہ خوف زدہ اناٰیا ملک کچھ پرائی سی لگ رہی ہے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

کتنے روپ اور کتنے چہرے تھے اس کے......

کیا وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھا؟

وہ اس کی جانب سر اٹھائے دیکھتی عجیب حیرتوں کا شکار تھی۔

''میں بُرا آدمی نہیں ہوں' نا ہی کم ظرف مرد۔ مجھے جواب کی ضرورت تھی مگر تم خاموش تھیں۔ تمہاری خاموشی مجھے کھل رہی تھی' میں نے زندگی میں کبھی اتنا غصہ اپنے اندر محسوس نہیں کیا۔''

وہ کوئی وضاحت دے کر اپنے آپ کو صاف بچانا چاہتا تھا یا کوئی احساس جرم اس کے اندر سر ابھار رہا تھا؟

وہ ساکت سی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ روایتی دلہنوں کی طرح اسے کوئی جملہ ستائش کا نہیں ملا تھا نا اس کے کانوں کے قریب کوئی مدھم سرگوشی ہوئی تھی۔

معارج تغلق نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے کسی گڑیا کی طرح کھڑا کر دیا تھا۔

''آج کی رات مجھے تمہیں ایک خاص بات بتانا ہے' اس کے لیے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ چلو!''

اب کیا اسرار باقی تھا؟

کس بھید سے پردہ چاک کرنے جا رہا تھا وہ؟

اناٰیا ملک اس کی سمت حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''کہاں جانا ہے؟'' وہ صرف اس قدر پوچھ پائی تھی۔

''آج سوال مت پوچھو۔ تمہیں سرپرائز دینا اچھا لگتا ہے مجھے...... تمہاری نظروں میں حیرت کے اس احساس سے عشق ہے مجھے' سو زیادہ سوال مت پوچھو۔ میرے ساتھ چلو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر چلنے لگا تھا۔

وہ کسی بے جان وجود کی طرح اس کے ساتھ کھنچتی جا رہی تھی۔

کہاں لے جا رہا تھا وہ اسے...... وہ نہیں جانتی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

# ہیرا اور پتھر

تحسین انجم انصاری

ہر شخص ہی جیسے رخِ باطل سے ملا ہو
ایک بھی نہیں ایسا جو ہمیں دل سے ملا ہو

پھر راہ نے راہبر سے مسافت سے گلہ کیا
جب حکم پلٹ جانے کا منزل سے ملا ہو

احسن کو یوں لگا جیسے چاندی کے کھنکھناتے سکے کسی برتن میں گر رہے ہیں۔ ایسی مدھر اور خوب صورت ہنسی تھی۔ اس نے بے اختیار آواز کی سمت دیکھا اور مبہوت رہ گیا۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اسے کسی جگمگاتے ہیرے کا خیال آیا تھا...... بلاشبہ وہ حسن کے انمول خزانوں سے مالا مال تھی۔ کمر تک آتے سونے جیسے زرتار سنہرے بال...... چاندی جیسی بے داغ دمکتی اجلی رنگت...... نیلم سی نیلی روشن کشادہ آنکھیں جن میں لگتا تھا سارے آسمان کے ستارے کوٹ کر بھر دیے گئے ہوں۔ یاقوتی موتی بھرے بھرے ہونٹ اور ان کے درمیان موتیوں جیسے چمکتے سفید دانتوں کی قطار......! سانچے میں ڈھلا سنگ مرمر سا بدن جس کے بارے میں شاعروں نے تاج محل جیسی تشبیہات دی ہیں......!

اس نے سیاہ جینز کے ساتھ سنہری مائل چست بلاؤز زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کا شعلہ سا حسن ان چار لڑکوں کے دل پہ قیامت ڈھا رہا تھا۔ وہ سب پروانوں کی طرح اس پہ نثار ہو رہے تھے۔ وہ اپنے حسن کی حشر سامانیوں سے پوری طرح آگاہ تھی۔ اسی لیے تو ناز سے اس کی گردن کچھ اور تن گئی تھی۔ اس کا بانکپن صاف بتا رہا تھا کہ اس کی عمر بمشکل سترہ سال ہوگی لیکن وہ اس دیس کی باسی تھی جہاں کم سنی میں ہی عشق و محبت کے اسرار و رموز سے آشنائی ہو جاتی ہے۔ احسن نے بدمزہ ہو کر کافی کا کپ اٹھایا اور آہستہ آہستہ چسکیاں بھرتے ہوئے ناصر کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ٹیکساس میں رہتا تھا اور یہاں کی مشہور یونیورسٹی میں لیکچرر تھا۔ پچھلے دس سال سے اسی شہر میں مقیم تھا۔ ایک چھوٹا سا دو کمروں کا اپارٹمنٹ خرید رکھا تھا۔ اس میں تنہا ہی رہتا تھا۔ کسی دوست کو ساتھ رکھنا اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ انتہائی نفیس اور صفائی پسند انسان تھا۔ بے ترتیبی اور کسی قسم کی گندگی اسے قطعاً پسند نہیں تھی اسی لیے اس نے کسی دوست کو ساتھ نہیں رکھا تھا۔ فطرتاً تنہائی پسند تھا۔ کام سے واپسی پہ اپارٹمنٹ کی خاموشی میں کافی کے کپ کے ساتھ کتابیں پڑھنا اس کا محبوب مشغلہ تھا لیکن پچھلے پورے ماہ رمضان کے دوران افطاری کے لیے اسی چھوٹے سے ریسٹوران میں آ رہا تھا۔ یوں تو وہ خود بھی گھر پہ کچھ نہ کچھ پکا لیتا تھا اور اس کی پکائی

ہوتی بعض اشیاء اس کے دوستوں میں بے حد مقبول تھیں لیکن رمضان کے دوران نوکری اور عبادت کے بعد اتنی تھکاوٹ اور کمزوری محسوس ہونے لگتی کہ وہ کچھ بھی کرنے کا خیال ترک کرکے اس ریستوران میں آ جاتا جو قریب ہی تھا۔

ناصر ابھی تک نہیں آیا تھا وہ پھر سوچوں میں کھو گیا۔ یہاں دیارِ غیر میں نہ تو روزوں کا پتا چلتا تھا اور نہ ہی عید کے تہوار پہ وہ گہما گہمی ہوتی تھی جو پاکستان خاصہ ہے۔ عید پہ تو چھٹی تک نہیں ہوتی تھی' سب دوست مل کر خود ہی چھٹی کرتے اور ہلا گلا کرکے عید مناتے لیکن ہر شہر میں ایسا نہیں تھا۔ جہاں جہاں مسجدیں قریب تھیں۔ وہاں لوگ رمضان میں خوب مزے کرتے' خاص طور پہ جو خاندان یہاں مقیم تھے۔ وہ روزانہ افطاری پہ خاص خاص ڈشز بنا کر مسجد میں لے جاتے' اکٹھے افطار کرتے پھر مغرب کی نماز کے بعد کھانا ہوتا۔ کھانے کے دوران خوب گپ شپ ہوتی اور پھر سب اکٹھے نماز تراویح پڑھ کر واپس گھروں کو سدھارتے لیکن اس معاملے میں بھی اس کی قسمت اتنی اچھی نہیں تھی۔ مسجد کافی دور تھی اور یونیورسٹی کے آس پاس زیادہ خاندان آباد نہیں تھے بلکہ زیادہ تر ایک ایک کمرے میں چار چار طلبہ رہتے تھے' جو خود کسی بلاوے یا دعوت نامہ کے منتظر رہتے۔ احسن نے دوبارہ اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی اور بے صبری سے نظر دوڑائی' ناصر کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی دوبارہ اسی میز کی طرف چلی گئیں۔ میز پہ جابجا برگر اور کولڈ ڈرنکس پڑی تھیں' کچھ آدھے کھائے اور کچھ ابھی مکمل...... اب وہ نوجوانوں کا ٹولہ موسیقی کی لے پہ دھیرے دھیرے رقص کر رہا تھا۔

"اوے وکی! اب میری باری ہے۔" ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے کی جگہ لیتے ہوئے اس لڑکی کا ہاتھ تھام لیا اور اسے بانہوں کے گھیرے میں لے کر رقص کرنے لگا۔ سامنے والی میز پہ ایک بوڑھا جوڑا بیٹھا تھا' دونوں میں شاید بحث ہو رہی تھی۔ اس نے جھگڑے کی وجہ سنی تو بے اختیار مسکرا دیا۔ دونوں اپنے پوتے کی سالگرہ پہ دیے جانے والے تحفے کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے۔ عورت اسے کھلونا دینا چاہتی تھی جب کہ مرد کتابوں کا سیٹ دینے کے حق میں تھا اور جب احسن کو پتا چلا کہ بچہ ابھی صرف ایک سال کا ہے تو وہ بے اختیار ہنس دیا۔ دادا یقیناً اسے مستقبل میں فلاسفر یا اسکالر بنانا چاہتا تھے۔ ایک اور میز پہ ایک اطالوی جوڑا مختلف کھانوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ احسن کو پاکستان میں اپنے گھر کی سحری اور افطاری یاد آ گئی۔ اماں کس قدر اہتمام کرتی تھیں دونوں موقعوں پہ...... لیکن ابا شروع سے سادگی پسند تھے۔ ان دونوں میں اکثر یہی بحث چھڑی رہتی تھی کہ کھانا سادگی سے بنانا چاہیے [illegible] پہ بے شمار لوازمات ہوں۔ آپی اماں کی [illegible] بہت چٹوری اور خوش خوراک [illegible] کی طرف مائل تھیں۔ ان کے خیال میں [illegible] چار مزیدار ڈشز نہ ہوں تو [illegible] مقام [illegible] خاتون خانہ کے لیے...... آپی اس سے پورے پندرہ سال بڑی تھیں۔ جب [illegible] اماں ابا اولادِ نرینہ کے بارے میں مایوس ہو چکے تھے تو خدا نے انہیں احسن کی صورت [illegible] نعمت سے نواز دیا۔ وہ شروع سے ہی صفائی پسند [illegible] انسان تھا اور کھانے میں سادگی کے بارے میں ابا پہ گیا تھا حالانکہ اکلوتا لاڈلا تھا' کھیلنے کو چاند بھی مانگتا تو مل جاتا لیکن اس کی خواہشات اور ضروریات بہت کم تھیں۔ عید پہ اچھا خاصا اہتمام



ہوتا اور اس دن نیا جوڑا اور سلیم شاہی جوتے پا کر وہ بہت خوش ہوتا۔ ایک تو اماں ابا نے دیر سے شادی کی پھر وہ ان کی شادی کے کافی سالوں بعد پیدا ہوا' اس لیے دونوں ہی زیادہ دیر تک دنیا میں نہ رہ سکے۔ وہ دسویں میں تھا جب ابا رخصت ہو گئے۔ اماں اس سے بھی پہلے انہیں داغِ مفارقت دے گئی تھیں۔ دونوں آپا کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ ابا نے اس کی تعلیم کے لیے کافی رقم جمع کر رکھی تھی۔ تھوڑا اور [illegible] بعد اس نے آسٹن یونیورسٹی کے لیے اپلائی کیا اور امریکا آ گیا پھر ایک دو چکر [illegible] مستقل ٹھکانا اس نے یہیں کا بنا لیا۔ شادی بھی نہیں کی حالانکہ پینتیس برس سے اوپر کا ہو چکا تھا۔ جوانی میں ایک [illegible] دل آیا تو تھا لیکن ابھی اسے حالِ دل سنانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ اس کی شادی ہو گئی۔ بس تب سے ہی دل شادی سے اُچاٹ ہو گیا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ شادی کے خلاف تھا بس کوئی لڑکی دل کو چھو ہی نہ سکی کہ وہ شادی کے بارے میں سوچتا اور اس کا ارادہ بہرحال یہی تھا کہ ایسا حادثہ ہوگا تو ہی شادی کروں گا۔ ساتھ والی میز پہ کھٹ پٹ ہوئی تو احسن نے بے اختیار اُدھر دیکھا۔ ماحول خاصا کشیدہ نظر آ رہا تھا۔ چاروں لڑکے آپس میں جھگڑا کر رہے تھے جب کہ وکی کے چہرے پہ ایک تفاخر اور غرور تھا۔

"نہیں نارمن! وکی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آج وہ میرے ساتھ ڈنر کرے گی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ میری گرل فرینڈ ہے تم کہیں اور کا رخ کرو۔"

"وہ تمہاری گرل فرینڈ ضرور ہے لیکن تمہاری جائیداد نہیں ہے۔" جائل بہت غصے میں تھا۔

"ارے تم کیوں لڑ رہے ہو؟ وکی سے پوچھ لو وہ کیا چاہتی ہے؟"

"اوکے وکی! تم بتاؤ کیا چاہتی ہو؟" وکی نے سوچنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔

"نارمن! معاف کرنا لیکن میں آج سے تمہاری گرل فرینڈ نہیں ہوں۔ میں یہ رشتہ توڑ رہی ہوں۔ تم بہت زیادہ دقیانوسی ہو اور جائل ٹھیک کہہ رہا ہے میں تمہاری جائیداد نہیں ہوں اور میں جائل کے ساتھ جا رہی ہوں۔ گڈ بائے!" وہ دونوں اٹھے جائل نے خوشی سے اس کا ہاتھ تھاما اور دونوں ریستوران سے باہر نکل گئے۔ احسن حیران و ششدر دیکھتا رہ گیا۔ اتنی سی عمر میں یہ بے باکی! لیکن وہ جانے کیوں حیران ہو رہا تھا' یہاں تو ہر طرف ایسے ہی منظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آدھے سے زیادہ گھر ٹوٹے ہوئے ملتے ہیں۔ بچے تقسیم ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ان کی شخصیتیں بھی تقسیم ہوتی ہیں۔

ویٹر نے اس کے پاس آ کر ایک اور کپ کافی کے بارے میں بہت تہذیب سے پوچھا تو اس نے اقرار کر لیا...... ناصر ابھی تک نہیں آیا تھا اور اسے بہرحال انتظار کرنا تھا۔ بے چینی سے گھڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے اس نے پھر داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔ ناصر کا نام و نشان تو نہیں تھا لیکن ایک پاکستانی جوڑے کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کی نظریں ان پر ٹک گئیں۔ لڑکا بے انتہا غصے میں تھا جب کہ لڑکی بے حد پریشان اور گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ دونوں اس میز پہ بیٹھ گئے جو وکی اور دوست چھوڑ کر گئے تھے۔ احسن نے بغور جائزہ لیا لڑکا بہت ہینڈسم تھا۔ لڑکی گندمی رنگت لیے معمولی نقش و نگار کی مالک تھی لیکن اس کی بے تحاشا بڑی بڑی حسین پُرکشش آنکھوں نے باقی ہر کمی کو پورا

کردیا تھا۔ احسن کی آنکھوں میں اس کے لیے ستائش اُبھری۔ لڑکے نے دونوں کے لیے ڈنر کا آرڈر دیا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔

"چار روز بعد ہماری شادی ہونے والی ہے۔" وہ زیادہ خوش نظر آنے کی بجائے پُرجوش نظر آرہا تھا۔ احسن کچھ جزبز سا ہوگیا۔

"جانتی ہوں اکبر! یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے......!" اس کے لہجے میں نہ صرف ناگواری بلکہ بے زاری بھی تھی۔ احسن مزید حیران رہ گیا۔

"اب تو روزے بھی ختم ہوگئے ہیں ندیا! آج چاند رات ہے اب کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ دادی جان کو وفات پائے بھی مہینہ ہوگیا ہے اور اب جب کہ ہماری شادی کو چار روز رہ گئے ہیں تو پھر ہمیں قریب آنے میں کیا حرج ہے؟"

"یہی تو تمہیں میں سمجھا رہی ہوں اکبر! جب صرف چار روز رہ گئے ہیں تو پھر تم اتنے سے دن صبر کیوں نہیں کرسکتے؟ میں تمہیں پہلے بھی ہزار بار کہہ چکی ہوں کہ میں ذرا قدامت پرست لڑکی ہوں اور شادی سے پہلے کسی صورت بھی تمہاری بات مان نہیں سکتی۔ یہ سب اسلام اور شریعت کے لحاظ سے ناجائز ہے اور میرے لیے ناممکن بھی۔"

"اسلام اور شریعت کو بیچ میں مت لاؤ۔" لڑکے کی آواز غصے میں اونچی ہوگئی۔ اسے شاید ریستوران میں بیٹھے لوگوں کا احساس نہیں تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی زبان کوئی نہیں سمجھے گا۔ احسن نے اپنا ہیٹ تھوڑا سا اور چہرے پہ جھکا لیا۔ دوسروں کی باتیں سننا لاکھ بے تہذیبی سہی لیکن اس لڑکی کی خاطر اسے جانے کیوں تجسس ہوگیا تھا۔

"تم جیسے مڈل کلاس' تنگ نظر لوگوں نے اپنا احساسِ کمتری چھپانے کے لیے مذہب کو بہانہ بنایا ہوا ہے۔ ورنہ میں کیا جانتا نہیں کہ یہاں کیا ہورہا ہے؟ آج کون ہے یہاں جو مغرب کی تقلید نہیں کررہا ہو اور پھر جس ملک میں تم رہ رہی ہو وہاں تو یہ سب باتیں مضحکہ خیز لگتی ہیں۔ بھول گئیں تم وہ کہاوت کہ جیسا دیس ویسا بھیس یعنی جس ملک میں رہو وہاں کے طور طریقے اپناؤ۔" ندیا نے افسوس سے اکبر کے چہرے پہ نظر ڈالی۔ بیرے نے کھانے کا سامان میز پہ سجایا تو دونوں تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے۔

"یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔ میں اپنے دوستوں میں نکو بن گیا ہوں۔ وہ روزانہ مجھ پہ طنز کرتے ہیں کہ ندیا سے تمہاری شادی ہونے والی ہے اور ابھی تک تم اس سے......" ندیا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ چند لمحے تک وہ ساکت بیٹھی رہی' کچھ بول نہ سکی۔

"اوہ خدایا!" اس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کی بڑی بڑی روشن آنکھیں لبالب بھری جھیلوں کی طرح نظر آنے لگیں۔

"تم اپنے دوستوں سے میرے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو' تم نے [illegible] رکھا ہے انہیں......؟"

"بالکل...... بے شک۔" وہ شرمندہ ہوئے بغیر رعونت سے بولا۔ "اور ہماری شرط بھی لگ چکی ہے کہ میں شادی سے پہلے یہ تمغہ سینے پہ ضرور سجاؤں گا اور غور سے سن لو میں یہ شرط کسی قیمت پہ ہارنا نہیں چاہتا۔" وہ رُکی سانسوں کے ساتھ بیٹھی تھی اور احسن کے جسم کا رواں رواں کان بن گیا تھا۔ دل میں اکبر کے خلاف شدید غصہ تھا۔ دل چاہ رہا تھا گھونسہ مار کر اس کی بتیسی اس کے ہاتھ میں پکڑا دے۔

"دیکھو اکبر! پلیز ایسا مت کرو۔ آج چاند رات ہے۔ ہم شاپنگ پہ جاکر خوب باتیں کریں گے۔ ایک دوسرے کے لیے چیزیں خریدیں گے۔ کل عید ہے۔ کتنا مبارک تہوار ہے۔ اسے اکٹھا گزاریں گے۔ میں مزے مزے کے کھانے بناؤں گی۔ ساتھ ساتھ کھائیں گے۔ ڈھیروں باتیں کریں گے۔ اپنی آئندہ زندگی کے پلان بنائیں گے۔ ہمارا ایک دوسرے کے علاوہ ہے کون؟"

"ہونہہ! حماقت......!" وہ تلخ زہریلے لہجے میں بولا۔ "وہ سب بھی ہوسکتا ہے لیکن آج تمہیں ہر قیمت پر میری بات ماننی ہوگی۔" ندیا کے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مایوسی کی انتہاؤں پہ پہنچ چکی ہو۔ اس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہہ نکلے۔ احسن کے دل میں شدید خواہش اُبھری کہ وہ ان قیمتی آنسوؤں کو اپنی ہتھیلیوں پہ روک لے' بہنے نہ دے۔ ایک طویل صبر آزما خاموشی کے بعد اکبر کی آواز آئی۔

"تو پھر کیا کہتی؟" ندیا نے بڑی بے دردی سے اپنے گالوں پہ گرے موتیوں کو رگڑ کر خشک کیا اور پھر تمکنت سے اسے دیکھا۔

"اگر میں انکار کردوں تو......؟" اس کی مضبوط آواز اُبھری تو احسن کی جان میں جان آئی۔

"پھر یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ میں دوستوں میں نکو نہیں بننا چاہتا۔ میں تم سے شادی نہیں کروں گا۔ آخر میری بھی کوئی عزت ہے۔" ندیا سر جھکائے جانے کیا سوچ رہی تھی۔

"اور یاد رکھو! مجھ سے شادی کے بغیر تم یہاں رہ بھی نہیں سکتیں۔ تمہارے پاس امیگریشن بھی نہیں ہے۔" ندیا چند لمحے کچھ نہ بولی۔ پھر سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں بے پناہ اعتماد تھا

"اکبر! تم اپنی عزت کو روتے ہو۔ اگر میں نے

تمہاری بات مان لی تو میں خود سے ساری عمر آنکھ نہیں ملا سکوں گی۔ میری نظر میں اپنی کوئی عزت نہیں رہے گی اور اپنی عزت نفس قربان کرکے میں ایک لمحہ کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی اپنی عزت کا آبدار موتی تم جیسے شخص کے لیے قربان کردوں...... ؟ ہرگز نہیں...... ایوں بھی اگر میں تم سے شادی کے بغیر یہاں نہیں رہ سکتی تو نہ سہی...... میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس پاکستان چلی جاؤں گی۔"

"ہونہہ! پاکستان چلی جاؤں گی...... ان رشتہ داروں کی جوتیاں سیدھی کرنے جن کے لیے تم کوئی حیثیت نہیں رکھتیں...... ؟" اکبر کی آواز میں طنز تھا۔

"تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے اور جن رشتہ داروں کی تم بات کررہے ہو وہ تمہارے ہی والدین ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے گڈ بائے ہمیشہ کے لیے......" وہ اٹھا اور ریسٹوران سے باہر نکل گیا۔

ندیا کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح وہیں بیٹھی رہی۔ احسن کا دل چاہا اس کو جا کر تسلی دے۔ یہ دوسری لڑکی تھی جس نے اس کے دل کو چھوا تھا اور اس سے اس کا مرجھایا چہرہ برداشت نہیں ہورہا تھا۔ دل اس کے لیے کٹ رہا تھا۔ تبھی اس کا موبائل فون بولنے لگا۔ یہ ناصر تھا۔

"ہاں بول!"

"آئی ایم سوری یار! میں نہیں آسکوں گا اچانک سے گلوریا سے ڈیٹ طے ہوگئی ہے اور تمہیں تو پتا ہے چھوڑ نہیں سکتا......"

"لعنت ہے تجھ پر......!" یہ کہہ کر احسن نے غصے سے فون بند کردیا۔ اپنے ملک کے نوجوانوں پہ بھی افسوس ہوا۔ اس کا دل بے اختیار ندیا کی تعریف اور عظمت سے جھک گیا۔ قیمتی ہیرا وہ ہرگز نہیں تھی کہ اس کے پاس تو صرف ظاہری حسن تھا۔ انمول ندیا تھی جس کا دل اور نظریات کسی آبدار موتی کی طرح شفاف اور پاکیزہ تھے۔ جس کی عزت اتنی مقدس تھی کہ اسے سجدہ کرنے کو دل چاہتا تھا۔ احسن نے بے اختیار اس میز کی طرف دیکھا اور اس کا دل بیٹھ گیا۔ کھانوں سے بھری میز چھوڑ کر وہ غائب ہوچکی تھی۔ احسن نے جیب سے چند نوٹ نکال کر میز پہ رکھے اور باہر کی طرف لپکا' چاروں طرف دیکھا' ریسٹوران سے ذرا دور ایک اکلوتی بنچ پہ وہ بیٹھی تھی۔ احسن لپک کر بنچ کے قریب پہنچا...... وہ سوچوں میں گم حزن وملال کی صورت نظر آرہی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں...... ؟" اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموش ہوگئی۔ احسن رضا مندی سمجھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر دونوں خاموش بیٹھے رہے پھر احسن نے ہی ہمت کی۔

"بات تو یہ تہذیب کے خلاف ہے لیکن چونکہ میں آپ کی میز کے بالکل قریب بیٹھا تھا اس لیے میں نے ساری گفتگو سن لی ہے اور یقین کریں مجھے آپ پہ فخر ہے۔" اس نے [illegible] سے اسے دیکھا پھر ان بڑی بڑی آنکھوں میں اشتیاق نمایاں ہوگیا۔

"آپ واقعی ایسا سمجھتے ہیں؟"

"میں [illegible] آپ کا حامی ہوں۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس جانور کے منہ پہ گھونسا مار کر اس کی بتیسی باہر نکال دوں۔" کچھ دیر بعد وہ شرمندہ سی ہوگئی۔ ایک غیر مرد سے اس قسم کی گفتگو شاید اس کی لغت میں شامل نہیں تھی۔ لیکن اس صورت حال نے اسے ششدر کردیا تھا۔ احسن اسے شرمندہ نہ دیکھ سکا۔ دل اس کی طرف کھنچ رہا تھا اور وہ بہت



شدت سے اس صدمہ کو کم کرنا چاہ رہا تھا اور ان معاملات میں اس جیسے ناتجربہ کار شخص کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہے...... تھوڑی دیر دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے پھر احسن ہی بولا۔

"آپ اگر کہیں تو آپ کو آپ کی منزل پہ پہنچادوں...... کہاں ہے آپ کا ٹھکانا...... ؟"

"نہیں......" وہ خوف زدہ ہوگئی۔ "میں اپنے ٹھکانے پہ نہیں جانا چاہتی' کم از کم آج کی رات تو نہیں۔ ویسے اگر آپ مجھے [illegible] زیادہ فارورڈ نہ سمجھیں تو میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔" اس نے ذرا جھجک کر احسن کی طرف دیکھا۔

"آج چاند رات ہے...... اگر آپ مجھے شاپنگ پلازہ پہ لے جائیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔"

"آپ کو اعتبار ہے مجھ پہ...... ؟" احسن نے [illegible]

"پہلی نظر میں ہوگیا تھا۔ مجھے انسانوں کی بہت پہچان ہے۔ یہ میری دادی کہا کرتی تھیں۔"

"یہ میری عین خوش قسمتی ہوگی بلکہ ایک آئیڈیا میرے پاس بھی ہے۔"

"وہ کیا...... ؟" اس کی پرکشش آنکھیں مسکرا اٹھیں۔

"آج آپ گھر نہیں جانا چاہتیں...... میں آپ والے اپارٹمنٹ میں جانے کو تو نہیں کہوں گا لیکن ہم شاپنگ کے بعد کسی ایسے ریسٹوران میں جو چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے' جائیں گے۔ خوب باتیں کریں گے پھر میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں گا۔ دوپہر بارہ بجے تک سونے کے بعد کل عید کے روز میں آپ کو اپنے دوست کی فیملی کے ہاں لے جاؤں گا اور شام کو میرے پاس ایک پیشکش ہے جو میرے لیے تو بے حد خوب صورت ہے آپ کے لیے کیا ہے کل پتا چل جائے گا۔"

دونوں نے شاپنگ کی...... کئی گھنٹے پھرتے رہے۔ جب تھک گئے تو ایک ریسٹوران میں آگئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی زندگیوں کے بارے میں بتایا۔ ندیا اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اور والدین کی ناگہانی وفات کے بعد چچا اور چچی کے رحم وکرم پہ تھی۔ انہوں نے اس سے روایتی بے آسرا لڑکی جیسا سلوک کیا لیکن ندیا زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکی اور اپنی ماں کے زیورات بیچ کر امریکا آگئی۔ اکبر اس کے چچا کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس نے ماں باپ سے ضد کرکے باہر جانے کے لیے رضامند کرلیا۔ اس کے ارادے کیا ہیں پہلے تو ندیا کو علم نہیں تھا لیکن جوں جوں وہ اس پر کھلتا گیا' ندیا پہ اس کا کردار واضح ہوتا گیا پھر جب اکبر نے اس سے شادی کی پیشکش کی تو اس نے یہ سوچ کر اقرار کرلیا کہ وہ یہاں اکیلی کیسے رہے گی۔

"یہ نہیں ہے کہ مجھے اس سے محبت تھی لیکن میں نے سوچا کہ زندگی میں اگر اور کوئی نہیں تو شادی تو بہرحال کرنی ہے۔ پھر ایک خیال یہ بھی تھا بلکہ یوں کہیے کہ خوش فہمی تھی کہ میں اسے بدل لوں گی' اچھا انسان بنالوں گی لیکن یہ میری غلط فہمی تھی۔" وہ بہت مایوسی سے بولی۔

وہ سمجھتی تھی کہ اس نے اپنے والدین سے شادی کی اجازت لے لی ہے...... لیکن اب اسے یقین تھا کہ اس معاملہ میں بھی اکبر نے یقیناً جھوٹ بولا ہوگا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو چچی یا چچا کبھی تو اس معاملے میں اس سے بات کرتے لیکن اب اس کے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا جارہا تھا اور آج تو اکبر کے اصل مکروہ عزائم کھل کر سامنے آگئے تھے وہ ابھی بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بس کھیلنا ہی

اس کا مقصد تھا۔

''خدا کا شکر ہے اس رمضان میں میرے روزے قبول ہوئے۔ میری دعائیں خدا نے اپنے فضل سے قبول کیں اور مجھے اکبر جیسے انسان سے بچالیا۔''

ان دونوں کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں تو دونوں اپنے اپنے گھر سدھارے اور الارم لگا کر سوگئے۔ عید کی نماز کھونا کسی کو گوارا نہیں تھا لیکن نماز پڑھ کر دوبارہ سوگئے۔ اگلے دن بارہ بجے احسن اسے لینے اس کے گھر پہنچا تو اس نے عید کا بے حد خوب صورت لباس پہن رکھا تھا۔ پرپل چوڑی دار پاجامے کے ساتھ پرپل اور فیروزی امتزاج کی جدید کلیوں والی قمیص...... احسن اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ ایک منٹ کے لیے اندر آئیں گے......؟'' وہ شرمائی شرمائی بولی۔ احسن اندر آیا تو ندیا نے اسے صوفے پہ بٹھا دیا اور پھر اندر سے ٹرے میں دو کرسٹل کی خوب صورت پیالیوں میں سویاں لے آئی۔

''میں نے سوچا یہ میٹھی عید ہے اور سویاں کھائے بغیر عید کے دن کی ابتدا کیسے ہوسکتی ہے اور مجھے یہ بھی پتا تھا کہ آپ نے ابھی تک کچھ کھایا نہیں ہوگا۔''

آف وائٹ شلوار قمیص اور براؤن واسکٹ پہنے احسن دلکش لگ رہا تھا۔ وہ دلکشی سے مسکرایا اور پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے سویاں ختم کیں۔ احسن نے ندیا کا شکریہ ادا کیا تو ندیا نے جھک کر اسے سلام کیا۔ احسن تو اس کی اس ادا پہ نثار ہی ہوگیا۔ دونوں جب احسن کے دوست قمر کے گھر پہنچے تو قمر اور اس کی بیوی نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ احسن کسی لڑکی کو وہاں لایا تھا۔ اس کے مضبوط کردار کو سب جانتے تھے۔ احسن نے زیر لب مسکراتے ہوئے سر جھکالیا۔ دونوں میاں بیوی عید کے لحاظ سے خوب تیار تھے۔ بچوں نے بھی اسی موقع کے لحاظ سے خوب صورت پاکستانی ڈریسز پہنے تھے اور خوب اترا رہے تھے۔ احسن نے دونوں بچوں کو عیدی دی تو وہ خوشی سے چہکتے ہوئے شکریہ ادا کرنے لگے۔ بھابی نے گھر کو خوب سجا رکھا تھا جیسے کہ پاکستان میں عید کی صفائی اور سجاوٹ ہوتی ہے۔ کھانا بھی زبردست تھا حتیٰ کہ عید کو خوب صورت بنانے اور اس کا لطف دوبالا کرنے کے سارے لوازمات موجود تھے۔ سائرہ ندیا کے سامنے احسن کی تعریفیں کرتی نہیں تھک رہی تھی۔ ایک موقع پا احسن کے کان میں بولی۔

''لگتا ہے اس رمضان میں تم نے خوب دعائیں کی ہیں اور سچے دل سے کی ہیں جو خدا نے اتنا خوب صورت انعام دیا۔''

ان سے اجازت لے کر وہ کافی کے لیے ایک ریستوران میں آگئے۔ کافی آئی تو احسن نے اسی وقت حال دل ندیا کو سنانے کا فیصلہ کرلیا۔

''ندیا میں عمر میں تم سے کافی بڑا ہوں۔ اب تک میری شادی ہوجانی چاہیے تھی لیکن نہیں ہوئی تو میں اس کی وجہ تمہیں بتانا چاہوں گا۔ آج سے پندرہ سال پہلے مجھے ایک لڑکی سے محبت ہوئی تھی لیکن میں اس وقت شرمیلا نوجوان تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے دل کی بات کہتا اس کی شادی کہیں اور ہوگئی میرا دل شادی سے اچاٹ ہوگیا پھر کوئی اور لڑکی اتنی پسند بھی نہیں آئی کہ شادی کے بارے میں سوچتا۔ اب زندگی میں خدا نے دوسرا موقع دیا ہے کہ کوئی لڑکی دل کو چھو رہی تھی مجھے اس کے خیالات، نظریات اور پاکیزگی نے بہت متاثر کیا ہے۔ میں یہ دوسرا موقع کسی قیمت میں کھونا نہیں چاہتا کہ زندگی بار بار ایسے موقعے نہیں دیتی اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ اتنی جلدی یہ کیسے ممکن ہے۔ ابھی کل ملاقات ہوئی ہے اور آج میں ایسی بات کررہا ہوں لیکن بعض اوقات ایک لمحہ ایسا ہوتا ہے جو ساری عمر پہ محیط ہو کر انسان کو اپنے طلسم میں لے لیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہوا ہے اور مجھے پہلے ہی کافی دیر ہوچکی ہے میں مزید دیر کرنا بہتر نہیں سمجھتا۔ میں بہت زیادہ جلدی بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر تم یہ سمجھو کہ میں تمہارے لیے مناسب ہوں اور تمہیں میری عمر پہ بھی اعتراض نہ ہو تو پلیز میرے ساتھ کچھ وقت گزارو اور مجھے پرکھو پھر اگر تمہارا دل مطمئن ہوجائے تو تمہارے اقرار سے مجھے بہت خوشی ہوگی۔ یہ میری زندگی کی بہترین عید ہوگی۔''

ندیا کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آگئے احسن گھبرا گیا۔

''سوری ندیا! میں نے شاید یہ سب کہہ کر تمہیں تکلیف دی ہے۔ اگر تم راضی نہیں ہو تو مجھے افسوس تو ہوگا لیکن تم فکر نہ کرو میں خود کو سنبھال لوں گا...... کوئی کم عمر تو ہوں نہیں......''

ندیا نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اپنی آنکھیں جھکا کر چہرہ ان ہاتھوں پہ رکھ دیا۔ کتنے ہی موتی ٹوٹ کر ان ہاتھوں پہ گرے اور احسن کو بے چین کرگئے پھر اس نے چہرہ اٹھالیا۔

''پلیز احسن! مجھے گناہ گار نہ کریں...... اگر یہ خواب ہے تو خدا کرے یہ خواب کبھی نہ ٹوٹے...... میں آپ کی عظمت کو سلام کرتی ہوں۔ میری روکھی پھیکی زندگی میں کتنی عیدیں آئیں اور گزر گئیں میں نے کتنی دعائیں کیں لیکن میرے دل کی کلی نہ کھل سکی لیکن یہ عید حقیقی مبارک ہے۔ خدا نے مجھ پہ کتنا فضل اور کرم کیا ہے۔ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں...... اس نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ مجھے آپ پہ اعتماد ہے لیکن اصولاً مجھے کچھ وقت لے کر سوچ لینا چاہیے...... آپ یہ مت سوچیے گا کہ میں کیسی لڑکی ہوں چند روز بعد کسی اور سے شادی ہونے والی تھی اور آج میرا دل بدل گیا؟ میرا یقین کیجیے اکبر سے مجھے کبھی محبت نہیں تھی۔ میری مجبوریاں مجھے اس کے ساتھ جڑنے پہ مجبور کررہی تھیں مگر دل ہرگز مطمئن نہ تھا۔ خدا کا شکر ہے اس نے بچالیا...... مجھے یقین ہے میرا فیصلہ سو فیصد آپ کے حق میں ہوگا' کیونکہ دل کا فیصلہ تو ہوچکا......'' وہ شرما کر بولی تو احسن نے جیب سے ایک مخملی ڈبیا نکالی۔

''مجھے امید ہے کہ یہ انگوٹھی پہننے پہ تمہیں اعتراض نہیں ہوگا؟'' احسن نے ڈبیا ندیا کی طرف بڑھائی۔

''آپ خود نہیں پہنائیں گے؟'' ندیا نے انتہائی معصومیت سے کہا تو احسن نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما اور جذبات کی پوری شدتوں کے ساتھ اسے انگوٹھی پہنا دی پھر اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب اور کیسے وہ ہاتھ اس کے لبوں تک پہنچ گیا۔

''عید مبارک ندیا......!'' اس کی آواز بوجھل تھی۔

''آپ کو بھی عید مبارک ہو!'' ندیا شرمائی۔

احسن کے خیالات میں بے اختیار وکی کی بے باکیاں آگئیں۔ دل نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ یہ عید واقعی مبارک تھی جس نے اسے ندیا جیسا گراں قدر موتی عطا کیا تھا۔

# روشن ہلال عید

سکینہ فرخ

یا حسنِ رفاقت ہو یا ترکِ رفاقت ہو
یا آپ بدل جائیں یا مجھ کو بدلنے دیں
غم وہ کہ لہو کر دیں اندر سے ہمارا دل
ہم وہ کہ پگھل کر بھی آنسو نہ نکلنے دیں

زندگی عذاب ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے اس بات کا اندازہ اسے اپنی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی ہو گیا تھا۔ شروع شروع میں تو ماں باپ کی اچھی تربیت اور شادی سے پہلے کی گزری ہوئی مطمئن اور پُرسکون زندگی کے جمع شدہ خزانے سے صبر و برداشت کے بے شمار سکے نکلتے رہے اور وہ اپنے تئیں اسفند کے گھر والوں کی زیادتیاں بڑے حوصلے سے برداشت کرتی رہی مگر آخر کب تک۔ وہ وقت جلد ہی آ گیا جب زبان پر گزشتہ زندگی کی شیرینی کا ذائقہ معدوم ہو گیا اور موجودہ دور کی تلخی ثبت ہو گئی اسے اپنا وجود ایک دم بے حیثیت اور بے قیمت محسوس ہونے لگا۔ ساس صاحبہ کے طنز ہی ختم نہ ہو رہے تھے۔ سسر صاحب کا زہر میں بجھا ہوا ذو معنی لہجہ تو نندوں کی پس پردہ سازشیں اور ساتھ ساتھ جٹھانوں کا رویہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ دکھ کی بات تو اسفند کا رویہ تھا جس نے پہلے دن ہی سے اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ وہ دونوں ریل کی پٹری کی طرح ہیں ساتھ ساتھ مگر جدا جدا۔ کبھی نہ ملنے والے...... دونوں کے مزاج بالکل الگ ہی تو تھے۔ اسفند اس کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں سمجھتا تھا تو وہ اسفند کے دل کو نہ سمجھ پائی تھی۔ سو ایک عجیب سی دوری دونوں کے درمیان آ موجود ہوئی تھی۔ اسے بارہا یہ احساس ستانے لگا کہ سسرال والوں کی زیادتیاں لڑکی اس قیمت پر برداشت کر لیتی ہے کہ اسے شوہر کی بھرپور رفاقت اور محبت میسر ہو۔ یہاں جب شوہر ہی اپنا نہ بن سکا تھا تو اس کے گھر والے کس خوشی میں برداشت کیے جائیں [illegible] وہ بھی کمر ٹھونک کے میدان میں اتر آئی۔

یہاں جنگ کا انداز [illegible] تھا تو [illegible] میں ہاتھا پائی کا رواج [illegible] میں لپیٹ کے جوتا مارنا یا آدھا [illegible] چھپا کے دوسرے کی ذلت کروانا سب کا محبوب مشغلہ تھا۔ شادی کے شروع کے دنوں میں جب اسے ان سب کی خدمت کا بھوت سوار تھا اور وہ اپنا مقام بنانے کے لیے ہمہ وقت کچن میں کسی نت نئے پکوان بنا رہی ہوتی تھی تو اسے بارہا ذلت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا اور تعریف و توصیف ایک بار بھی نہ ملی۔ بڑی لگن سے قورمہ بنایا میز پر سجایا اور فخر و امید بھری نگاہوں سے

ساس سسر کی طرف دیکھا۔ سسر نے پہلا نوالہ لیتے ہی ارشاد فرمایا۔

"یہ کیا پکا ہے بھئی......؟"

سب کو نظر آ رہا تھا کہ قورمہ بنا ہے مگر سب منہ بند کیے بیٹھے رہے تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"قورمہ ہے ابا جی!"

ابا جی پھر بولے۔ "اچھا! یہ قورمہ ہے؟ ہاں کچھ کچھ خوش بو آ رہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ تو سالن سے بھرپور انصاف کرنے لگے لیکن میز پہ بیٹھے باقی لوگوں کی دبی دبی مسکراہٹ نے اسے ایک نوالہ بھی خوشی سے کھانے نہ دیا۔ ساری ولولہ انگیزی اسی میز پہ دم توڑ گئی۔ بظاہر کسی نے بُرائی بھی نہ کی اور در پردہ بے عزتی بھی کر گئے۔

ساس صاحبہ کو حلوے کا شوق تھا۔ دل لگا کے وہ کبھی چنے تو کبھی گاجروں کے حلوے پر طبع آزمائی کرتی مگر مجال ہے جو انہیں کبھی پسند آیا ہو۔ ہر دفعہ کبھی ان کے حساب سے چینی کم ہو جاتی تو کبھی بھنائی ٹھیک سے نہ ہو پاتی۔ اس کی ساری محنت اکارت چلی جاتی جب اس کے بنائے ہوئے حلوے میں وہ باریک بینی سے بیٹھ کر سو عیب نکالنا شروع کر دیتیں۔ جٹھانیاں منہ دبا کے ہنستیں گویا کہہ رہی ہوں "لو اور بناؤ حلوہ بی بی تو!" اسفند ماں کے ساتھ ان کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ سسر صاحب لاتعلقی سے ٹی وی دیکھتے رہتے۔ پھر اس کی کارگزاری ساس صاحبہ بیٹھ کر فون پر اپنی دونوں لاڈلی بیٹیوں کو بتاتیں۔ خوب چسکے لے لے کر حلوے کے بخیے ادھیڑے جاتے اور قہقہے لگائے جاتے۔ دو تین دنوں کے بعد نندیں میکے آتیں تو نئے سرے سے "حلوہ نامہ" شروع ہو جاتا۔

ایک کہتی۔ "ارے بھابی! آپ امی سے پوچھ لیتیں نا بنانے سے پہلے...... خوامخواہ اتنا سارا سامان ضائع ہوا۔"

اس کا دل چاہتا کہ وہ کہے "کیا ضائع ہوا؟ وہ حلوہ تو پہلے دن ہی صفاچٹ ہو گیا۔ سو سو عیب ہونے کے باوجود سب نے لمبے لمبے ہاتھ مارے۔ اتنا بھی نہیں بچا کہ تھوڑا سا میں اپنے میکے والوں کے لیے لے جاتی۔" مگر وہ خاموش رہتی۔

دوسری بولتی۔ "چلو خیر ہے۔ بھابی کو آہستہ آہستہ ہی یہاں کے لوگوں کا مزاج پتا چلے گا۔ اب بنائیں گی تو شاید بہتر ہو۔" وہ اندر ہی اندر گھٹ کے رہ جاتی۔

اسفند کا خیال تھا کہ اس کے گھر والے بڑے فسوز ہیں۔ سو ہر وقت ہنسی مذاق کے عادی ہیں اور اسے کسی کے مذاق کا ہرگز بُرا نہیں منانا چاہیے۔ جب نندیں اور جیٹھانیاں اس کے لباس سے لے کر قد و قامت تک کو نشانہ بناتیں۔ اسے ہر بات کے جواب میں صرف مسکرانے کی اجازت تھی۔ اسفند کا جیٹھانیوں سے بڑا مذاق چلتا تھا اور جیٹھانیوں کا اسفند پہ تو چلتا نہیں تھا سو اس کا بدلہ وہ اس کی بیوی سے لے کر حساب برابر کرتیں۔ پیار، محبت، خلوص، عزت بانٹنے کا یہاں رواج نہ تھا اور اس نے اب تک کی زندگی میں یہی پایا اور یہی بانٹا تھا لیکن یہاں یہ رواج فروغ دینا اس کے بس میں نہیں تھا کہ ہر اچھا عمل ایک برائی بن جاتا اور وہ اپنی جگہ چور۔ ساس سسر کی خدمت کے لیے آگے پیچھے ہوتی تو اس کو چاپلوسی کا ٹائٹل مل جاتا۔ تنگ آ کے کمرے میں جا بیٹھتی تو سب سے الگ تھلگ رہنے کا الزام سہنا پڑتا۔ جیٹھانیوں سے دوستی کرنی چاہی تو انہوں نے پاس پھٹکنے نہیں دیا ان سے کنارہ کشی اختیار کی تو گھنی سمجھی گئی۔

"یا خدا...... یہ کس حال میں مطمئن ہونے والے لوگ ہیں؟ نہ آگے چلنے دیتے ہیں نہ پیچھے۔"

"جیسا دیس ویسا بھیس! کیا یہ ضرب المثل نہیں سنی تم نے......؟" کسی نے اس کے اندر سے آواز بلند کی اور اس نے اس آواز پر فوراً لبیک کہا۔ اس کے بعد وہ مطمئن تھی۔ بس اب یہ ہنر اسے سیکھنا تھا جو ان لوگوں کے بیچ رہتے رہتے آ ہی جاتا۔

❁ ❁ ❁

تینوں دیورانی، جیٹھانیوں میں کھانا پکانے کی باری بندھی ہوئی تھی۔ وہ دو دن اس کے حصے میں آتے تھے۔ دونوں جیٹھانیاں تو بس سادہ سا کھانا بنا کے سر سے ٹال دیا کرتی تھیں مگر وہ تھی جو جان مار کے کچھ اچھا کرنے کی کوشش کرتی اور پھر منہ کی کھاتی۔ اب اس نے بھی یہی روش اختیار کر لی۔

ساس صاحبہ کی زبان کو جو چسکا لگا تھا خوامخواہ وہ منہ سے تعریف نہ کرتیں۔ مگر کھاتی تو بہت لپک کے تھیں۔ اب جو اس نے ہاتھ کھینچا تو انہیں دھچکا لگا۔

"یہ ترکاری کیسی پکی ہے نہ نمک کا پتا نہ مرچ کا......؟" انہوں نے بے زاری سے میز پہ بیٹھے ہوئے کہا۔

"یہ لیں اماں! نمک اور مرچ جتنی مرضی آئے ڈال لیں۔" اس نے تابعداری سے نمک دان ان کے سامنے رکھ دیا۔

"آج کی روٹی نرم نہیں ہے۔" سسر صاحب بولے۔

"جی ہاں نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کے جواب دیا۔ "آپ چاول لے لیں۔"

"آج تم نے سلاد نہیں بنایا۔" بڑی جیٹھانی نے شوشا چھوڑا۔

"بھابی! فریج میں نہ ٹماٹر تھے نہ ہی کھیرا، سلاد کیسے بنتا؟ یہ تو ہفتہ وار بازار لانے والے کی ذمہ داری ہے کہ سامان حساب سے پورا لائے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو تم کسی سے کہتیں تو......!" جیٹھانی منہ بنا کے بولیں۔

"بھابی! رات کے لیے منگوا دیجیے گا۔ اب دوپہر کا کھانا تو ہو گیا۔" اس نے کسی بات کا اثر لیے بغیر کہا اور پلیٹیں سمیٹنے لگی۔ یہ دیکھے بغیر کہ بھابی کے جس چہرے پر ہمیشہ دبی دبی طنزیہ مسکراہٹ ہوتی تھی اس وقت اس پر خفت کے سائے لہرا رہے ہیں کہ کچن کا سامان لانا ان ہی کی ڈیوٹی تھی۔ اس نے آرام سے برتن اٹھائے اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

❁ ❁ ❁

اتوار کو اس کی باری تھی اور اسی اتوار کو دونوں نندیں بمع بچوں کے وارد ہونے والی تھیں۔ دعوتی کھانوں کی ایک طویل فہرست اس کے ہاتھ میں تھما دی گئی تھی۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ کوئی چیز خراب نہ ہونے پائے۔

"جب محنت کر کے پکاتی تھی تو کیا فائدہ ہوا اب اگر جان بوجھ کے خراب کر دوں تو کیا نقصان ہوگا......؟" سوچ کے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔

اور پھر یہی ہوا قورمے میں پانی زیادہ ہو گیا، پلاؤ کی کھچڑی بن گئی اور کباب میں نمک تیز ہو گیا۔ شیر خرما میں دودھ کا کچا پن اور کچے میووں کی کڑکڑاہٹ......

"اب اگر کوئی برائی کرے گا تو یہ جائز ہوگا۔" وہ مطمئن تھی۔

ساس صاحبہ کھانے کی میز پہ تلملا کے رہ گئیں تو نندیں چور نگاہوں سے اپنے اپنے شوہروں کی طرف دیکھنے لگیں۔ سسر صاحب کا پارہ تو منٹوں میں ہائی ہو گیا۔ اسفند شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا

تھا مگر وہ مطمئن تھی۔ ساس صاحبہ دامادوں کے سامنے تو خاموش رہیں مگر بیٹیوں کے جانے کے بعد اس کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''کیا کروں اماں! اتنی تو کوشش کرتی ہوں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ کسر رہ جاتی ہے۔'' وہ بے چارگی سے بولی۔

''اس کو تم کسر کہہ رہی ہو؟ ارے سارے کا سارا کھانا برباد کر کے رکھ دیا۔ پہلے تو تم پلاؤ ایسا لاجواب بناتی تھیں کہ ہر دانہ الگ الگ اور ذائقہ لاجواب! یہ آج کیا ہو گیا تمہیں......؟'' وہ چڑ کے بولیں۔

''اچھا...... کب اماں؟ میں نے کب ایسا لاجواب پلاؤ بنایا ہے مجھے تو یاد نہیں۔'' اس نے حیرانی ظاہر کی۔ اس سوال کا ساس صاحبہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا کیونکہ انہوں نے تو کبھی اس کی تعریف کی ہی نہیں تھی۔ جو پہلے اس کی پکائی ہوئی چیزوں میں نادیدہ کیڑے ڈھونڈ اور نکالا کرتی تھیں اب شاید ان کی تنقید زیادہ پُر اثر نہیں رہی تھی جب تعریف نہیں تو تنقید کا کیا غم......؟

❁ ...... ❁ ...... ❁

اسفند کا مزاج کئی دنوں تک خراب رہا۔

اسے الجھن ہونے لگی وہ بہانے بہانے سے اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی مگر وہ تھا کہ ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا۔

''تم سے میں نے کہا تھا کہ میرا دل جیتنا ہے تو اماں کو خوش رکھنا ہوگا۔'' وہ ایک تابعدار بیٹے کا رٹا رٹایا جملہ بولا۔

''بہت کوشش تو کی میں نے سب کو خوش رکھنے اور سب کا دل جیتنے کی...... مگر کیا حاصل ہوا؟ یہ لوگ شاید خوش ہونا اور مشکور ہونا جانتے ہی نہیں ہیں۔'' اس نے سوچا مگر خاموش رہی۔

''مگر تم کو تو کوئی پروا نہیں ہے نا میری نہ میرے گھر والوں کی......'' وہ چیخ کے بولا۔

''بہت پروا ہے تمہاری' تمہارے ہی نام پہ تو سب کچھ چھوڑ کے یہاں آئی ہوں۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آئی؟ اور یہ جملہ کہنے سے پہلے تم نے کبھی میرے دل کا کیوں نہیں سوچا یہ کیوں نہیں کہا کہ میں تمہارا دل جیتنا چاہتا ہوں عظمیٰ! بتاؤ میں اس کے لیے کیا کروں؟ بس اپنے دل کی بولی لگا دی اور قیمت میرے بس سے باہر...... میں کیا کروں کہ تم لوگوں کو لگے میں سب کی پروا کرتی ہوں؟ تمہارا دل کیسے جیتوں کہ تمہارے دل پہ تو تمہاری اماں پہرے دار بن کے بیٹھ گئی ہیں۔'' وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔

''ٹھیک ہے کرلو اپنی مرضی!'' وہ خفا ہو کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''میری مرضی؟ ٹھیک ہے تو پھر ایسے ہی سہی!'' اس کا موڈ بھی آف ہو گیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

''ضرورت نہیں ہے میرا کوئی کام کرنے کی'' اسفند نے اس کے ہاتھ سے اپنی شرٹ کھینچتے ہوئے کہا' جس پر وہ استری کرنے جا رہی تھی۔ اس نے آرام سے وہ شرٹ چھوڑ دی۔ اسفند نے ایک لمحے کو اسے دیکھا پھر استری اسٹینڈ پر شرٹ پٹخنے والے انداز میں پھینک کر اپنے سیدھے ہاتھ چلانے لگا۔ وہ اطمینان سے بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی اور ٹی وی آن کر کے چینل کے چینج کرنے لگی۔ اسفند تنتناتا ہوا واش روم میں گھس گیا اور تھوڑی دیر بعد تیار ہو کے ناشتا کیے بغیر دفتر روانہ ہو گیا۔

''نہ جانے یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں......؟'' اس کی آنکھیں خواہ مخواہ آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁



## روحانی مسائل اور ان کا حل

بے دینی کا ماحول ہمارے معاشرے میں ناسور کی طرح سرایت کرتا جا رہا ہے اور ہم اپنے اصل مقام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے ذہنی پریشانی' بیماری' تکلیف' خاندانی اختلاف و افتراق اور معاشی تنگ دستی میں ہم ہر وہ کام کر جاتے ہیں جس کی دین و شریعت ہمیں اجازت نہیں دیتے' بلکہ بعض اوقات دین و ایمان اور عزت و ناموس کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر ہم ماہنامہ آنچل کے قارئین کی راہ نمائی کے لیے روحانی مسائل پر مبنی علاج بالقرآن کالم کا آغاز کر رہے ہیں۔۔ آپ اپنے سوالات صفحہ کے ایک جانب ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک دفتر کے پتہ پر ارسال کریں۔ صرف وہ ای میل شامل اشاعت کی جائیں گی جو اُردو یا رُومن میں ہوں گی ای میل کی سہولت صرف بیرون ملک قارئین کے لیے ہے۔ اندرون ملک (پاکستان) کے لیے صرف کوپن قابل قبول ہوگا۔ ایک کوپن ایک سوال کے لیے ہی کار آمد ہوگا۔ سوال کے لیے کاپی کا ایک صاف ستھرا صفحہ استعمال کریں ایک صفحہ پر ایک ہی سوال درج کریں۔ ایک سے زائد سوالات کے جوابات نہیں دیے جائیں گے۔ ٹیلی فون پر رابطہ کی زحمت نہ فرمائیں۔

ای میل rohanimasail@aanchal.com.pk

پتا: ماہنامہ آنچل' 8 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی

اب وہ اکثر امی کے بتائے ہوئے کام "بھولنے" لگی تھی۔ باتوں کو توڑ موڑ کے آگے بیان کرنے کا طریقہ سیکھ چکی تھی۔ کہاں کیا بات چھپانی ہے اور کتنی بتانی ہے یہ سب شادی کے اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں اس نے اچھی طرح جان لیا تھا۔ اسے کبھی کبھار حیرانی ہوتی کہ جن باتوں سے اسے نفرت تھی اب وہ خود کتنے آرام سے وہی باتیں اپنی زندگی کا حصہ بنا چکی تھی۔ اس عرصے میں اسفند کے علاوہ وہ اس کا سسرال میں کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔ ہوتا بھی کیسے! وہ کون سے آستین چڑھا کے کسی کی زیادتی کا منہ در منہ جواب دے کر بات آگے بڑھاتی تھی۔ وہ تو بس مخمل میں لپیٹ کے جوتے لگانے کا ہنر جان چکی تھی اور ایسی جگہ لگانے کا علم بھی رکھتی تھی جہاں جوتا کھانے والے کو سب سے زیادہ تکلیف محسوس ہو۔ سامنے والا جل بھن کے کباب بن جائے مگر اسے کچھ سنا نہ سکے۔ سسر صاحب کو کھانا ٹائم پہ چاہیے ہوتا تھا اور اس کی باری والے دن یہ ناممکن تھا اور جہاں گھڑی کی سوئی مقررہ وقت سے آگے نکلی وہاں سسر صاحب کی برداشت ختم ہو جاتی تھی۔ اب چاہے وہ غصہ کریں یا ناراض ہوں وہ مسکرا مسکرا کے انہیں کھانا پیش کرتی رہتی۔ اس بات پر وہ اور زیادہ خفا ہو جاتے مگر اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ کون سا وہ ان کی تنخواہ دار ملازمہ تھی جو اس کی تنخواہ سے پیسے کٹ جاتے۔ ساس کو ستانا تو بہت آسان تھا' کھانے میں کبھی مرچ تیز تو کبھی نمک کم۔ سالن ان کے حساب سے نہ بھونا جاتا اور نہ ہی گوشت ان کی پسند کا گلتا۔ یہ تو روز کا معمول تھا انہیں بھنڈی ناپسند تھی تو آئے روز گوشت میں بھنڈی ضرور پڑتی۔ بیٹیاں ان کی کمزوری تھیں سو ان کی بیٹیوں کی آمد پر وہ گھر سے نکل جاتی [illegible] اس وقت بازاروں کی [illegible] خاک چھانتی

پڑے یا کسی نیکی کے گھر دو گھنٹے گزارنے پڑیں۔ کم از کم نندوں کی بکواس سننے سے یہ بہتر تھا۔ جس میں سوائے "ماں نامہ" کے اور کچھ نہ تھا۔ امی کی طبیعت' امی کا کھانا' امی کا کمرا وغیرہ وغیرہ..... جیسی ہدایت اب اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ "اتنا ہی بخار چڑھا ہے ماں کی محبت کا تو خود آ کے کر لیں نا اپنی ماں کی خدمت۔" وہ تنفر سے سوچتی۔ جیٹھانیوں کو اس نے منہ لگانا چھوڑ دیا تھا۔ پہلے ان کا رویہ سرد تھا تو اب اس کے جذبات پر برف پڑ چکی تھی۔ اس کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ کر تو جیٹھانیاں بھی دنگ تھیں کہ جو کام انہوں نے برسوں میں سیکھا تھا عظمٰی چند مہینوں ہی میں سیکھ گئی تھی۔ "سسرال" ہوتا ہی اتنا بڑا ادارہ ہے۔ عظمٰی دل ہی دل میں مسکراتی مگر بظاہر انجان بنی رہتی۔ رہ گیا اسفند تو جب اس کی محبت اور سچے دل کا خلوص اسفند کو نہیں جیت سکا تو اب اپنی کوئی خواہش اس کے دل میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک رسمی سا تعلق تھا اس کا اسفند کے ساتھ..... وہ کسی دور کے رشتے دار کی طرح اسفند کا خیال تو رکھ لیتی مگر اسفند کو کبھی کبھار دورہ سا پڑ جاتا اور وہ گھر والوں سے [illegible] اور اس کے انداز پرکھتا اور پھر کئی دنوں کے لیے دونوں کی بول چال بند ہو جاتی۔ عظمٰی کو اس کی کوئی پشیمانی نہ تھی۔

"یہ لوگ [illegible] محبت کے قابل ہی نہیں ہیں۔" وہ اپنے [illegible] سے فراموش کر جاتی۔

پھر اچانک ہی اسے اپنے اندر کسی تبدیلی کا احساس ہوا اور جلد ہی یہ انکشاف ہوا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ یہ خبر اس کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا تھی۔ یوں لگا جیسے سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا ہو یا چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ابر کا کوئی ٹکڑا اس کے سر پہ آ کے سایہ فگن ہو گیا ہو۔ وہ تو خیر خوش تھی ہی یہ خبر اسفند اور باقی گھر والوں کے لیے بھی بے حد خوشی کا باعث تھی اور



ان کی خوشی پر عظمٰی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہونہہ! ڈھکوسلے.....! سب اداکاری کر رہے ہیں۔" وہ یہی سوچتی۔ اب اسے اسفند سمیت کسی کی محبت پر یقین نہیں رہ گیا تھا۔

ساس اس کی طبیعت پوچھتیں یا نندیں خیریت پوچھنے کو فون کرتیں تو اسے لگتا کہ سب ڈرامہ کر رہی ہیں۔ اسفند کا رویہ بدل گیا تھا وہ اب ہر وقت اس سے منہ ماری نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا خیال رکھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ ان سب کے باوجود اس کا دل کے آئینے پہ جمی گرد صاف نہ ہو سکی۔ وہ اپنی امی اور بہنوں سے گھنٹوں فون پر بات کرتی اور کئی کئی دفعہ دہرائی ہوئی شکایات کو نئے سرے سے دہراتی اور جب گفتگو ختم ہوتی تو اس کے دل [illegible] سب سے بدظن ہو چکا ہوتا۔ شاید اب وہ کسی کو معاف کرنے پہ تیار نہیں تھی۔ اسے ہر وقت یہی محسوس ہوتا تھا کہ اس کے سچے خالص جذبوں کا اسفند سمیت سب نے مذاق اڑایا ہے' توہین کی ہے اور اب اسے یہ حق حاصل ہے کہ سب کو نگاہوں سے گرا دے۔

وہ زیادہ تر کمرا بند کیے پڑی رہتی اگر باہر نکلتی اور ساس سسر' جیٹھانیوں یا نندوں میں سے کسی کو ساتھ بیٹھے بات چیت کرتے دیکھتی تو اسے یہی محسوس ہوتا کہ وہ لوگ اس کی ہی برائی کر رہے ہوں گے۔ شروع شروع کا جوش ٹھنڈا پڑا تو سارے سسرال والے پرانی روش پر واپس آ گئے اور جو اسے ایک دم تھوڑی بہت اہمیت ملی تھی وہ کسی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ساس نے دوبارہ اس کے کام میں کیڑے نکالنے شروع کر دیے تو اس نے جان بوجھ کر اپنے ہر کام میں خود ہی تھیلے بھر بھر کیڑے ڈالنے شروع کر دیے۔ ساس تلملاتیں تو اسے بڑی خوشی ہوتی۔

اسفند کسی بات پہ چڑتا تو اس کے دل کو سکون ملتا۔ اس کی دیکھا دیکھی جیٹھانیوں نے بھی پر پرزے نکالنا شروع کر دیے اور وہ جو ابھی تک صرف پس پردہ سازشوں میں مصروف تھیں' کھل کے سامنے آ گئیں اور فقط چند مہینوں کے اندر ہی گھر کے حصے بخرے ہو گئے۔ سب اپنے اپنے شوہروں کو سمیٹ کے بیٹھ گئیں اور ساس سسر ہکا بکا سب کے منہ دیکھتے رہ گئے۔ نندوں کا میکے آنا برائے نام رہ گیا' وہ اپنے شوہروں کے ساتھ میکے آنے سے کترانے لگیں' وہ دعوتیں' کھانا پینا سب خواب و خیال ہو گیا۔

دونوں بڑے بھائیوں کی فیملی بڑی ہونے کی وجہ سے ساس سسر اس کے حصے میں آ گئے تھے' اسے اپنے گھر میں ان لوگوں کا وجود ایک آنکھ نہ بھاتا مگر اسفند ماں باپ کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اپنے ساتھ لیے آیا تھا اور اس کے کڑے تیور بھی بتا رہے تھے کہ وہ عظمٰی کی ایک نہیں چلنے دینے والا تھا۔

"خیر! کوئی بات نہیں۔ ذرا فارغ ہو لوں پھر یہ معرکہ بھی سر کر ہی لوں گی۔" اب اسے اپنی چالاکی پر بڑا مان ہو چلا تھا۔

رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو گیا اور اس کی ڈلیوری میں صرف ایک ماہ باقی تھا۔ سحری اور افطار کی تیاری اور بڑھتے ہوئے کاموں کے ساتھ ساتھ صحت کی خرابی اور اوپر سے روزے رکھنا' وہ کافی چڑچڑی ہونے لگی تھی۔ ساس بے چاری تو جیسے اب بن ہوا کے غبارے کی طرح ہو گئی تھیں۔ سارا تنتنا ختم ہو گیا تھا اور انہوں نے عظمٰی کے کاموں میں دخل اندازی بالکل چھوڑ دی تھی۔ وہ جو پکاتی جیسا پکاتی چپ چاپ کھا لیتیں' پہلے کی طرح جائز ناجائز تنقید نہیں کرتی تھیں۔

عظمٰی اسفند کے سامنے تو ساس اور سسر کے

آگے پیچھے ہولیتی مگر اس کے جانے کے بعد عظمیٰ کے پاس کسی فالتو کام کے لیے وقت نہیں تھا۔ افطار کا زیادہ تر سامان تو اسفند بازار سے ہی لے آتا اور جو کچھ تھوڑا بہت اسے بنانا پڑتا' وہ بھی اس کے لیے بھاری تھا۔

آخری عشرہ شروع ہوچکا تھا۔ ہر طرف ایک نورانی ماحول طاری تھا۔ دنیا بھر کے سارے مسلمان حسب توفیق نیکیوں کے خزانے جمع کرنے میں مصروف تھے اور ربّ العالمین اپنی رحمتیں لٹانے میں۔ نہ جانے کیا بات تھی اس بار اس کا دل عبادت کی طرف مائل نہیں ہورہا تھا ورنہ وہ ہر سال رمضان میں کئی کئی قرآن ختم کرتی اور آخری عشرے میں تو پوری پوری رات جاگ کر اللہ کے حضور سجدہ ریز رہا کرتی تھی اور اب یہ حال تھا کہ فرض نمازیں بھی بھاری لگ رہی تھیں۔ اس نے سوچا شاید اس کی وجہ طبیعت کی مسلسل مندی ہے مگر اس کے دل نے کہا نہیں یہ کوئی اور مسئلہ ہے...... کچھ بھی ہے' وہ ایک عجیب سی بے یقینی کی کیفیت کا شکار تھی۔ اس کی عبادت بے روح ہوکے رہ گئی تھی۔

''یہ مجھے کیا ہوگیا ہے......؟'' وہ حیران ہوکے سوچتی اور جھنجلائی رہتی۔

❋......❋......❋

ستائیسویں شب کو اس نے عہد کیا تھا کہ کچھ بھی ہوجائے آج کی رات دل کیسا بھی ہو میں ضرور جاگوں گی۔ افطار میز پر لگا کے اس نے فٹافٹ غسل کیا اور تازہ دم ہوکے سب کے ساتھ روزہ کھولا۔

''اے اللہ! مجھے اپنی رحمت سے محروم نہ کرنا۔ میرے دل کے بند دروازے کھول دے۔'' یہ دعا کرتے کرتے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ طویل عرصے کے بعد دل ہلکا سا قرار آیا۔

ٹی وی لاؤنج میں سب موجود تھے اور ایک اسلامی چینل لگا ہوا تھا۔ وہ بھی سب کے ساتھ آ کے بیٹھ گئی۔ اس نے سب کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرانی دیکھی۔ وہ بڑے عرصے کے بعد اس طرح سب کے درمیان آ کے بیٹھی تھی اور اب لوگ ہی کتنے رہ گئے تھے۔ وہ' اسفند' امی اور ابا...... بس!

ٹی وی پر ایک مولانا صاحب وعظ کررہے تھے۔

''اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ مومنوں کے دل جب دنیاوی کثافتوں سے پاک ہوتے ہیں تو یہ نور ان کے دلوں میں گھر کرلیتا ہے' جس دل میں بغض ہوگا وہاں اللہ کا نور نہیں ہوگا' جہاں کینہ ہوگا' کدورت ہوگی' دھوکا ہوگا' جھوٹ ہوگا ایسے دل کبھی بھی اس نور سے روشن نہیں ہوں گے۔ جو دل پاک وصاف ہوں گے' ہر آلائش' ہر برائی اور ہر برے ارادے سے وہی اس نور سے جگمگائیں گے۔ وہی سکون پائیں گے۔ آج کے دور کی بے سکونی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے اپنے دلوں میں دنیاوی کثافتیں جمع کرلی ہیں اور روشنی کے سارے راستے اپنے اوپر بند کرلیے ہیں' پھر کہتے ہیں کہ جینے میں لطف کیوں نہیں آتا' عبادت میں مزہ کیوں نہیں آتا؟ دل سے یقین کیوں اٹھتا جارہا ہے؟ زندگی بوجھ کیوں بنتی جارہی ہے' سارے سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ جب دلوں میں اندھیرا چھا جائے تو پھر یہی حال ہوتا ہے۔''

عظمیٰ کو اپنے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تھے پہلے وہ معصوم تھی' بچی تھی اس کا دل کثافتوں سے پاک تھا۔ اس لیے اس کے اندر اور باہر روشنی تھی مگر اب......! اب اس کا دل بغض و عداوت سے لبریز ہوچکا تھا اور زبان غیبت اور شکایت سے آلودہ! پھر ایسی صورت میں کہاں جینے کا مزہ یا عبادت کا لطف...... زندگی کتنی بوجھل ہوگئی تھی۔



''لیکن اس میں میری کیا غلطی...... ابتداء تو ان لوگوں ہی نے کی تھی۔ مجھے برائی کرنے کے لیے ان ہی لوگوں نے اکسایا تھا۔'' اس نے اپنے دفاع میں دلیل پیش کی۔

''انہوں نے برا کیا تو تم نے کون سا اچھا کردیا؟ اسی کو تو آزمائش کہتے ہیں۔ سب اچھے تو تم اچھے اس میں کیا کمال ہے؟ کمال تو اس میں ہے کہ سب برے بھی ہوں تو بھی تم اپنی سچائی اور اچھائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو...... اللہ تو نیتوں کا حال جاننے والا ہے' اپنی نیت کو خراب کرکے دل کو آلودہ نہ کرو' دنیا کو اس کے حال پہ چھوڑ دو۔'' اس کے ضمیر کی آواز بلند ہوئی۔

اس رات وہ جی بھر کے روئی' اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ صبح فجر کی نماز کے وقت اس نے دل میں وہی پہلا سا سرور محسوس کیا جو بہت پہلے نماز پڑھ کر محسوس ہوتا تھا۔ دل جیسے دھل کے پاک وصاف ہوگیا تھا' طبیعت کا بوجھل پن دور ہوگیا تھا۔

اس صبح اس نے بڑے عرصے کے بعد مسکرا کے اسفند کو خدا حافظ کہا اور گیٹ تک چھوڑنے گئی۔ اسفند کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ ابا امی اپنے کمرے میں تھے۔ ابا اخبار پڑھ رہے تھے اور امی کے ہاتھوں میں تسبیح تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی ان کے پاس جاکے بیٹھ گئی۔ جو حیرت اسفند کی آنکھوں میں اتری تھی' وہی اسے امی کی آنکھوں میں بھی نظر آئی۔

''امی! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے؟'' وہ آہستہ سے بولی۔

''ہاں کہو! کیا بات ہے؟'' ان کا لہجہ بھی حیرانیاں سمیٹے ہوئے تھا۔

''امی! بڑے دن ہوگئے' شگفتہ آپا اور نازنین بھابی نہیں آئیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ان دونوں فیملی کو اور ساتھ ہی جاوید بھائی اور سجاد بھائی کی

فیملیز کو بھی کھانے پر بلایا جائے۔ سب اکٹھا ہو کر مل بیٹھیں گے۔ بہت دن ہوگئے کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔" امی نے اپنا مدعا بیان کیا۔

امی کا چہرہ جیسے کھل اٹھا۔ وہ شاید یہ خواہش دل میں دبائے بیٹھی تھیں شاید سوچتی ہوں گی کہ اب اس کا اظہار بے کار ہے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں...... !مگر تمہاری حالت!" وہ ذرا تذبذب میں پڑ گئیں۔

"نہیں! آپ حالت کی فکر نہ کریں۔ کچھ چیزیں باہر سے منگوا لوں گی' کچھ میں بنا لوں گی پھر فضیلت تو آئی ہی ہے اس کو کچھ پیسے زیادہ دے کر سارے دن کے لیے روک لوں گی' وہ مان جائے گی۔ اصل مقصد تو سب کا مل بیٹھنا ہے۔ بس آپ فون کر کے سب کو مدعو کرلیں اور دن بھی سب سے پوچھ کے طے کرلیں' جس میں سب کے لیے سہولت ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں آج ہی سب سے بات کرتی ہوں۔" انہوں نے مسکرا کے بہو کی طرف دیکھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

طے یہ پایا تھا کہ چاند رات کو سب اکٹھے ہوں گے۔

"اگر روزہ انتیس کا ہوگیا تو کیا ہوگا' تیس کا ہوا تو کیا کرو گی؟ چاند رات کی دعوت میری سمجھ میں نہیں آئی۔" اسفند چڑ کے بولا۔

"چاند رات تو چاند رات ہی ہوتی ہے۔" وہ مسکرائی۔

"ہاں مگر یہاں تو آخری وقت تک یہی پتا نہیں چلتا کہ چاند نکلا بھی ہے یا نہیں۔ کبھی رات کے بارہ بجے خبر آتی ہے تو کبھی اگلے دن تک شک و شبہ میں رہتا ہے کہ آج عید ہے یا روزہ!" اسفند نے کہا۔

"اور کبھی کبھی ایک دن آدھا پاکستان عید منا رہا ہوتا ہے اور آدھا روزہ رکھ رہا ہوتا ہے۔" اس نے ہنس کے کہا۔

"یہ ہنسنے کا نہیں رونے کا مقام ہے۔" اسفند خفا ہو کے بولا۔

"چلیں آپ کا مسئلہ میں حل کردیتی ہوں' پچھلے دو چاند یعنی شعبان اور رمضان کے انتیس انتیس کے ہوئے تھے تو اس عید کے چاند کے لیے قوی امید ہے کہ تیس کا ہوگا۔ ماہر فلکیات کی پیش گوئی بھی یہی ہے اور اس کے باوجود اگر چاند پہلے نکل آیا تو کوئی بات نہیں اس دن عید ہو جائے گی اور دعوت عید کے دن ہوگی۔ مسئلہ حل......!" اس نے جلدی جلدی کہا۔ اسفند کچھ کہے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کے بدلے ہوئے انداز پہ حیران تھا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

تیس روزے ہی پورے ہوئے۔ چاند رات کو بڑی گہما گہمی تھی۔ سارا خاندان اکٹھا ہوگیا تھا امی کا چہرہ خوشی سے گلنار تھا تو سارے بہن بھائی ایک دوسرے سے مل کے شاد نظر آرہے تھے یوں لگا جیسے پورے خاندان پر مہینوں سے چھایا ہوا جمود ٹوٹ گیا۔ سرد مہری کی برف پگھل گئی اور سے ناراضی بھاپ بن کے ہوا میں تحلیل ہوگئی۔ اس ملاقات کے اختتام پر تجدید تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو رہا تھا۔ عید کے دن جاوید بھائی اور فائزہ بھابی نے سب کو اپنے گھر کھانے پہ مدعو کرلیا تو عید کے تیسرے دن سجاد بھائی اور نازیہ بھابی نے دعوت رکھ دی۔ ٹوٹنے والا خاندان ایک بار پھر اکٹھا ہونے لگا تھا ورنہ علیحدگی کے بعد کسی نے مڑ کے دوسرے کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی مگر اب ساری بدمزگی دور ہوگئی تھی اور کریڈٹ یقیناً اس کو جاتا تھا شاید سب کے دل میں ملنے کی خواہش ہو مگر پہل کون کرے کا خیال بھی شاید سب کے دلوں میں



موجود تھا۔ سب کے واپس جانے کے بعد امی نے اسے گلے سے لگایا اور اس کا ماتھا چوم کے اسے دعا دی تو اسے لگا جیسے اس نے ایک مرحلہ طے کرلیا ہو۔ اسفند کی آنکھوں میں بھی شکر گزاری اور محبت کے ملے جلے اثرات نظر آرہے تھے مگر حسب عادت وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ اس کو اب دل کی دھڑکنیں سننے کا فن آ گیا تھا اس لیے وہ مسکرا کے چپ ہی رہی۔

عید کی رات ہی اسے اسپتال جانے کی ضرورت پڑ گئی۔ عید کی صبح سویرے اس کے بیٹے نے دنیا میں آنکھیں کھولیں اور اس کا شکر سے رب کے حضور سجدہ ریز ہوگیا۔ اس کی امی اور ساس دونوں ہی اس کے پاس تھیں۔ اسفند نے ساری رات اسپتال میں گزاری تھی اور بیٹے کی شکل دیکھ کر بھاگم بھاگ عید کی نماز کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ واپسی میں تو سارا خاندان ہی اس کے ساتھ تھا۔

"بھئی عیدو میاں نے تو سب کی عید کی خوشی دگنی کردی۔" دادی نے پیار سے پوتے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نام تو بہت اچھا رکھا ہے آپ نے' عیدو میاں!" دادا ہنسے۔

"آج میرے گھر پہ ہونے والی دعوت اب یہاں اسپتال کے اس کمرے میں ہوگی۔" جاوید بھائی نے ہنس کر کہا۔

"دعوت ہی کیا' اس دفعہ کی عید بھی سب لوگ یہیں منائیں گے۔ عظمیٰ اور اس کے بچے کے ساتھ......" امی نے مسکرا کے بہو کو دیکھا۔

"بڑی یادگار عید ہوگی یہ تو اور ہمیشہ یاد رہے گی۔" شگفتہ آپا بولیں۔

"آپ لوگوں کے لیے اس عید کو یاد رکھنے کا جو حوالہ ہے وہ بھی اپنی جگہ اہم مگر میرے لیے تو یہ زندگی کی سب سے زیادہ یادگار عید کسی اور وجہ سے ہے کہ اس بار میں نے زندگی کے راز کو پایا ہے۔ اس عید پہ مجھے خوشی حاصل کی یہ کہ خوشی برائی کو مٹانے کی ہے۔ یعنی یہ کہ برائی کو برائی سے کبھی بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جو برائی کے جواب میں برائی کرنے میں وہاں خرابیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے' جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں البتہ برائی کو بھلائی سے مٹایا جاسکتا ہے۔ میں نے پہلے اپنے اچھے کاموں کا صلہ چاہا تھا۔ نیکی' نیکی کے لیے نہیں کی تھی بلکہ تعریف و توصیف کے لیے کی تھی اور اب جب نیک نیتی کے ساتھ چھوٹا سا اچھا قدم اٹھایا تو جیسے دنیا ہی بدل گئی' بہتری کا آغاز ہوگیا۔ امید ہے یہ بہتری قائم رہے گی اور اگر کوئی مسئلہ بھی ہوا تو بھی مجھے یقین ہے کہ میری نیک نیتی کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔" عظمیٰ سب کو خوش باش ہنسی مذاق کرتے' خوش گپیاں کرتے دیکھ کے دل ہی دل میں عہد کر رہی تھی۔ اسفند موقع دیکھ کر اس کے نزدیک آیا اور دھیرے سے بولا۔

"عید مبارک......!"

"آپ کو بھی بہت بہت عید مبارک!" عظمیٰ نے بھی آہستہ سے کہا۔

دونوں کو یوں لگا جیسے سارے فاصلے ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئے ہوں۔

# ظلمتوں کے چراغ

فرح اسلم قریشی

تعبیر جو مل جاتی تو اِک خواب بہت تھا
جو شخص گنوا بیٹھا میں نایاب بہت تھا
میں کیسے بچا لیتا بھلا کشتیِ دل کو
دریائے محبت میں سیلاب بہت تھا

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں نے آخر بار ابا کی سلوٹ زدہ ٹھنڈی پیشانی پر ہاتھ پھیرا تھا اور اپنی کانپتی انگلیوں کے نیچے ان سلوٹوں میں بیتی زندگی کے ماہ و سال کو ٹٹولنا چاہا تھا مگر میرے احساس کے محدود پیمانے میں بھلا ابا کی مشقت اور تفکرات سے بھری زندگی کا سمندر کہاں سما سکتا تھا۔ ان کے چہرے کی اک اک شکن میں برسوں کی انتھک محنت اور کڑے وقت کی کہانی رقم تھی جو مجھ جیسی نافرمان اولاد کی سمجھ میں کبھی نہ آسکتی تھی۔ ان کے مرنے سے چند ماہ پہلے ہی کی تو بات تھی جب شہریار نے مجھ سے کہا تھا۔

"یار پیپر ختم ہوگئے ایسا لگ رہا ہے جیسے آزادی ملی ہو۔ جان سولی پر اٹکی ہوئی تھی۔"

"کہاں یار! میری جان تو ابھی بھی سولی پر ہی ہے۔ ابا کی شکل میں سہ ماہی امتحان کی تلوار ابھی میرے سر پر لٹک رہی تھی۔ آتے ہی ان کی ڈانٹ پھٹکار نصیحتیں اور پابندیاں شروع ہوجائیں گی اور جاتے وقت اگلے تین مہینوں کا ہوم ورک بھی ہاتھ میں تھما جائیں گے۔" جب میں واپس آؤں تو یہ کام ہوجائے وہ کام ہوجائے۔" میں نے بیزاری سے کہا تھا اور میرے اردگرد دوستوں کے قہقہے یوں بکھرے تھے جیسے ڈھیروں کنکریوں کا تھال میرے وجود پر الٹ دیا گیا ہو۔

"ابے یار! کیا مسئلہ ہے تیرے ابا کا۔" ایک پرانا سوال نئے لفظوں میں داغا گیا تھا۔

"بس اپنی جوانی کی محرومیوں کا بدلہ لیتے ہیں مجھ سے......! دادا نے بڑی پابندیاں لگائی تھیں نا ابا پر۔" میں نے اس وقت شاید ابا کا مذاق اڑایا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ فلک پر تھوکا ہوا اپنے ہی منہ پر گرتا ہے۔ مگر اس وقت میں سوچنے سمجھنے کی اہلیت کہاں رکھتا تھا۔

"دیکھ یار! تو پریشان مت ہو۔ صرف سنا کر سر جھکا کر کر اپنے من کی۔" فیصل نے اپنے تئیں بہت اچھا مشورہ دیا تھا۔ گویا دوستوں کے مشورے تھے سازشوں کے ساتھ ساتھ۔ مگر اس وقت تو مجھے ابا کی نصیحتیں اور پابندیاں ہی سب سے بڑی سازش لگتی تھیں۔ اماں سمجھاتیں آپا گڑگڑاتیں۔

"تو ابا کو دشمن مت سمجھ۔ وہ تیرے بھلے کو ہی ڈانٹتے ہیں۔ انہیں تجھ سے پیار بھی تو بہت ہے نا! وہ ڈرتے ہیں تجھے کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔"

"یہ کون سا طریقہ ہے محبت کرنے کا؟" میں آپا پر چڑھ دوڑتا۔ "تین مہینے بعد آتے ہیں زمینوں سے اور ڈانٹ ڈپٹ' پابندیاں اور اگلے تین مہینوں کا ہوم ورک دے کر چلے جاتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے! ان باتوں کو اچھی طرح دماغ میں بٹھالے ورنہ سارا بھوسا نکال دوں گا دماغ سے۔ واپس آؤں تو فلاں کام ہوجانا چاہیے۔" میں منہ بگاڑ کر ابا کی نقل اتارتا تھا۔

اور آپا ناراض ہوجاتیں۔

"دفع دور...... نالائق کہیں کا! اللہ نے ایک بھائی دیا وہ بھی تجھ جیسا نافرمان۔" میں ان کی بڑبڑاہٹ پر سر کھجاتا باہر نکل جاتا۔ میں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ کسی کی بات نہیں سننا بس......!

پھر ابا کی وفات کے بعد منشی جی آگئے۔ وہ کچھ دیر میرے چہرے کو دیکھتے رہے پھر بولے۔

"میں یہ زمینوں کا حساب کتاب لے کر آیا تھا۔ تمہیں سمجھا دیتا ہوں ورنہ اس سے پہلے تو اصغر بھائی (ابا) ہی دیکھ بھال کرتے تھے۔ تمہارے سر تو کوئی ذمہ داری ہی نہیں تھی۔" مجھے اچھی طرح یاد ہے ان کی اس بات پر میں جز بز ہوکر رہ گیا تھا۔ کیونکہ گھر کا سودا سلف لانا اور دیگر چھوٹے موٹے کام میرے نزدیک ابا کے کام سے بھی بڑی ذمہ داری تھی۔ جس کا طعنہ میں اماں کو واشگاف الفاظ میں دیا کرتا تھا۔ میرے چہرے کے تاثرات شاید منشی جی نے بھی پڑھ لیے تھے اس لیے دھیرے سے ہنس کر بولے۔

"بھائی اصغر اکثر کہا کرتے تھے لوگ گاڑی کے آگے گھوڑا جوتتے ہیں اور میرا دلاور گھوڑے کے آگے گاڑی جوتتا ہے اور اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے

کے لیے اگر اسے خود بھی گاڑی گھسیٹنی پڑ جائے نا تو وہ پروا نہ کرے گدھا ہے گدھا۔" پھر بڑے زور زور سے ہنستے تھے۔ انہیں تیری غلطیوں سے بھی پیار تھا دلاور! بڑا نصیب والا ہے تو۔"

بولتے بولتے ان کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔ وہ ٹھہر گئے اور پھر بولے۔

"وہ تیرے امتحان کے دنوں میں بار بار مجھ سے وقت معلوم کرتے تھے۔ ایک دن میں نے پوچھا۔ بھائی جی! یہ بار بار وقت کیوں معلوم کرتے ہو تو ہنس کر بولے۔ "میرے دلاور کا پرچہ دو بجے شروع ہوگا۔ بس اسی وقت میں نے مصلیٰ سنبھال لینا ہے۔ تین گھنٹے کے پرچے کے لیے اگر تین منٹ بھی رب کے حضور فریاد کرلوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ میرے دلاور کا پرچا اچھا ہو جائے گا۔" منشی جی نے آنکھیں صاف کی تھیں۔

"دلاور پتر! اتنا یقین تو تجھے اپنی محنت پر بھی نہ ہوگا جتنا مجھے بھائی جی کی دعا کی قبولیت پر تھا۔ حق باہُ کیا انسان تھے بھائی جی۔" اس وقت میں یک ٹک منشی جی کو ہی دیکھ رہا تھا۔ کوئی خاص احساس تھا ابا کے لیے جو اس سے پہلے کبھی محسوس ہی نہیں ہوا تھا۔

"دلاور پتر......!" منشی جی کی آواز پر میں چونکا تھا۔ "تیری پڑھائی تو ختم ہو گئی نا!"

میں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا حالانکہ ابھی بی کام کا فائنل باقی تھا مگر پتا نہیں کیوں اس وقت مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب میری پڑھائی یہیں ختم ہو جائے گی۔ اب میں کبھی امتحان میں پاس نہیں ہو سکوں گا اور پھر ایسا ہی ہوا تھا میں بی کام پاس کر ہی نہ سکا بلکہ یہی کیا زندگی [illegible] سے امتحانات میں ناکام ہوتا چلا گیا۔ [illegible] ہیں ماں کی دعاؤں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ہاں ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اماں نے میری نافرمانی پر دوپٹا پھیلا پھیلا کر دعا مانگی تھی۔

"دلاور! اللہ تجھے اپنے باپ کی محبت کی سمجھ دے۔" اماں کی دعا قبول تو ہوئی مگر ابا کی موت کے بعد......! ورنہ ان کی زندگی میں تو ان کی محبت میرے لیے ہمیشہ آزار ہی بنی رہی۔ ابا کی وہ محبت جو مجھے دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو کرنا چاہتی تھی۔ اسے میں نے ہمیشہ مصیبت سمجھا۔ ان کی محبت اور چاہت کے پھول میری زندگی میں ہر طرف کھلے ہوئے تھے۔ مگر میں ہی قدر نہ کرسکا۔

❖......❖

بچپن میں رمضان کا مہینہ شروع ہونے پر مجھے جتنی خوشی ہوتی تھی اس کا اندازہ شاید ہی کسی کو ہو سکے مگر اس خوشی کی وجہ روزہ یا تراویح کی برکتیں نہیں افطاری اور عید کی رونقیں ہوتی تھیں۔ مگر جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا مجھے رمضان سے خوف آنے لگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رمضان کا پورا مہینہ ابا [illegible] ساتھ گزارتے تھے وہ پورا مہینہ میرے لیے کسی امتحان سے کم نہیں ہوتا تھا۔ سحری میں [illegible] اٹھا دیتے پھر فجر کی نماز کے لیے [illegible] ساتھ لے کر جاتے۔ نماز کے بعد [illegible] قرآن پڑھتے اور مجھے بھی ساتھ [illegible] پانچوں نمازیں میں مسجد میں ان کے ساتھ [illegible] حالانکہ مغرب کے بعد تو میرا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ مسجد کا رخ کروں مگر ابا کے خوف سے جانا پڑتا اور پھر ڈیڑھ دو گھنٹے کی تراویح......! میری تو جان جاتی تھی اس سے مگر ابا کی موجودگی کی وجہ سے مجھے پورے مہینے اس جاں کنی جیسی کیفیت سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ٹی وی دیکھنا ممنوع اور اس جیسی دیگر خرافات پر پابندی غرض میں جلتا کڑھتا خوب کلستا مگر ابا کے آگے دم نہیں مار سکتا تھا اور تو اور چاند رات کو جو وہ مجھے لے کر نکلتے تو نہ جانے کتنے گھروں میں عید کا سامان اور عیدی دیتے ہوئے فجر میں کہیں جا کر گھر میں داخل ہوتے۔ مجھے یہ سب بہت برا لگتا تھا البتہ صغریٰ خالہ، احمد چاچا اور سرفراز بھائی جیسے نہایت غریب اور مفلس لوگوں کو ابا کی اور اپنی آؤ بھگت کرتا دیکھ کر ایک [illegible] اور تفاخر میرے اندر سر ضرور اٹھاتا تھا۔ ان تمام کاموں میں بس یہی اک بات میرے [illegible] اعتنا تھی کہ کتنے لوگ ہمارے [illegible] تھے۔ یہ احساس برتری ایک [illegible] دیتا تھا۔ مگر پھر بھی جانے سے پہلے [illegible] منع کرتا تو ابا ڈانٹ کر کہتے۔

"عید صرف تیرے لیے نہیں ہے یا تجھ جیسے [illegible] کے لوگ ہی عید کی خوشیوں کا حق لینے نہیں آئے۔ غریب کو بھی حق ہے کہ وہ اس خوشی میں شامل ہو جو پروردگار نے بلاتفریق سب کے لیے اتاری ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کریں جو حالات کے باعث اس خوشی میں شامل نہیں ہو سکتے۔"

اس وقت ابا کی یہ باتیں مجھ پر بالکل بھی اثر نہیں کرتی تھیں، میں تو اس وقت کو کوستا تھا جب میں نے چھوٹا سا احتجاج کر کے اتنے بڑے وعظ کو دعوت دی تھی۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس وقت اتنی بے دلی سے سنی گئی وہ تمام باتیں آج بھی مجھے اچھی طرح ازبر تھیں شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ آج میرا شمار بھی ان مستحق لوگوں میں ہوتا ہے جن کی بہت سی ضروریات ابا کے دم سے پوری ہوتی تھیں۔ آج میں بھی ابا جیسے کسی دردمند، فراخ دل اور نیک انسان کے انتظار میں تھا۔ میرے بچے بازار میں پھیلی ہوئی رونقیں دیکھ دیکھ کر بڑی حسرت سے میری طرف تک رہے تھے

مگر میرے پاس ماسوائے یادوں کے کچھ بھی نہ تھا۔ بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے ابا اس شدت سے یاد آئے کہ پچھلے دس سالوں میں بھی نہ آئے ہوں گے۔

جب تک ابا زندہ رہے ہمارا ہاتھ ”اوپر“ والا ہی رہا مگر اماں اور ابا کے جاتے ہی میرا ہاتھ کب ”نیچے والا“ ہوگیا مجھے پتا ہی نہ چلا۔

میں نے کٹتے دل کے ساتھ اپنی ہتھیلی کو پھیلا کر دیکھا‘ بے رونق ہتھیلی!

آج ابا کی یادوں نے مجھے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اپنی کم فہمی اور تہی دستی کا احساس جتنی شدت سے آج ہوا تھا شاید ہی اس سے پہلے کبھی ہوا ہو۔

”میں اپنی اولادوں کے لیے کیا چھوڑ کر جاؤں گا؟ میرے بچوں کے پاس تو ایسی کوئی یاد بھی نہ ہوگی جس کو سوچتے ہوئے وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر رب سے میری مغفرت مانگ سکیں۔“

اس خیال نے مجھے زمین کی گہرائیوں میں اتار دیا تھا۔ میں نے نم آنکھوں سے گھڑی کی طرف نظر دوڑائی روزہ کھلنے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ ارد گرد سے پکانے اور تلنے کی خوشبوئیں آرہی تھیں جب کہ میرے گھر کا چولہا ٹھنڈا پڑا تھا۔ میں نے ابا کی ساری جمع پونجی بغیر ضرب اور تقسیم کیے ختم کردی تھی۔ کاش میں بھی اپنی روزی کو ابا کی طرح ضرب دے کر تقسیم کرتا تو آج میرے ہاتھ خالی نہ ہوتے۔ ابا اکثر کہا کرتے تھے۔

”اللہ کے دیے ہوئے رزق سے ہی اگر اللہ سے تجارت کرلی جائے تو وہ اس کا منافع ہمیں ہماری سوچ سے بھی بڑھ کر دیتا ہے۔“

میرا دل پھٹا جارہا تھا۔ جوں جوں افطاری کا وقت قریب آرہا تھا میری بیوی پہلو بدل بدل کر میری طرف دیکھ رہی تھی۔ افطاری سے چند منٹ پہلے وہ اٹھی اور نمک‘ پانی اور سوکھی روٹی لیے میرے پاس چلی آئی۔

”وقت کم ہے روزہ کھولنے کی نیت کرلو۔“ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئیں میں بے بسی سے سر جھکا کر رہ گیا۔

❖ ❖

”ابو......! ہم عید پر کون سے کپڑے پہنیں گے؟“ میرے نو سالہ بیٹے نے معصومیت سے پوچھا تھا مگر مجھے لگا کسی نے میرے منہ پر تھپڑ رسید کردیا ہو میں چیخ اٹھا۔

”کفن پہن لو تم سب......! کہاں سے لاؤں نئے کپڑے؟“

”اللہ نہ کرے۔“ میری بیوی نے یکدم بچوں کو اپنے سے لپٹا لیا اور دھیرے دھیرے سسکنے لگی میں اسے یوں ہی روتا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

❖......❖

داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا میں مجرموں کی طرح سر جھکائے گھر میں داخل ہوا تو مختلف [illegible] کی آوازوں نے متوجہ کرلیا جو میرے گھر کے اندر والے کمرے سے آرہی تھیں۔ میں اندر بڑھتا چلا گیا۔ کمرے کے وسط میں بچھی چارپائی پر [illegible] رکھے تھے اور میرے بچے ان [illegible] کے ارد گرد ایسے بیٹھے تھے جیسے ہوٹلوں کے باہر [illegible] مستحق افراد کھانے کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ہیں۔

”دلاور......!“ میں نے آواز پر سر اٹھا کر دیکھا۔ سرفراز بھائی دونوں بازو وا کیے میرے منتظر تھے۔ میں دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کی وہیل چیئر کے قریب آگیا۔ پہلی نظر میں وہ پہچانے بھی نہیں جا رہے تھے۔ خوش حالی نے ان کے چہرے پر بشاشت بکھیر



کردی تھی۔ رنگ نکھر آیا تھا۔ لباس ستھرا اور مہنگا زیب تن کیا ہوا تھا۔ آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ‘ میں انہیں دیکھتا رہ گیا۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں بیٹے اور بیوی بھی تھیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم چاند رات والے دن سامان لے کر ان کے گھر جاتے تھے ان کے دونوں سوکھے سہمے ہوئے بچوں کو دیکھ کر مجھے ہنسی آتی تھی۔ آج وہ دونوں خوب صورت اور صحت مند سراپا کے ساتھ میرے سامنے تھے۔

”سرفراز بھائی! آپ......؟“ میں اچنبھے میں تھا۔

”یہ تمہاری کیا حالت ہوگئی ہے بیٹا۔“ سرفراز بھائی مجھے لپٹائے پوچھ رہے تھے اور میں چاہ کر بھی نہ کہہ سکا کہ مفلسی انسان کو وقت سے پہلے بوڑھا کردیتی ہے بس مسکرا کر رہ گیا۔ ”کتنے عرصے بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ابا کے انتقال کے بعد میں نے کئی عیدیں تمہارا انتظار کیا مگر......!“ سرفراز بھائی نے بات ادھوری چھوڑ کر بھی بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ میں پاتال میں اتر گیا۔ واقعی ابا کے بعد میں نے حسن سلوک تو کیا صدقہ‘ خیرات‘ زکوٰۃ سب ختم کردی تھی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ یہی تو وہ تجارت تھی جو ابا ساری زندگی اللہ کے ساتھ کرتے آئے تھے اور جس کے نتیجے میں ہماری آمدنی میں روز افزوں برکت ہوتی چلی گئی تھی کہ اللہ اس تجارت کا منافع اپنی کریمی کے مطابق ہی دیتا تھا۔

”میرے دونوں بیٹے اب برسرروزگار ہیں۔ کچھ دن پہلے تمہارے ابا کے دوست ملے تھے ان کی زبانی تمہارے حالات کا پتا چلا تو رہا نہیں گیا۔“ سرفراز بھائی میرا ہاتھ تھامے کہہ رہے تھے۔

”یہ میں بچوں کے لیے لایا تھا۔“ انہوں نے سر جھکا کر کہا تو میں نے بے ساختہ اپنے بیوی بچوں کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں ایک آس تھی۔ وہ شاید میری ”ہاں“ کے منتظر تھے۔ مگر میری غیرت کو یہ گوارا نہ تھا تب ہی سرفراز بھائی بول اٹھے۔

”اسے صدقہ‘ خیرات یا احسان مت سمجھنا بیٹا! یہ تو نیکی کا وہ درخت ہے جس کا بیج تمہارے والد صاحب نے بویا تھا اور جس کے سائے میں میرے گھرانے نے بہت سے برے دن بہت اچھی طرح گزارے تھے۔ اب اس سائے پر تمہارا بھی حق ہے۔ تمہارے بچوں کا حق ہے۔ اس کے سائے میں کچھ دیر ستالو۔ پھر کسی اور کو اپنی جگہ دے دینا۔ وقت کی کڑی دھوپ اور دھوپ کی تمازت سے بچاتے یہ شجر سب کی امن گاہ ہوسکتے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ اس کے پھلوں سے نئے بیج بو دیے جائیں اور یہ ہر پھل کھانے والے کا فرض بنتا ہے کہ وہ جاتے جاتے ایک اور شجر بو جائے۔ دلاور بیٹا! یہ نہ تو میرا تم پر احسان ہے اور نہ احسانات کا بدلہ......! نیک عمل کے اس شجر سایہ دار پر سب کا حق ہے تمہارا بھی......!“

میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے بیوی بچوں کی سمت دیکھا۔ جن کی آنکھیں سائل بن کر اس چھاؤں میں پناہ لینے کی اجازت مانگ رہی تھیں اور میں ایک مرتبہ پھر اپنے ابا جی کو یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ آج بھی میرے ابا جی ہی کی بدولت میرے بچوں کو عید نصیب ہوئی تھی۔ ابا جی پھر میری ظلمتوں کے چراغ بنے تھے۔ میں نے دل میں حسب استطاعت ایک نیا پودا لگانے کی نیت کر کے سرفراز بھائی کے ہاتھ تھام لیے اور میرے چاروں طرف عید سے پہلے عید کی خوشیاں بکھر گئیں۔

"شاباش۔" کنکی نے آہستگی سے اس کا گال تھپتھپایا۔ "ہم لوگ سری لنکا جارہے ہیں دو تین ہفتے کا کام ہے وہاں جونہی شوٹنگز ختم ہوں گی ہم پاکستان چلے جائیں گے۔ جاتے ہی سب سے پہلے تمہارا یہی کام کریں گے تب تک تم اپنے اس بدحال حلیے کا وجود درمیان سے ہٹ جائے۔

❀ ..... • ..... ❀

"رجو! یہ خط انور کو دے آؤ کہ ابھی پوسٹ کردے۔" فضا نے گلابی لفافہ اور پانچ سو کا نوٹ رجو کو تھماتے ہوئے تاکید کی۔

# گہر ہونے تک

عائشہ خان

اس کے یوں ترکِ محبت کا سبب ہوگا کوئی
جی نہیں مانتا وہ بے وفا پہلے سے تھا
تیرے آنے سے تو بس زنجیر ہی بدلی گئی
ہم اسیروں پر جفا کا باب وا پہلے سے تھا

کو ٹھیک کرو ... اگلی بار تم سے ملتے ہوئے میں تمہیں اسی پرانی سارہ شاہ کے روپ میں دیکھنا چاہوں گی جسے میں جانتی ہوں سب جانتے ہیں اس سارہ شاہ بلکہ سارہ تباہ کو نہیں ... اوکے۔" کنکی نے انگلی اٹھاتے ہوئے کہا اور سارہ شاہ بے دلی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگی۔ پھر کچھ دیر بیٹھ کر کنکی تو چلی گئی لیکن سارہ شاہ کو کچھ اور مضطرب کرگئی تھی۔ مانا کہ اسے فضا سے بے حد نفرت تھی مگر اس ساری نفرت کے باوجود وہ شاید یہ انتہائی قدم اٹھانے پر کبھی آمادہ نہ ہوتی اگر اسے مراد شاہ سے دور آ کر یہ احساس نہ ہوتا کہ وہ اس سے بے تحاشا محبت کرتی ہے اور ساری زندگی یوں اس سے دور رہ کر نہیں گزار سکتی اور مراد شاہ کی زندگی میں دوبارہ جانے کے لیے اس کی محبت پھر سے پانے [illegible]

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ!" رجو نے خط اس کے ہاتھ سے لیا اور چوری نگاہ بیگم صاحبہ پر ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"واہ میرے مولا صدقے ... [illegible] شان کے ... بیٹھے بٹھائے [illegible] رہا ہے۔" انور نے نوٹ کو چومتے ہوئے خط جیب میں ڈال لیا۔

"دیکھو انور ... اچھا نہیں کررہے ... چھوٹی بیگم صاحبہ [illegible] ہمارا کتنا خیال رکھتی ہیں [illegible] جاؤ یہ خط پوسٹ کرکے آ۔" رجو نے [illegible] انداز میں انور کو دیکھتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔

"پاگل ہوئی ہے؟ اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی ماروں؟ یہ سارے عیش تب تک ہیں جب تک بڑی بیگم صاحبہ [illegible] بیٹھی ہیں ... انہوں نے آتے

ہی چھوٹی بیگم صاحب کا تو سمجھو پتہ ہی صاف کر دیتا ہے اور ہم دونوں پھر وہی گھن چکر بن کر رہ جائیں گے ایک آ رہا ہے تو ایک جا رہا ہے' سارا دن بس چاکری ہی کرتے رہو۔ ہر وقت چولہوں کے سامنے کھڑے رہ رہ کر میرا تو رنگ ہی جھلس کر رہ گیا تھا۔ اب دیکھو......'' انور نے بڑے پیار سے اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''مزے تو واقعی میں بڑے ہیں' پر یہ بھی تو دیکھ کہ چھوٹی بیگم صاحب بچاری کتنی محنت سے ہر دوسرے دن چٹھی لکھتی ہیں' پھر ذرا سی گیٹ کی بیل بجتی ہے تو اتنی آس سے گیٹ کی جانب دیکھتی ہیں اور پتا ہے آج تو اتنا دل دکھا میرا......'' رجو سچ مچ رنجیدہ ہو گئی۔

''صبح جب پوسٹ مین بے بے کا خط لے کر آیا تو چھوٹی بیگم صاحب لاؤنج میں تھیں ان کی نظر پڑ گئی تیزی سے مجھے آواز دی' خوشی سے مانو کھلی پڑ رہی تھیں۔ میں حیران تھی' وہ تو جب انہوں نے کہا رجو بھاگ کر جا' دیکھنا سارہ باجی کا خط ہوگا' تب مجھے سمجھ آئی کہ وہ کیوں اتنی خوش ہو رہی ہیں' دیکھ انور بس تو یہ چٹھی ڈال کر آ۔'' رجو بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''چل چل زیادہ بکواس مت کر' میرا دماغ خراب تھیں اے اور خبردار جو دوبارہ الٹی سیدھی بکواس کی ورنہ منہ توڑ کر رکھ دوں گا۔ بڑی آئی ہمدردیاں کرنے والی۔'' وہ ایکدم ہتھے سے اکھڑ گیا تھا اور شوہر کو اتنے غصے میں دیکھ کر رجو بھیگی بلی بنی اندر کی طرف مڑ گئی۔

اگلے دن صبح موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مراد شاہ کی فرمائش پر فضا پراٹھے بنا رہی تھی' تہہ در تہہ پرت والے پراٹھے' دیسی گھی کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور فضا کو دادی بے تحاشا یاد آ رہی تھیں گزرے بے شمار ماہ و سال یاد آ رہے تھے۔ جب پراٹھا کھانے کو دل چاہتا تو دادی سے فرمائش کرنے سے پہلے بیسیوں مرتبہ سوچنا پڑتا تھا۔

''فضا یار! کیا خوشبو آ رہی ہے مجھے تو اپنا بچپن یاد آ گیا ہے۔ کیا زبردست پراٹھے بناتی تھیں اماں جی۔'' مراد شاہ کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولے تھے اور فضا حیران رہ گئی تھی لیکن پھر اسے اپنی یہ حیرانی بے معنی محسوس ہوئی تھی۔ جن چیزوں سے یادیں وابستہ ہوں انہیں دیکھ کر وہ یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

''شاہ جی! کل اتوار ہے' کیوں نہ ہم لوگ اماں بی کے پاس چلنے کا پروگرام بنائیں؟'' فضا نے بڑے پرشوق لہجے میں پوچھا۔ مراد شاہ دو تین بار اماں بی کے پاس چلنے کا پروگرام بنا کر ملتوی کر چکے تھے۔

''ہاں دیکھتے ہیں۔''

فضا نے غور کیا انہوں نے کچھ زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود ناشتے کے دوران اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تو پھر ذرا سے توقف کے بعد خود ہی آگے بات شروع کر دی۔

''ایک عجیب بات ہے شاہ جی! میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ ایک چیز جو کسی کے لیے بے حد بہت قیمتی اور بہت خاص ہوتی ہے وہی چیز جس کے پاس موجود ہو اسے اس کی قدر و قیمت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ میں نے ماں کی محبت نہیں دیکھی لیکن میرا دل اس محبت کے لیے ترستا رہا ہے۔ میں سوچتی ہوں کیسی ہوتی اس ہستی کی محبت جس کی مثال خود اللہ پاک نے دی ہے کہ میں تمہیں ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہوں' اتنی محبت کے شدید احساس کو ماں کی محبت کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ کتنا رتبہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ماں کا اور اسی ماں کو آج کی اولاد کیا رتبہ دیتی ہے؟ اس ماں کو جو اپنے منہ کا نوالہ بھی



اپنے بچوں کو کھلا دیتی ہے۔ خود ہر تکلیف سہہ لیتی ہے لیکن اولاد کو حتی الوسع آرام اور آسائشیں دینے کی کوشش کرتی ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہتے ہوئے چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ ''اولاد کے پاس ماں کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا' ان چند ہفتوں میں کتنے خط آئے ہیں آپ کے خانساماں کی بے بے کے' ہر خط میں بس مل جانے کی خواہش کا اظہار کیا ہوتا ہے اور وہ ہے کہ اس کو پرواہ ہی نہیں اور اسی طرح آپ بھی......'' وہ بولتے بولتے رک گئی تھی اور تاسف بھرے انداز میں انہیں دیکھنے لگی تھی جبکہ مراد شاہ اس کی باتوں سے بے خبر اپنے تصور کے ساتھ ساتھ کہیں دور جا نکلے تھے۔

جب فضا ان کی طرف سے مایوس ہو گئی تھی تو انہوں نے اسے تیاری کرنے کے لیے کہا تھا۔ بارش کے تھمتے ہی انہیں گاؤں کے لیے روانہ ہونا تھا۔ فضا کا دل مارے خوشی کے بلیوں اچھل رہا تھا۔ آخر کو وہ ایک ماں سے اس کا بیٹا ملوانے لے جا رہی تھی۔ کیا خبر اللہ کو اس کی یہ ادا پسند آ جائے اور اس کا امان بھی اس سے آن ملے۔ سارہ شاہ کا دل پسیج جائے۔ آنکھوں میں چھلکتی نمی کو ہتھیلی سے صاف کرتی ہوئی وہ اپنے اور مراد شاہ کے کپڑے نکالنے لگی تھی۔ قدرت بھی اس کی ہم نوائی پر آمادہ تھی کہ کچھ ہی دیر مینہ برس کر مطلع صاف ہو گیا تھا۔ ہلکی ہلکی دھوپ اور ہوا کے ٹھنڈے جھونکے موسم کو بے حد خوشگوار بنا رہے تھے۔ فضا نے جلد ہی ضرورت کی ساری چیزیں پیک کر لیں جبکہ مراد شاہ نے کچھ فون کیے اور یوں دو تین گھنٹوں کے بعد وہ گاؤں کے لیے رواں دواں تھے۔ مراد شاہ جو پہلے کچھ سنجیدہ سے نظر آ رہے تھے اب ان کا موڈ بھی خوشگوار ہو گیا تھا اور وہ دھیرے دھیرے فضا کو اپنے گھر والوں کے بارے میں بتا بھی رہے تھے۔

دن کا پنچھی دور افق کے پار اپنے بسیرے میں لوٹ رہا تھا جب ان کی گاڑی اس حویلی نما گھر کے سامنے رکی تھی۔ فضا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''پتا نہیں اس کا استقبال کس طرح ہوگا' کہیں ایسا نہ ہو کہ......'' ذرا سی سوچ کو ذہن میں جگہ دیتے ہی طرح طرح کے واہمے اور وسوسے فوراً اس کے دل میں گھر کرنے لگے تھے لیکن فضا نے فوراً ہی سر جھٹکتے ہوئے سارا دھیان سامنے غروب ہوتے سورج پر مرکوز کر دیا تھا۔ جو بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

''فضا! تم گاڑی میں ہی بیٹھنا...... میں پہلے تمہارے بارے میں اماں بی کو بتا دوں گا۔'' مراد شاہ نے ہارن دیتے ہوئے فضا سے کہا اور اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

گیٹ کھلنے کی آواز پر فضا کی تمام تر حسیات اندر کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ کھچڑی بالوں اور بے ترتیب سی سفید اور کالی داڑھی والے ملازم نما شخص نے گیٹ کھولا تھا اور مراد شاہ پر نظر پڑتے ہی خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ کہاں تو وہ ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں گیٹ کھول رہا تھا اور اب جیسے اس کے جسم میں بجلی سی بھر گئی تھی۔ تیزی سے اندر جا کر اس نے گیٹ کھولا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا اور تیز تیز قدموں سے اندر چلا گیا۔ گاڑی سرخ پختہ روش کو عبور کر کے ایک قدرے اونچے برآمدے کے سامنے کھڑی کر کے مراد شاہ گاڑی سے اترے ہی تھے کہ اندر سے سفید براق دوپٹے اور ہلکے آسمانی رنگ کے لان کے سوٹ میں ملبوس' مسرت سے نہال' ہانپتی کانپتی اماں بی برآمد ہوئی تھیں۔ خوشی سے نم ہوتی آنکھوں اور کپکپاتے لبوں

کے ساتھ وہ مراد شاہ کو چوم رہی تھیں' ڈھیروں دعائیں دے رہی تھیں۔ فضا کا دل ماں کے اس مظاہرے کو دیکھ کر بے حد گداز ہو رہا تھا۔ وہ بھی تو ایک ماں تھی اور کب سے اپنی اولاد کو سینے سے لگانے کے لیے ترس رہی تھی لیکن وہ مایوس نہیں تھی اس کے دل میں بے حد وسعت تھی' خلوص تھا محبت تھی اور اسے اپنے اللہ پر بے حد بھروسا تھا کہ وہ بے حد رحیم ہے۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا اور اماں بی کو دیکھتے ہوئے ایک الوہی سی خوشی کو اپنے دل میں اترتے محسوس کیا تھا۔ مراد شاہ ان کے کندھے پر بازو پھیلائے انہیں ساتھ لگائے اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ فضا ادھر ادھر نظر دوڑانے لگی۔ خوب صورت موڑھوں سے ہٹ کر اس کی نگاہ آموں کے ڈھیروں ٹوکروں پر پڑی تھی' پیلے پیلے صاف وشفاف' چمکتے ہوئے آم بے حد اچھے لگ رہے تھے۔

''یقیناً تازہ تازہ اتار کر لائے گئے ہیں' مگر اتنے ڈھیر سارے شاید کہیں منڈی وغیرہ پہنچانے ہیں......'' اس نے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ تبھی مراد شاہ اور بی اماں کے ساتھ ایک اونچی لمبی سرخ وسفید خاتون تیل کی بوتل تھامے داخلی دروازے سے باہر آئی تھی۔ فضا نے کچھ جز بز سی ہوتے ہوئے انہیں دیکھا تھا اور پھر جھجکتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ دونوں خواتین بڑی گرمجوشی سے فضا سے ملی تھیں۔ اماں بی کے سینے سے لگتے ہوئے ان سے دعائیں لیتے ہوئے بے اختیار فضا کا دل بھر آیا تھا۔ اس نے ماں کی آغوش کا لمس کبھی محسوس نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود اسے لگ رہا تھا جیسے ان کے وجود سے انوکھی خوشبو پھوٹ رہی ہو۔ ان کے نرم لمس میں عجیب سی حرارت تھی۔ اماں بی نے دروازے کی دہلیز کے اطراف میں تیل ڈالا تھا' اس کے سر پر سے روپے وار کر پاس کھڑی ملازمہ کو پکڑائے اور وہ خاتون جو اس کی جیٹھانی تھیں' اسے تھامے اندر کی طرف بڑھی تھیں۔ ایسی پذیرائی' اس طرح کے استقبال کی تو اسے ذرہ برابر بھی توقع نہیں تھی' خوشی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے چور نگاہوں سے مراد شاہ کی طرف دیکھا جو پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسے متوجہ پاکر دلکشی سے مسکرائے۔ کچھ ہی دیر میں مراد شاہ کی بہنیں مع اپنے شوہروں اور بچوں کے آ گئی تھیں۔ وہ بھی فضا سے والہانہ انداز میں ملی تھیں۔

''کرم دین! چلو جلدی سے مرغیاں ذبح کرو میرے بچوں کو بھوک لگی ہوگی۔'' اماں بی کو فوراً ان کے کھانے پینے کی فکر ہوئی۔

بڑے سے صحن میں ایک طرف دیوار کے ساتھ آڑو' انار اور بادام کے درخت لگے ہوئے تھے جبکہ دوسری دیوار کے ساتھ جو سرسبز وشاداب بیلوں کے ساتھ ڈھکی ہوئی تھی' کیاریاں بنا کر پودے لگائے گئے تھے۔

ذرا سی دیر میں صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کر کے رنگین پایوں والی بڑی بڑی نواڑ کی چارپائیاں بچھا دی گئی تھیں' جن کے اوپر کڑھائی والی سفید چادریں بچھی بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ ہر سو پھیلی رات کی رانی کی مہک اور مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور بے تحاشا محبتیں اور چاہتیں فضا کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جنت میں آ گئی ہو۔ دل چاہتا تھا وہیں کچی مٹی پر جبیں ٹیک دے اور اپنے اللہ کا شکر ادا کرے جو اسے اس کی اوقات سے زیادہ نواز رہا تھا۔ دادی کے پاس ہوتے ہوئے جب وہ صبح انہیں بڑے جذب کے عالم میں سورۂ رحمٰن کی



اس آیت:

''اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

کو بار بار پڑھتے اور اس کا ترجمہ کرتے سنتی تو سوچتی' پتا نہیں دادی کے نزدیک کون سی چیز سب سے بڑی نعمت ہے' اسے تو اس ٹوٹے پھوٹے گھر میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ اور ایک بار جب اس نے یہی سوال دادی سے کیا تھا تو وہ اسے اپنے ساتھ باہر بڑی سڑک پر لے گئی تھیں۔ جہاں دونوں پاؤں سے معذور ایک نابینا فقیر بھیک کے لیے گرمی میں پڑا تھا۔

''اللہ اگر چاہتا تو ہمیں بھی اس شخص کی جگہ پر ڈال سکتا تھا فضا بیٹی! لیکن اس نے ہمیں یہ دو پاؤں دیئے جن سے چل کر ہم جہاں جانا چاہتے ہیں جا سکتے ہیں اور یہ دو آنکھیں جن سے ہم رب کی بنائی ہر چیز کو دیکھتے ہیں کیا اس سے بڑی کوئی اور نعمت ہو سکتی ہے؟''

''نہیں ہرگز نہیں۔'' فضا کا دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

دادی نے بچپن سے ہی شکر گزاری کا جذبہ یوں اس کے دل میں بھر دیا تھا کہ پھر ساری زندگی کسی چیز کی کمی نے اسے اگر کبھی تنگ بھی کیا تو یونہی وقتی طور پر اور اب تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے اللہ کی ان ساری نعمتوں کا شکر کیسے ادا کرے۔

رات کو مراد شاہ کے سونے کے بعد وہ آہستگی سے اٹھی اور وضو کر کے جائے نماز پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ آنسو اک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ شکرانے کے دو نفل ادا کرنے کے بعد جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ان بہتے آنسوؤں میں کچھ اور روانی آ گئی تھی۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے جن سے وہ اپنے رب کا شکر ادا کر سکتی۔ وہ فضا جس نے اپنی بوڑھی دادی کے ساتھ ایک ٹوٹے پھوٹے سے گھر میں زندگی گزاری تھی۔ اس چھوٹے سے گھر میں بھی کرایے کی فکر ہوتی تو بھی [illegible] کی...... وہ فضا جو لوگوں کے خوف سے ہر وقت گھر ہی میں مقید رہا کرتی...... وہ فضا جو اپنا پڑھنے کا شوق پھٹے پرانے اخباروں اور ردی والے سے پرانی کتابیں اور رسالے لے کر پورا کرتی تھی۔ وہ فضا جو دادی کی وفات کے بعد بالکل تنہا بے آسرا اور بے گھر تھی' اس پر اللہ یوں مہربان ہوا تھا کہ اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا۔ وہ کیسے اپنے اللہ کا شکر ادا کرتی اور کس کس نعمت کا شکر ادا کرتی' الفاظ نہیں تھے بس شکر کے آنسو تھے جو اک تواتر سے آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

اگلے دن گھر میں بے حد چہل پہل تھی۔ اس کی تینوں نندیں اور بی اماں سب بے حد مصروف نظر آ رہی تھیں۔ اس نے بی اماں سے پوچھا تو وہ خوشدلی سے مسکرائیں۔

''ارے میری بھولی دھی رانی شام کو برادری کے کچھ نزدیکی لوگوں کو کھانے پر بلایا ہے میں نے آخر کو میری بہو رانی آئی ہے' میرے مراد کی دلہن' میرے امان کی ماں' سب سے نہیں تو قریبی رشتے داروں سے تو ملواؤں گی تمہیں......'' وہ کہہ رہی تھیں اور فضا کا ذہن ''میرے امان کی ماں'' کے لفظوں میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ دل میں اک عجیب سی خوشی ہلکورے لینے لگی تھی۔ لیکن صرف چند لمحوں کے لیے...... پھر ایک عجیب سے ملال نے اس کے دل میں سر ابھارا تھا۔

''بھلا شاہ جی کو انہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ انہوں نے اچھا نہیں کیا......'' اس نے تاسف سے سوچا تھا۔ جب یہی بات اس نے مراد شاہ سے کہی تو وہ چونکے پھر حیرانی سے اسے دیکھتے

رہے تھے۔ پھر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"یہ حقیقت ہے فضا اور حقیقت کبھی چھپتی ہے نہ خواہ مخواہ اسے چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسری بات یہ کہ یہ تمہارا حق ہے۔ تمہیں اپنا حق لینا بھی آنا چاہیے اور اس کی قدر و قیمت بھی معلوم ہونی چاہیے۔" انہوں نے آخری جملے پر خاصا زور دیتے ہوئے کہا۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ شاید انہیں اپنے دل کی کیفیت نہ سمجھا پاتی جو پہلے ہی اتنا کچھ پا کر اس قدر سرشار تھا کہ شکر کے لیے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ وہ حق جو اس نے کسی کو سونپ دیا تھا جسے انعام سمجھ کر کسی نے سینے سے لگا لیا تھا اعزاز سمجھ کر ماتھے پر سجا لیا تھا اسے واپس لے کر کیا وہ ایسی مسرت و سرشاری سے رہ پاتی۔

"نہیں...... کبھی نہیں۔" اس نے سوچا۔

تھوڑے تھوڑے کرتے بھی کافی رشتے دار جمع ہو چکے تھے۔ کھانے کا انتظام قالینوں پر سفید چادریں اور ان کے اوپر دسترخوان بچھا کر کیا گیا تھا۔ فضا کو سب سے زیادہ جو بات پسند آئی تھی وہ مردوں اور عورتوں کا علیحدہ انتظام تھا ورنہ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ مراد شاہ کے حلقۂ احباب کی طرح یہاں بھی مردوں کا اکٹھا ہی انتظام ہوگا۔ خواتین اشتیاق اور حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں اور بی اماں فخر سے اس کا تعارف کروا رہی تھیں۔

"میرے مراد کی دلہن! امان کی ماں۔"

وہ شاہ جی کی بیوی تھی' کیا اس کا صرف یہ تعارف کافی نہیں تھا۔ "شاید نہیں...... یقیناً نہیں۔"

پل میں ہی اسے ہر طرف سے امان کے نام کی گردان سن کر یہ ادراک ہو گیا تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

"ہائے مسز مراد آپ تو پہچانی نہیں جا رہیں' کیا بیمار رہی ہیں آپ؟" مسز احراز نے بے حد حیرانی سے سارہ شاہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس دلدوز حادثے کے بعد آج پہلی بار وہ کسی تقریب میں آئی تھی اور وہ بھی خود پر انتہائی جبر کر کے صرف امان کی خاطر اس کے دوست کی سالگرہ تھی۔

شازب کی والدہ کے ساتھ سارہ شاہ کی بھی اسکول میں چند ایک بار ملاقات ہو چکی تھی۔ اس نے اسے بھی مدعو کیا تھا اور نہ صرف مدعو کیا تھا بلکہ خاصا اصرار بھی کیا تھا۔ اس لیے مجبوراً سارہ شاہ کو آنا پڑا۔ لیکن اب یہاں آ کر وہ پچھتا رہی تھی کہ اس تقریب میں کچھ اور جاننے والے بھی مل گئے تھے۔ ہر شخص اسے دیکھ کر حیران تھا اور اس کی صحت کے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔ سب کو مطمئن کرتے کرتے سارہ شاہ خود سخت اضطراب کا شکار ہو گئی تھی۔ جی چاہتا تھا چپکے سے اٹھ کر یہاں سے غائب ہو جائے لیکن ایسا بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بہت دنوں کے بعد امان کے چہرے پر خوشی و اطمینان کے رنگ نظر آ رہے تھے۔ اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ وہ خوب مزے کر رہا تھا۔ وہ اس کی اس معصوم سی خوشی کو اپنے اضطراب کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ پھیلائے خود پر خوش و خرم ہونے کا مصنوعی خول چڑھائے وہاں موجود تھی لیکن اپنی وہاں موجودگی پر اسے اس وقت سخت پچھتاوا ہوا تھا جب اس نے شاہد خان اور روبینہ شاہد کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

روبینہ شاہد کے والدین پاکستان میں سارہ شاہ کے گھر کے قریب ہی رہتے تھے۔ "یقیناً انہیں اب تک مراد شاہ کی دوسری شادی کی خبر مل چکی ہوگی۔" انتہائی بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے سارہ شاہ



نے سوچا اور اضطرابی انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ چپکے سے ان کی نگاہ سے بچ کر ہال سے نکل جائے لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔ انہوں نے اسے دیکھ لیا اور دیکھتے ہی تیزی سے ہاتھ ہلایا۔ سارہ شاہ نے بھی خود کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت کر رہی تھی۔

"ہائے سارہ! کیسی ہو ڈیئر؟" چند لمحوں بعد وہ اس کے گال پر بوسہ دیتی ہوئی لپٹ رہی تھی۔

"ٹھیک...... تم لوگ تو امریکہ گئے ہوئے تھے نا! کب واپس آئے۔" سارہ نے بھی جواباً حتی الوسع خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

"ہمیں آئے تو کافی دن ہو گئے ہیں تمہاری طرف چکر لگانا تھا ہم لوگوں کو لیکن نوی کو ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا اس وجہ سے بے حد پریشان رہے۔"

"ہیلو مسز مراد...... کیسی ہیں آپ؟" شاہد خان بھی قریب چلے آئے۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"مسز مراد! انتہائی افسوس ہوا ہم سب کو آپ جیسی بیوی کی موجودگی میں یہ اقدام...... سراسر پاگل پن ہے۔ ہمیں تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ مراد شاہ ایسا کر سکتے ہیں اور اگر ضرور شادی کرنی ہی تھی تو آپ کی ٹکر کی خاتون تو لاتے لیکن سچ ہے کہ دل آنے لگے تو گدھی پر بھی آ جاتا ہے۔" وہ حلق پھاڑ کر ہنسے۔

سارہ شاہ کو اپنے وجود کو سنبھالے رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کا سارا وجود' تمام طنطنہ جیسے کسی نے خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ وہ فق ہوتے چہرے کے ساتھ لب چباتی ہوئی خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شرمندگی اور ندامت کیسے منہ چھپانے پر مجبور کرتی ہے یہ اسے آج پتا چلا تھا۔ تحقیر کسے کہتے ہیں...... ذلت کیا ہوتی ہے' یہ بھی اب اس نے ابھی

پل جاتا تھا...... دل چاہتا تھا بنا کسی کی طرف دیکھے بھاگتی ہوئی یہاں سے دور چلی جائے یا پھر زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔ شاہد خان نے یوں بھری محفل میں بے تحاشا بنا کر جانے کس جنم کا بدلہ لیا تھا۔ سب جاننے والے شاہد خان کی آواز سن کر اس کے قریب آ چکے تھے اور اب اپنے اپنے انداز میں ہمدردی اور تاسف کا اظہار کر رہے تھے۔ مسز احراز نے سارہ شاہ کے بے تحاشا سرخ چہرے اور جلتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات امڈتے محسوس کرتے ہی فوراً آگے بڑھی تھیں۔

"مسز مراد! شاید آپ کا سیل بند ہے۔ میرے گھر کے نمبر پر مراد صاحب کی کال ہے' کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بڑی اپنائیت سے سارہ کو اس مجمع سے نکال کر اندر اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھیں۔

"مسز احراز آپ......!" مارے ممنونیت کے لفظ سارہ کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے اور وہ ان کا ہاتھ تھام کر بے تحاشا رو دی تھی۔ کیسا دن تھا آج جب وہ ایک سے ایک نئے احساس سے دوچار ہو رہی تھی۔ ہر چیز کو ہر جذبے کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرنے والی سارہ شاہ مسز احراز کی اس اپنائیت پر ممنون ہو رہی تھی۔ پھر بہت دیر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی رہی تھی اور مسز احراز اسے ساتھ لگائے چپ کرانے کی کوشش کرتی رہی تھیں۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو تھوڑی دیر میں یہاں آرام کر لوں؟ آپ اپنے مہمانوں کو دیکھیں' طبیعت ذرا سی سنبھلتے ہی میں چلی جاؤں گی۔ آپ پلیز امان کو تقریب کے بعد چھوڑ دیجیے گا۔ معذرت چاہتی ہوں آپ کو بے حد تکلیف دی۔" سارہ شاہ نے رک رک کر کہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں مسز مراد! آپ فکر نہ کریں

میں سنبھال لوں گی۔" مسز احراز نے فوراً اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی۔

پھر جب وہ گھر پہنچی تو شازمہ بھابی آئی ہوئی تھیں۔ سارہ شاہ بوجھل قدموں سے سٹنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ جتنا اس وقت وہ کسی سے بھی سامنا ہونے سے بچنا چاہتی تھی اتنا ہی کرنا پڑ رہا تھا۔

"کیسی ہو سارہ! کبھی ہماری طرف بھی آجایا کرو۔ وہ بھی تمہارے بھائی کا گھر ہے کئی مرتبہ فون کیا مگر ثمین نے بتایا کہ تم سو رہی ہو۔" اس سے گلے ملتے ہوئے وہ خلوص سے کہہ رہی تھیں۔

بے اختیار سارہ شاہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"کیا بات ہے سارہ!" ثمین اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی بری طرح پریشان ہوئی تھی۔ "سارہ تم رو رہی ہو... اور امان کہاں ہے؟"

اس کے سرخ چہرے اور متورم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے یکدم کسی انہونی کے خیال سے متوحش ہوتے ہوئے اس نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ وہیں ہے مسز احراز اسے چھوڑ دیں گی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس وجہ سے میں چلی آئی۔" جانے کیسے دلی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے جملہ مکمل کیا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روئے۔ کیسا وقت آگیا تھا کہ ہمیشہ ہنستے رہنے والی سارہ شاہ کو ہر وقت رونا آنے لگا تھا۔ لبوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے تیز تیز قدموں سے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تو شازمہ بھابی اور ثمین فکرمندی اس کے پیچھے آئیں اور اسے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر بری طرح پریشان ہوگئی تھیں۔

"سارہ پلیز! کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے؟" ثمین نے اس کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے دل گداز لہجے میں پوچھا تھا۔ شازمہ بھابی بھی ہمدردی سے اسے دیکھتی قریب آبیٹھی تھیں۔ سارہ نے سسکیوں پر قابو پانے کی سعی کی تھی لیکن ناکام رہی تھی۔ وہ اس وقت تنہائی چاہتی تھی' کھل کر رونا چاہتی تھی مگر......

"سارہ!" شازمہ بھابی نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پکارا تھا۔

"کیا اب میں دل چاہنے پر رو بھی نہیں سکتی؟" یکدم اس نے کھولتے دماغ سے سوچا۔

"بھابی خدارا مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" ایک دم اس نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا اور بیڈ پر گرتے ہوئے تکیے میں منہ چھپالیا۔ ثمین نے بے بسی سے شازمہ بھابی کی طرف دیکھا پھر ان کے اشارے پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی دونوں اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں پر دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے کمرے سے نکل آئی تھیں۔

"کیا حال کرلیا ہے سارہ نے اپنا......" کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد شازمہ بھابی نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"بہت سمجھاتی ہوں بھابی لیکن....." ثمین بے حد افسردہ تھی' سارہ کی دبی دبی آوازیں اس کے دل کو بے چین کررہی تھیں۔

"المیہ بھی تو بہت بڑا ہوا ہے اس کے ساتھ....." آہستہ [illegible] بھابی بولنے لگی خود کو ابھی تو شکر ہے یہاں [illegible] کسی کو دوسرے کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی عادت نہیں ورنہ اگر پاکستان میں ہوتی تو اب تک پاگل ہی ہوچکی ہوتی۔"

"اللہ نہ کرے بھابی!" بے اختیار ثمین کے منہ سے نکلا۔ شازمہ بھابی نے تو ایک عام سی بات کی تھی لیکن ثمین کو وہ بے حد ناگوار گزری تھی اور شازمہ نے



بھی یہ بات محسوس کرلی تھی۔

"ثمین بے شک سارہ تمہاری دوست ہے تمہارے اس سے دو دو رشتے ہیں یقیناً تمہیں وہ زیادہ پیاری ہوگی لیکن کچھ کم عزیز وہ ہمیں بھی نہیں۔" شازمہ بھابی نے فوراً کہا اور کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ دونوں بہنیں بھی سارہ شاہ کو بے حد عزیز رکھتی تھیں۔ وہ فطری سی رقابت جو اکثر اس رشتے میں پائی جاتی ہے انہوں نے کبھی اپنے درمیان پنپنے نہیں دی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کے شوہر اپنی اکلوتی بہن کو بے حد چاہتے تھے ان دونوں بہنوں نے والد کی وفات کے بعد بھائیوں کا بہت برا وقت دیکھا تھا بہت تکلیفیں سہی تھیں تب انہوں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ اپنی زندگیوں میں [illegible] رشتے کو مثالی بنائیں گی اور اپنا یہ عہد انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا تھا۔

"معذرت چاہتی ہوں بھابی! میرا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ثمین نے برملا اعتراف کیا۔

"ہم لوگ تو ابھی پاکستان سے ہوکر آئے ہیں بچوں نے بہت حرج کیا ہے پڑھائی کا...... اگر ممکن ہو تو تم اور ہیروز کہیں گھومنے پھرنے کا پروگرام بنالو۔ میرے خیال میں یہ سارہ کے لیے بہت ضروری ہے۔ کچھ دن ماحول بدلے گا۔" انہوں نے مشورہ دیا تھا جو ثمین کو پسند آیا اور وہ خود بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی۔

سارہ شاہ' جس نے ہمیشہ ہر نگاہ میں اپنے لیے تحسین دیکھی تھی' رشک دیکھا تھا' یہ پہلا موقع تھا کہ اسے تذلیل سے واسطہ پڑا تھا اور اب اسے صحیح معنوں میں پتا چلا تھا کہ اس کے ساتھ کیا المیہ ہوچکا ہے۔ اب وہ پہلے کی شان سے "ہم سا ہو تو سامنے آئے" کا چیلنج کرتی تفاخر سے گردن اکڑا کر نہیں چل سکتی تھی۔ دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرسکتی تھی۔ پہلے کی طرح سر اٹھا کر نہیں چل سکتی تھی۔ فلک شگاف قہقہے نہیں لگا سکتی تھی۔ اس لیے کہ......

وہ ایک ہاری ہوئی عورت تھی۔

وہ دل' جس کی وہ کبھی حکمراں تھی اب وہاں کوئی اور راج کرتا تھا۔ وہ گھر جو کبھی اس کی ملکیت تھا اب وہاں کوئی اور بستا تھا وہ آنکھیں جو اسے سراہتی تھیں اب وہاں کوئی اور جچتا تھا' یکدم سارہ شاہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں لیکن فوراً ہی انہیں ہتھیلیوں سے پونچھتی ہوئی وہ اک عزم سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ سب ہمیشہ یونہی نہیں رہے گا ہر چیز' ہر رنگ' ہر جذبے کو پہلی والی حالت میں واپس آنا ہوگا اور اس میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگنی چاہیے۔" نفرت سے سر کو جھٹکتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آبیٹھی اور کلینزر سے میک اپ صاف کرنے لگی تھی۔ وہ جو اتنے دنوں سے فضا کو راستے سے ہٹانے کے معاملے میں لکی سے اتفاق کرنے پر بار بار خود کو ملامت کرتی تھی' بے چین اور مضطرب ہوکر ادھر ادھر پھرتی تھی اپنے ارادے پر پشیمان ہوتی تھی' بار بار لکی کو منع کرنے کے لیے فون اٹھاتی تھی' پھر رکھ دیتی تھی اور اب اپنے فیصلے پر مطمئن تھی۔

"اس نے جو کچھ سوچا تھا بالکل ٹھیک سوچا تھا' اسے دنیا میں سر جھکا کر نہیں سر اٹھا کر جینا تھا۔" اس نے حتمی انداز میں خود کو باور کرایا اور ہر چیز اسے ہمیشہ بنا طلب کے ملی تھی۔ لڑ کر جھگڑ کر زبردستی چھین کر لینا اسے نہیں آتا تھا اس لیے وقتی طور پر وہ کمزور ضرور پڑ گئی تھی' شکستہ دل بھی ہوگئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اپنا حق حاصل ہی نہ کرسکتی تھی۔

وہ اپنا شوہر اور اپنا گھر اس عام سی شکل وصورت کی کم حیثیت لڑکی کو سونپ کر خود ساری زندگی یوں آنسو بہاتی رہتی؟ اس کی اوقات ہی کیا تھی کہ وہ سارہ شاہ کے راستے میں آتی۔ یہ تو وہ خود پاگل تھی جو اس کو نکال باہر کرنے کے بجائے خود اس کی ساری راہیں صاف کرآئی تھی۔ اپنی بے وقوفیوں اور نادانیوں پر خود کو ملامت کرتی ہوئی وہ بہت دنوں کے بعد توجہ کے ساتھ اپنے چہرے کی کلینزنگ کررہی تھی۔ آنکھوں کے نیچے پڑے سیاہ حلقوں اور چہرے کی زردی مائل رنگت کو دیکھتے ہوئے اسے حیرت ہوئی تھی کہ آخر وہ اپنے آپ سے اس قدر بے پروا کیسے ہوگئی تھی۔ اسی مہینے امان کی سالگرہ تھی۔ اس دن وہ وہی سارہ شاہ نظر آنا چاہتی تھی جس پر سے نظریں ہٹانا مراد شاہ بھول جاتے تھے۔ موبائل فون اٹھاتے ہوئے اس نے بیوٹی پارلر سے ٹائم لیا اور پھر باقی دنوں میں کیے جانے والے اقدامات ترتیب دینے لگی۔

❁ ◉ ❁

"رجو...... صفائی ستھرائی کرلی؟" فضا نے پاؤں پر جلد نرم کرنے والی کریم لگاتے ہوئے رجو کو آواز دی۔

"بس بیگم صاحب تھوڑی سی رہتی ہے۔" رجو نے کہتے ہوئے پرشوق نگاہوں سے فضا کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھا تھا۔

"پتا نہیں ہر گزرتے دن کے ساتھ بیگم صاحبہ واقعی اتنی حسین ہوتی جارہی ہیں یا پھر مجھے ہی لگتی ہیں؟" رجو نے سوچا۔

"جلدی کرلو...... ابھی بہت کام پڑے ہیں۔" فضا نے نرمی سے تاکید کی تو وہ سر ہلاتی ہوئی واپس ہوئی پھر رک گئی۔

"کیا بات ہے رجو!"

"بیگم صاحبہ! آپ آج کل بہت سوہنی لگتی ہیں جی۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا......" فضا دھیمے سے ہنسی۔

"اور مسکراتے ہوئے تو آپ اتنی اچھی لگتی ہیں کہ دل چاہتا ہے دیکھتے رہیں۔" رجو بے اختیار کہہ گئی۔

"اوہو بھئی تمہاری اتنی تقریریں تو مجھے پھلا دیں گی اس لیے اب یہ بھی بتادو تمہیں میں بری کس وقت لگتی ہوں شاباش! فٹافٹ بتاؤ۔"

"کسی وقت بھی نہیں۔" اس نے فوراً کہا اور اس نے بالکل سچ کہا تھا۔ اسے چھوٹی بیگم صاحبہ ہمیشہ ہی اچھی لگتی تھیں۔ وہ اتنی نرمی سے بات کرتی تھیں کہ جیسے لبوں سے پھول جھڑ رہے ہوں اور مسکراہٹ تو جیسے اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ رجو اکثر اسے ایک ٹک دیکھتی رہتی۔ دو سال ہوگئے تھے اسے انور کے ساتھ شادی ہوکر یہاں آئے ہوئے اور ان دو برسوں میں ایک دن بھی اس نے بڑی بیگم صاحبہ کو ملازموں کے ساتھ یوں ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ ہنسنا تو دور کی بات تھی کسی ملازم کی جرأت نہیں تھی کہ ان سے فالتو بات کرلے یا ان کی مرضی کے خلاف کچھ ہونے دے وہ تو ملازموں کو دبا کر رکھتی تھیں جبکہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو تو اس نے اب تک کسی سے اونچا بولتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں میاں بیوی کے تو سارہ شاہ کے جانے کے بعد عیش ہی عیش تھے۔ نہ ہی آئے روز دعوتیں ہوتیں نہ ہی کوئی خاص مہمان آتے کھانا چھوٹی بیگم صاحبہ خود بناتی تھیں۔ دن کا بیشتر حصہ وہ دونوں میاں بیوی فارغ ہی ہوتے تھے ورنہ پہلے تو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ آئے روز محفلیں، دعوتیں، مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

"شاید انور نے ٹھیک ہی کیا کہ بڑی بیگم صاحبہ کو



...ما پسند نہیں کیے اچھا ہے وہ نہ ہی آئیں تو۔" پوری تندہی سے کام کرتے ہوئے رجو نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے فضا کو رجو کا جملہ سو فیصد سچ لگا تھا۔ واقعی وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ ایک عجیب سی کشش تھی اس کے چہرے پر جو اب سے پہلے خود اسے بھی دکھائی نہیں دی تھی۔ نجانے یہ ان ڈھیر ڈھیر لوازمات اور اچھی خوراک کا کمال تھا جو اس نے بیوٹیشن اور نیوٹریشن کی ہدایات پر گزشتہ پورے مہینے سے استعمال کی تھی یا پھر اس کی روح کی خوشی کا اثر تھا جو اس کے دل وجاں کو نہال کیے ہوئے تھی۔ فضا نے اپنے تازہ تازہ ٹرم کیے گئے بے حد ملائم اور دراز بالوں میں برش کرتے ہوئے سوچا۔

❁ ◉ ❁

"اف! یہ رجو کہاں گھس گئی ہے؟" فضا نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے خاصے کوفت کے عالم میں سرونٹ کوارٹر کی جانب جانے والی راہداری کی جانب دیکھا پھر بجائے پورچ میں کھڑے رہ کر وقت ضائع کرنے کے اس نے کوارٹر کی جانب قدم بڑھادیے۔ انور اندر کچن میں تھا اس لیے وہ ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگئی تھی۔ رجو کمرے میں نہیں تھی۔ شاید باتھ روم میں گئی ہے، وہ اس خیال کے ساتھ واپس پلٹنے کو تھی جب اچانک اس کی نگاہ کھلی الماری سے ہوتی ہوئی فرش پر پڑی تھی اور وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ بے یقینی سے کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ ایک ٹک فرش پر بکھرے ان لفافوں کو دیکھ رہی تھی جن پر لکھا پتا اس کی اپنی لکھائی میں تھا۔ دکھ، تاسف، غصہ، حیرانی اور بے یقینی میں گھری وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ کیسے پل کیا گزرے شدید تناؤ کی کیفیت میں وہ آگے بڑھی اور جھک کر وہ سب لفافے اکٹھے کرلیے تھے۔ تبھی اس کے پیچھے ساکت وجامد کھڑی رجو آگے بڑھی تھی اور اس نے فضا کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔

"بیگم صاحبہ! ہمیں معاف کردیں، ہم لالچ میں آگئے تھے جی! شیطان کے پیچھے لگ گئے تھے، ہمیں معاف کردیں ہم سے بہت بڑی بھول ہوگئی...... ہم نے آپ کو...... ہم...... بہت برے...... ہمیں معاف کردیں۔" فضا کے پاؤں کھینچنے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اور پھر یونہی روتے ہوئے اس نے اپنی انور کے ساتھ وقتاً فوقتاً ہونے والی تکرار سے لے کر اپنے مان جانے کے فائدے تک سب کچھ بتاڈالا تھا۔ فضا چند لمحے اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی پھر ایک گہری سانس لے کر اسے اٹھنے کے لیے کہا تھا۔

"اگر کچھ لفافے اندر پڑے ہیں تو وہ بھی نکال دو۔" ٹھنڈے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے الماری کی جانب اشارہ کیا تھا۔ رجو جلدی سے اٹھی تھی۔ الماری کے نچلے خانے سے سارے کپڑے نکال کر بستر پر پھینکتے ہوئے اس نے کونے میں پڑے دو اور لفافے لاکر فضا کے ہاتھ میں تھمادیے تھے۔

"بیگم صاحبہ! ہمیں......" بے حد لجاجت سے رجو نے کہنا چاہا تھا لیکن فضا نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"دیکھو رجو اس وقت میں بہت پریشان ہوں، بہتر ہے ایک دو دن میرا تم لوگوں سے سامنا نہ ہو۔ اس لیے تم لوگ اپنے گاؤں انور کی بے بے کے پاس چکر لگالو اتوار تک آجانا۔"

ایک اچٹتی سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے فضا نے سپاٹ لہجے میں کہا اور تیزی سے کوارٹر سے نکل آئی۔

اگلے چند دن میں سارہ شاہ میں آنے والی واضح تبدیلی نے ثمین اور بہروز ہاشمی کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ پہلے کی طرح بیوٹی ٹپس استعمال کرتی' شاپنگ کرتی' تقریبات میں شرکت کرتی' ہشاش بشاش اور نک سک سے تیار بھی سنوری نظر آنے لگی تھی۔ ثمین اور بہروز ہاشمی مطمئن سے ہوگئے تھے۔ اس دن بھی وہ امان کے اسکول جانے کے بعد شاہنواز ہاشمی اور صہیب ہاشمی کی طرف جانے کے لیے تیار تھی۔ چند دن کی مسلسل دیکھ بھال سے اس کی آنکھوں کے حلقے دور ہوچکے تھے اور مرجھائی ہوئی جلد پہلے کی طرح تر و تازہ ہوگئی تھی۔ بلیک جینز کے اوپر اسکائی بلیو کرتا پہنے تازہ تازہ شیمپو کیے ہوئے بالوں اور مہارت سے کیے گئے میک اپ میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک دلکش نظر آرہی تھی۔ ثمین کے دل میں یونہی کسی موہوم سے وسوسے نے سر ابھارا تھا۔ اور اس نے جلدی سے نگاہ پھیر لی تھی۔

"ثمین! مسز فراست سے بات ہوئی؟ میوزیکل پروگرام اٹینڈ کرنے کا ارادہ ہے ان کا یا نہیں......؟" اپنی مخصوص شاہانہ چال چلتی وہ ثمین کے قریب آ کر رکی۔

"بے شک......" ثمین کافی کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کی طرف مڑی تھی۔

"واہ! بہت حسین لگ رہی ہو۔"

"شکریہ۔"

"بے پروا سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے گلاسز پر پھونک مارتے ہوئے نادیدہ گرد اڑائی۔

"کس وقت تک آؤ گی؟"

"شام کو امان کو اسکول سے میں اور شازمہ بھابی لے لیں گے تم رہنے دینا اور ہاں درزی کے پاس جاؤ تو میرے کپڑے بھی لیتی آنا۔" اس نے جلدی جلدی کہا اور پھر سلام کرتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔ شازمہ بھابی پاکستان سے تیرہ چودہ سال کی ایک ملازمہ لڑکی لائی تھیں' دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی سارہ کو شازمہ بھابی کے زور و شور سے رونے کی آواز آئی تھی اور اس کا دل جیسے دھک سے رہ گیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ وہ بے شک اس کی بھابی تھیں لیکن یوں اچانک کسی کے سر پر جا کر کھڑے ہوجانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ تبھی اسے اندر سے عظمیٰ بھابی کی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ تو یوں فکرمند ہو رہی ہیں آپی جیسے پہلی مرتبہ آپ نے بھابی سے ایسی باتیں سنی ہوں' کیا آپ بھول گئی ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہیں' وہ جو گزشتہ کچھ عرصے سے ہم دونوں بہنوں کی اور خاص طور پر آپ کی اس قدر آؤ بھگت کر رہی تھیں تو صرف اس لیے کہ آپ منال کی شادی نوید سے کردیں اور اس طرح ان کا نکما اور کام چور بیٹا امریکا میں سیٹ ہوجائے۔ اب جونہی ان کو آپ کی طرف سے مثبت جواب نہ ملا تو وہ فوراً اپنی اوقات پر آگئیں۔ وہ جتنی گری ہوئی سوچ کی مالک ہیں تو ان سے ایسی ہی توقع کی جاسکتی ہے اور آپ یوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں جیسے آپ کو علم نہیں ہے ان کے بارے میں...... چلیں انھیں دفع کریں ان کی ہر بات کو۔ بہت رلایا ہے انہوں نے پہلے بھی اب بھی اگر ہم ان کی باتوں کو دل سے لگائیں تو ہم سے زیادہ پاگل کوئی نہیں ہوگا۔" عظمیٰ بھابی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ اور وہ عجیب سی کیفیت میں گھرتی جا رہی تھی۔

"لیکن عظمیٰ! وہ تو چلو بھابی ہیں ہماری' لیکن بھائی جی بھی پاس ہی تھے۔ میں نے خود پیچھے سے ان کے بولنے کی آواز سنی تھی۔"

"بھائی جی......؟ چھوڑیں آپی! کوئی اور بات کریں...... بھائی جی نے تو اپنی زبان پہلے دن سے ہی بھابی کے پاس گروی رکھ دی تھی۔ اس لیے ان کی بے زبانی کا گلہ فضول ہے۔" عظمیٰ بھابی نے تلخی سے کہا۔ "اچھا چلیں آئیں ناشتا کریں اور کیا خیال ہے آج ثمین کی طرف نہ چلا جائے۔ کافی دن ہوگئے ہیں سارہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔" اس سے پہلے کہ وہ دونوں باہر نکلتیں سارہ نے قدم آگے بڑھائے تھے اور اندر داخل ہوئی تھی۔

"سارہ! تم...... وہ کیا بات ہے بھئی؟ میں اور شازمہ آپی تمہاری ہی بات کر رہے تھے کہ تم سے مل کر آتے ہیں کیسی ہو؟" اس سے گلے ملتے ہوئے عظمیٰ بھابی نے خوش دلی سے کہا تھا۔ شازمہ بھابی بھی جلدی جلدی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور ان سے گلے ملتے ہوئے سارہ شاہ گہری سوچ میں تھی۔ پھر وہ دونوں مل کر اس کی خاطر مدارات میں لگ گئی اور وہ دل ہی دل میں شرمسار ہو رہی تھی۔ یہ دونوں اس کی بھابیاں تھیں جن سے اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن ان دونوں نے ہمیشہ اسے محبت اور مان دیا تھا اور وہ ہمیشہ ان کے خلوص' ان کی محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی رہی تھی۔ بلکہ ایک ان پر ہی موقوف کہاں تھا' اس نے تو ہر اک کی محبت کو ہی یونہی لیا تھا وہ کبھی جان ہی نہیں سکی تھی کہ یہ اس کی کتنی بڑی خوش نصیبی تھی کہ اتنی ساری محبتیں اسے حاصل تھیں۔ پھر جب تک وہ وہاں رکی بار بار اس کا دل چاہتا رہا تھا کہ وہ شازمہ بھابی اور عظمیٰ بھابی کو بتائے کہ وہ بے حد اچھی ہیں اور یہ کہ وہ بھی انہیں بے حد چاہتی ہے۔ ان سے بہت محبت کرتی ہے لیکن وہ ایسا کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔ ہر بار ایک عجیب سی جھجک آڑے آجاتی تھی۔ وہ کیا سوچیں گی کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد اب سارہ شاہ کو علم ہوا ہے کہ وہ اچھی ہیں جب اپنا گھر چھوڑ چھاڑ کر ان کے سہارے پر یہاں آ کر بیٹھی ہے تو......!

پھر اپنی اس سوچ پر اسے خود ہی حیرت ہوئی تھی۔ یہ وہ کس طرح سوچنے لگی تھی۔ اس نے پہلے تو ایسے کبھی نہیں سوچا تھا۔ مگر اس نے اس سے پہلے دوسروں کے بارے میں سوچا ہی کب تھا! وہ تو ہمیشہ اپنی ہی ذات کے حصار میں گھری رہی تھی' اپنے ہی بارے میں سوچتی رہی تھی' اس کی زندگی سے وابستہ ہر فرد اس سے بے تحاشا محبت کرتا تھا مگر اس نے خود کسی کو محبت لوٹائی تو دور کی بات تھی' کبھی جتائی تک نہیں تھی۔ آج اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ ثمین اسے یوں کھویا کھویا سا دیکھ کر حیران ہوئی۔ وہ صبح جس قدر پرجوش تھی اب اتنی ہی بجھی بجھی سی نظر آرہی تھی۔ ثمین نے ایک آدھ بار پوچھا پر زیادہ کریدنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے خاموش ہوگئی اور جب ثمین اپنے بیڈروم میں چلی گئی تو سارہ شاہ جیسے یکدم چونکی تھی' پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ وہ جذبوں کے اظہار میں کس قدر ناکام تھی اسے شدت سے احساس ہوا تھا۔ کئی دنوں کے بعد اس رات پھر وہ رات گئے تک جاگتی رہی تھی' عجیب متضاد قسم کی سوچیں تھیں جو اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ شام کو ملکی کا فون آیا تھا وہ لوگ چند دن پہلے پاکستان پہنچ چکے تھے اور ایک دو دن میں اسے خوشخبری سنانے والی تھی۔

"مگر کیا واقعی یہ خوشخبری تھی...... اور اگر تھی تو وہ خوش کیوں نہیں تھی...... مسلسل اضطراب اور بے چینی کیوں تھی...... نیند آنکھوں سے دور کیوں تھی

...... کروٹ بدلتے ہوئے سارہ شاہ نے الجھ کر سوچا تھا اور تھک کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔ ایک نظر امان پر ڈالی جو بے خبر سو رہا تھا آہستگی سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔

غیر ارادی طور پر اس نے موبائل فون اٹھایا اور مراد شاہ کا نمبر ملایا تھا لیکن بیل جاتے ہی اسے خیال آیا تھا کہ یہ وہ کیا کر رہی ہے نہ جانے اس وقت وہ کہاں ہوں اور کیا کر رہے ہوں...... ؟ اس نے فوراً آف کا بٹن دبا دیا تھا لیکن دل پھر بہت بوجھل ہو گیا تھا۔

"تو مراد اب آپ سے بات کرنے کے لیے بھی مجھے سوچنا ہوگا۔ بلکہ اب تو میں جب بھی فون کروں وہ بے وقت ہی ہوگا آپ یقیناً مجھ سے بات نہیں کرنا چاہیں گے لیکن مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جو کچھ ہوا ہے میری ہی وجہ سے تو ہوا ہے۔ نہ میں آپ کو اس قدر نظر انداز کرتی نہ یہ سب ہوتا۔ لیکن اب مجھے پتا چل گیا ہے کہ میں آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں۔ شاید اس سے بھی زیادہ جتنی آپ نے مجھ سے کی ہے اب آپ دیکھیں گے کہ مجھ میں کتنی بڑی تبدیلی آئی ہے اور یہ سب صرف اور صرف آپ کو پھر سے پانے کے لیے ہے مراد میں آپ سے بہت محبت کروں گی...... اتنی محبت کہ آپ میرے سوا سب کچھ بھول جائیں گے۔" سیل فون کو دونوں ہاتھوں میں بھینچتے ہوئے وہ سرگوشی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وقت ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں رہتا نہ ہی خوش نصیبی ہمیشہ اس کی دستک کے انتظار میں رہتی ہے۔

وقت کو ہمیشہ اپنے اختیار میں رکھنا ہو خوش نصیبی کے اس اعزاز کو برقرار رکھنا ہو تو وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی آواز کو سننا پڑتا ہے اس کے تقاضوں کو سمجھنا پڑتا ہے۔ سارہ شاہ یہ نہیں کر سکی تھی اور وقت اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔

"سارہ...... یہ تمہاری ڈاک آئی تھی کل...... مجھے شام کو بتانا یاد نہیں رہا۔"

صبح ناشتے کے بعد ثمین نے ایک پارسل اس کی طرف بڑھایا۔

"پاکستان سے......؟" زیر لب کہتے ہوئے کچھ الجھن آمیز انداز میں سارہ شاہ نے ڈاک دیکھی۔ انجان لکھائی تھی۔ اس نے پلٹتے ہوئے پارسل کی پچھلی طرف نگاہ ڈالی تھی۔ اس کے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ایک گہری حیرانی اتر آئی تھی۔

"سارہ! ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ڈیڈی انہیں اسپتال لے کر جا رہے ہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ بچے اسکول سے آئیں گے تو تم انہیں دیکھ لینا۔" ثمین پریشان سی بیگ کندھے پر ڈالتی بولی۔

"ٹھیک ہے!" وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں ثمین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ثمین نے تیزی سے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

"اسپتال پہنچ کر فون کر دینا ثمین۔" اچانک خیال آنے پر اس نے پکارا تھا اور اس کے جانے کے بعد چند لمحے الجھے الجھے سے انداز میں پارسل کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر نہ جانے ہوئے بھی اسے کھول لیا تھا اور اس کی حیرت دو چند ہو گئی تھی۔ وہ تقریباً بیس پچیس لفافے تھے۔ سب سے اوپر والے کے اوپر مارکر سے نمایاں انداز میں تاریخ لکھی گئی تھی' نچلے پر اس سے پچھلے ہفتے کی تاریخ تھی۔ ایک ایک کر کے سارہ لفافے اٹھاتی گئی اور سب سے آخری لفافے پر سارہ شاہ کے امریکا آنے کے چند دن بعد کی تاریخ تھی۔ اس نے بے اختیار ہی لفافہ کھولا تھا۔ اس کی نگاہیں لفظوں پر دوڑنے لگی تھیں۔ ایک کے بعد دوسرا'



تیسرا...... پھر وہ سب خطوط اس نے پڑھ ڈالے۔ بہت دیر وہ پتھر کے مجسمے کی مانند کھوئی کھوئی سی کیفیت میں بیٹھی رہی تھی پھر یکدم جیسے اس پتھر کے مجسمے میں [illegible] ہوئی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی اور فون اٹھاتے ہوئے تیزی سے نکی کا نمبر ملایا۔ اس کا موبائل فون بند تھا۔ ایک بار دو بار اور پھر بیسیوں بار اس نے نمبر ملایا تھا۔ وہ پاکستان کے عزیز رشتے دار اور دوست جو اس کے ذہن میں آ رہا تھا جس کے توسط سے نکی سے رابطہ ہو سکتا تھا اسے فون کر کے نکی سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر طرف سے ناکامی کے [illegible] ہاتھ نہ آیا تھا۔ انتہائی اضطراب کے عالم میں گھر میں ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔ شدید [illegible] اور ذہن پر طاری مسلسل تناؤ کی وجہ سے سر جیسے درد کے مارے پھٹنے کو تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا کرے...... کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے سب سے اوپر رکھا کاغذ سیدھا کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ سطریں تھیں جنہیں اس کی آنکھوں سے بے اختیار ہو کر نکلنے والے دو قطروں نے پھیلا دیا تھا۔

"سارہ باجی! میری تمام التجاؤں کے جواب میں آپ کی طرف سے مکمل خاموشی میرے لیے کتنی اذیت ناک ہے۔ کاش میں آپ کو بتا سکتی۔ اگر اب بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں سمجھوں گی کہ جیسے باپ کی شفقت اور ماں کی محبت میرا مقدر نہیں' بھائیوں کا تحفظ اور مان میرا مقدر نہیں تھا ایسے ہی کوئی بھی اور رشتہ اللہ نے میرے لیے نہیں بنایا۔ آپ کا گھر اور وہاں کی ہر چیز آپ کی منتظر ہے۔ میں وہاں نہیں گئی آپ کی کسی چیز کو نہیں چھیڑا سب کچھ آپ کا ہے سارہ باجی! وہ گھر اس کی ہر چیز سے لے کر شاہ جی اور امان تک...... سب کچھ...... میں تو بس آپ لوگوں کی زندگی میں تھوڑی سی جگہ چاہتی تھی' کچھ ایسے رشتے جنہیں میں اپنا کہہ سکوں' جن سے محبت کر سکوں اور جن کا خیال رکھ سکوں...... لیکن آپ کو اگر یہ منظور نہیں تو کوئی بات نہیں...... بس آپ لوٹ آئیں خدارا میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کی زندگی سے بہت دور چلی جاؤں گی' کبھی واپس پلٹ کر نہ آنے کے لیے۔"

بے اختیار سارہ شاہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کاغذ پر گرنے لگے تھے۔ تبھی اس کا فون بجا تھا اور اس نے لپک کر بے قراری سے فون اٹھایا لیکن ثمین کا نمبر دیکھ کر اس کی امیدوں پر اوس سی پڑ گئی تھی' بے دلی سے اس نے فون اٹینڈ کیا۔ "اب کیسی طبیعت ہے آنٹی کی......؟"

"ٹھیک ہیں سارہ! چیک اپ کے بعد ہم لوگ گھر آ گئے ہیں۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں...... بس بی پی کچھ بڑھ گیا تھا...... تم سناؤ کیا کر رہی ہو...... اور یہ تمہاری آواز کیوں بھاری ہو رہی ہے......؟ تم رو رہی ہو سارہ!" ثمین بری طرح بے چین ہو گئی تھی۔

"ہاں ثمین مجھے...... مجھے...... تم...... تمہاری اور بہروز بھائی کی مدد کی ضرورت ہے...... مجھے فوراً پاکستان جانا ہے ثمین!" روانی سے بہتے آنسوؤں کے درمیان اس نے یکدم ہی جیسے فیصلہ کر لیا۔

"خیریت تو ہے سارہ!" ثمین نے متوحش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ہمیشہ بہت غلطیاں کی ہیں ثمین لیکن اب جو کچھ میں نے کیا ہے وہ تو نہ بتانے کے قابل ہے نہ معافی کے۔" روتے ہوئے وہ ثمین کو مختصراً پوری بات بتاتی چلی گئی۔

"سارہ......!" لکی اسے یوں اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

"لک......! خدا کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئیں۔ میں بہت فکر مند تھی کہ پتا نہیں مجھے تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈنا پڑے گا۔ سارا راستہ بس میں یہی سوچتی رہی اور تمہارا فون بھلا کیوں آف تھا......؟ میں نے بے تحاشا کالز کیں مگر کوئی جواب نہیں......؟" بغیر کسی قسم کی سلام دعا کے وہ تیز لہجے میں جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔

"سارہ......! تم یوں اچانک......؟ اور پلیز پرسکون ہو کر بیٹھو تو سہی، یہ کیا کہہ......" لکی حیران وپریشان سی اس کی طرف بڑھی تھی مگر سارہ کے دل ودماغ پر اس وقت صرف فضا کی فکر سوار تھی۔

"لکی! جلدی کرو پلیز! نوی بھائی کو فون کرو فضا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے...... پلیز لکی!" وہ بے قراری سے بولی تھی۔

"اب کچھ نہیں ہوسکتا سارہ......!" لکی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا......! کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے لکی کو دیکھنے لگی۔

"ہاں...... بارہ بجے کے قریب نوی کا فون آیا تھا وہ کہہ رہا تھا ابھی تھوڑی ہی دیر میں مجھے کامیابی کی خبر سنائیں گے۔ اس وقت وہ فضا کی گاڑی کے بالکل قریب تھے پھر میں فون بند کر کے سو گئی تھی۔ ابھی اٹھی ہوں تو فون کیا ہے مگر نوی کا سیل فون آف ہے اچھا تم آؤ تو سہی...... یہ کیا......!" وہ کہہ رہی تھی لیکن سارہ شاہ اس کی پوری بات سنے بغیر پلٹی اور بھاگتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسے آتے دیکھ کر فوراً ٹیکسی اسٹارٹ کی اور اگلے ہی لمحے وہ ٹیکسی کو اس کے بتائے ہوئے راستوں پر بھگا رہا تھا۔

❁ ◉ ❁

"صاحب جی...... صاحب جی...... ابھی ابھی رجو کا فون آیا ہے جی! وہ بتا رہی ہے کہ وہ اور بیگم صاحبہ اسپتال میں ہیں...... پھر فوراً ہی لائن کٹ گئی صاحب جی! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب میں کیا کروں...... شکر ہے آپ آگئے جلدی سے بیگم صاحبہ کو فون کریں جی...... وہ خیریت سے تو ہیں دوپہر سے شام ہوگئی ہے پتا نہیں کیا ہوا ہے جو رجو اسپتال سے...... اللہ خیر کرے۔" مراد شاہ گاڑی سے نکلے ہی تھے جب انور کے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہے گئے جملوں نے انہیں جیسے منجمد کر دیا تھا۔ پھر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب انور کی حیران وپریشان سی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"بیگم صاحب جی آپ......!" وہ بڑبڑا کر پلٹے اور اپنے پیچھے کھڑی پھیلی پھیلی آنکھوں اور [illegible] کی مانند ساکت وجامد کھڑی سارہ شاہ [illegible] تھی۔ وہ ایک لمحے کو ہق دق سے اسے [illegible] تھے جبھی بے حد آہستہ آواز میں اس کے لبوں سے سرگوشی کے سے انداز میں نکلنے والے جملے نے ان کے جسم سے جیسے روح کھینچ لی تھی۔

"میں نے [illegible] اپنی راہ سے ہٹا دیا، قتل کروا دیا میں نے اس کو...... ابھی وہ آئے گی...... [illegible] پر چلتے ہوئے نہیں...... اسٹریچر پر...... [illegible] صورت......" وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر مراد شاہ کی سماعت جیسے مفلوج ہوکر رہ گئی تھی۔ بے جان ہوتے جسم اور بے یقینی سے پوری کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہے تھے قدموں تلے کی زمین ریت کی مانند انہیں پاؤں کے نیچے سے کھسکتی معلوم



ہو رہی تھی۔ پھر ایک دم ان کے جسم میں حرکت ہوئی، انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے وجود میں اک آتش فشاں دہک اٹھا ہو......

"تم...... ذلیل...... عورت۔" وہ لپک کر سارہ شاہ کی طرف بڑھے اور دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیا۔

"میں...... میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا سفاک عورت!"

"شاہ جی...... شاہ جی یہ کیا کر رہے ہیں آپ......؟" فضا پوری طاقت سے انہیں پیچھے کھینچتے ہوئے چلائی۔

"فضا......" وہ یوں آنکھیں پھاڑے فضا کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ فضا نہیں بلکہ اس کی روح ہو۔ ان کی کیفیت سے بے خبر لپک کر سارہ کی طرف بڑھی تھی جو گلے پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانس رہی تھی۔

"رجو! پانی لاؤ جلدی سے کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو؟" رجو کو ڈپٹتے ہوئے اس نے سارہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ آگئیں نا سارہ باجی مجھے یقین تھا آپ ضرور آئیں گی۔" مارے خوشی کے فضا کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔ "آئیں آپ...... اندر آئیں......" وہ سارہ شاہ کا ہاتھ تھامے اسے اندر کی طرف کھینچ رہی تھی۔ مراد شاہ کچھ دیر کھڑے ٹکر ٹکر اس کا منہ دیکھتے رہے تھے پھر تیزی سے آگے بڑھے اور ایک جھٹکے سے سارہ شاہ کے بازو کو فضا سے چھڑایا اور اسے باہر کی طرف دھکا دیا۔

"نہیں آسکتی یہ اندر...... ہرگز نہیں......"

"کیا ہوگیا ہے شاہ جی آپ کو...... کیوں آپ اس طرح کر رہے ہیں؟ کتنی مشکل سے میں نے انہیں آنے کے لیے راضی کیا ہے، کتنے خط لکھے ہیں میں نے انہیں [illegible] اب جب وہ آگئی ہیں تو آپ ایسے کر رہے ہیں...... کیوں شاہ جی! کس لیے؟" وہ روہانسی ہوگئی۔

"فضا یہ...... یہ عورت تمہاری دشمن ہے تم اسے نہیں جانتیں...... یہ کس قدر خود غرض، بے حس اور سنگدل ہے تمہیں کچھ خبر نہیں......"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں شاہ جی! کیوں میری ساری خوشی ملیامیٹ کر رہے ہیں آپ جانتے ہیں نا میں نے اس دن کے لیے کتنی دعائیں کی ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مراد شاہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کریں کیسے اسے سمجھائیں وہ تو جیسے ان کی کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔ سارہ شاہ نے چند گھونٹ پانی پیا اور گلاس رجو کو تھماتے ہوئے خالی خالی نگاہوں سے مراد شاہ اور فضا کو دیکھا۔

"شاہ جی! مجھے یقین ہے اللہ نے سارہ باجی سے ملانے کے لیے ہی آج مجھے بچایا ہے اتنا خوفناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ سامان سے بھرا ٹرک ہماری گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا میں نے تو آنکھیں بند کرتے ہوئے کلمہ بھی پڑھ لیا تھا پھر پتا نہیں کیا ہوا جیسے کسی فرشتے نے پل میں اسٹیئرنگ تھام کر گاڑی سائیڈ پر کر دی...... اور اسپتال تو یہ رجو مجھے ضد کر کے لے گئی ورنہ مجھے تو ایک خراش تک نہیں آئی۔" فضا نے جھرجھری لیتے ہوئے بتایا۔ اس کا مقصد مراد شاہ کو نرم کرنا تھا۔ سارہ شاہ نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گہری سانس لی اور مراد شاہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔ اس کا خوب صورت چہرہ آج انہیں انتہائی کریہہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ خود غرض تھی

خود پرست تھی
بے حس تھی
لیکن......!
وہ اس قدر سنگدل بھی ہوسکتی تھی......
اس قدر پستی میں بھی گرسکتی کہ کسی کی جان لینے پر ہی تل جائے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ انہیں خود پر شرم آرہی تھی کہ انہوں نے اس عورت سے محبت کی تھی' اپنی زندگی کے بے حد قیمتی ماہ وسال اس کی اک اک ادا پر نثار ہوتے بسر کیے تھے۔

"کیا یہ عورت اس قابل تھی کہ اس سے محبت کی جاتی؟ اس پر نثار ہوا جاتا...... نہیں...... ہرگز نہیں......" انتہائی نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔ اور اس نگاہ نے سارہ شاہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس نے پوری شدت سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ دل کا کرب آنسو بن کر آنکھوں سے بہنے کے بجائے اس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔ کتنا مشکل ہے کسی کی نگاہوں سے گر کر جینا اور وہ بھی اس شخص کی جسے آپ دل وجان سے چاہتے ہوں' جس کی نگاہوں میں سرخرو ہونا چاہتے ہوں۔

"فضا! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو' یہ عورت کبھی بھی تمہاری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی' یہ تمہیں...... تمہیں کیسے سمجھاؤں میں...... کیسے سمجھاؤں۔" مراد شاہ نے سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔ اذیت سے لبوں کو کچلتے ہوئے سارہ شاہ نے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ تم سے نفرت کرتی ہے فضا اسے صرف نفرت کرنا آتی ہے۔ صرف نفرت' یہ فضا نہیں سارہ شاہ ہے سارہ شاہ جو کبھی محبت نہیں کرسکتی۔" سارہ کو محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے ہوں۔ اس سے پہلے کہ ان کا اس سے رشتہ لہو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلتا اور ایک ایک ٹکڑا چلا چلا کر اس محبت کا اظہار کرنے لگتا جو اب تک اس کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی تھی' وہ کانوں پر ہاتھ رکھتی بھاگتی ہوئی گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔

❁......◈......❁

دو دن...... صدیوں اور قرنوں جیسے طویل دو دن گزر چکے تھے۔ سارہ شاہ اس کمرے میں بند تھی نہ اسے بھوک کا احساس تھا نہ پیاس کا...... بوڑھا چوکیدار اور اس کی بیوی کھانے کا پوچھنے آتے اور دروازے پر دستک دے کر حیران و پریشان واپس چلے جاتے۔

"یہ فضا نہیں سارہ شاہ ہے' سارہ شاہ! جو کبھی محبت نہیں کرسکتی۔"

کمرے میں اک وحشت ناک سناٹا تھا' اس سناٹے میں گونجتی یہ بازگشت اور روتی سسکتی سارہ شاہ۔

"مم...... میں محبت کرسکتی ہوں مراد شاہ' مجھے محبت کرتی ہوں میں آپ سے...... شش...... شاید اس سے بھی زیادہ جتنی آپ مجھ سے کرتے تھے۔" وہ کروٹیں بدلتی' دیواروں سے لپٹتی' مراد کو انوکھی ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہتی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں بے تحاشا سوج چکی تھیں۔ لب خشک ہوچکے تھے' چہرہ زرد نظر آنے لگا تھا۔ وہ وقت جو گزر چکا تھا واپس لایا جاسکتا تو سارہ شاہ وہ وقت واپس لاتی جب مراد شاہ کی بے پناہ محبت اور چاہت صرف اس کے لیے تھی' وہ ان لمحوں کو واپس لاتی جب مراد شاہ کو اس کی محبت کی طلب تھی تب وہ انہیں بتاتی کہ وہ ان سے کس قدر محبت کرتی ہے...... لیکن وہ لمحے جو گزر چکے تھے وہ واپس نہیں آسکتے تھے۔ اس نے بکھرے اور الجھے ہوئے بالوں کو چہرے سے



پیچھے ہٹاتے ہوئے حسرت و یاس سے سوچا تھا۔ پھر جیسے یکدم وہ بری طرح چونکی تھی۔

"ایان......" بہت دھیمی سرگوشی سی اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ وہ بے چینی سے بستر سے اٹھی۔

"او میرے خدا دو دن سے میں نے ایان سے بات نہیں کی وہ کس قدر پریشان ہوگا' باقی سب کو بھی تنگ کر رکھا ہوگا۔" اس نے ہینڈ بیگ کی تلاش میں نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں تو بیگ دروازے کے قریب پڑا نظر آیا۔ اس نے بیگ اٹھاتے ہوئے سیل فون نکال کر دیکھا تو چارجنگ بالکل ختم تھی۔ چارجر لگاتے ہوئے وہ فضا اور اس کی اعلیٰ ظرفی کے بارے میں سوچنے لگی۔ کیسے اس نے اپنے دل کا ٹکڑا ہمیشہ کے لیے اسے سونپ دیا تھا اور ان کی عاجزی' جس نے سارہ شاہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

"سارہ باجی آپ یہاں آجائیں یا پھر وہاں رہیں' ایان آپ کا بیٹا ہے آج بھی اور کل بھی...... اگر آپ فون پر کبھی کبھار بات کروادیں تو مجھے خوشی ہوگی لیکن اگر آپ کو بیا چھانہ لگے تو کوئی بات نہیں۔" اس کا لکھا ہوا جملہ لفظ بہ لفظ سارہ کو یاد تھا۔

اسے فضا سے عجیب سی انسیت محسوس ہورہی تھی۔ کچھ تھا اس عام سی لڑکی میں جو اسے خاص' بہت خاص بناتا تھا' اسے دل کے قریب لاتا تھا' شاید اس کا بے لوث خلوص اور اس کی بے غرض محبت...... بے شک وہ اس قابل تھی کہ مراد شاہ جیسا شخص اسے اپنے دل میں بساتا۔ نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ سارہ شاہ نے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا تھا۔ سارہ شاہ نے ہمیشہ محبت کی نفی کی تھی' محبت دینا اسے نہیں آتا تھا اور محبت لینا' صرف اسے آتی ہے جو محبت دینا جانتا ہو اور محبت دینا ضرور آنا چاہیے ورنہ ایک وقت آتا ہے کہ پوری کائنات پاس ہوتے ہوئے بھی انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔

گو یہ بات سارہ شاہ نے بہت دیر سے جانی تھی لیکن جب جان لی تھی تو اب وہ ایسا وقت آنے دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ وقت جو گزر چکا تھا اسے واپس لانا ممکن نہیں تھا اور جو کچھ کھو دیا تھا اسے پانا بھی بہت مشکل تھا لیکن یہ وقت جو اس کے ہاتھ میں تھا اسے یوں گزارنا اس کے اختیار میں تھا کہ کل اسے پچھتانا نہ پڑتا...... یہ دکھ جو اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کررہا تھا ایسا کوئی اور دکھ اٹھانا نہ پڑتا۔

ایان سے بات کرنے کے لیے فون اٹھاتے ہوئے اس نے سوچا کہ اس کے بعد وہ تینوں بھابیوں اور بھائیوں سے بات کرے گی اور ان بے لوث محبتوں کا شکریہ ادا کرے گی جو وہ اب تک اس سے کرتے رہے تھے۔ ابھی اسے فضا کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا جس نے اسے محبت کرنا سکھایا تھا۔ اور مراد شاہ! مراد شاہ سے کیا کہے وہ؟ اور کیسے؟ اور کیا وہ اس کا یقین کریں گے......؟ کرب سے لبوں کو بھینچتے ہوئے سارہ شاہ نے سوچا اور اسے اپنے ارد گرد پھیلا سناٹا کچھ اور گہرا ہوتا محسوس ہوا تھا۔

مگر اسے مراد شاہ کو ہر حال میں اپنی محبتوں کا یقین دلانا تھا اور اسے معلوم تھا' وہ مان جائیں گے کیونکہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور جو محبت کرتے ہیں وہ اعلیٰ ظرف بھی رکھتے ہیں۔" یہ اس کا یقین تھا۔ وہ اک عزم سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

(ختم شد)

# تقاضۂ وفا

انعم خان

دمک رہے ہیں میرے حرف لب پہ آئے بغیر
سمجھ رہا ہے وہ باتیں مری بتائے بغیر
یہ دو چراغ ہیں اور ایک لو سے روشن ہیں
دیا جلا نہیں کرتا لہو جلائے بغیر

"اماں پلیز بس کریں۔ جو میں نے کہہ دیا، سو کہہ دیا۔" ارحم بخاری گویا ایک ہی بحث سے تنگ آ چکا تھا۔ لہجہ انتہائی اکتاہٹ آمیز ہونے کے ساتھ ساتھ حتمی بھی تھا۔ اماں نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ نگاہ چرا گیا۔

"ہاں تو بیٹا جی۔ کیا ساری عمر کنوارے ہی رہو گے؟" سکندر بخاری نے بیٹے کی قطعیت اور بیوی کے چہرے پر چھائی افسردگی کو محسوس کرتے ہوئے اپنا لہجہ قدرے نرم اور آہستہ ہی رکھا۔

"شاید نہیں بلکہ یقیناً۔" اب کے وہ بھی مدھم لہجہ میں بولا۔

"کوئی نہیں بھیا اب ہم آپ کی ایک نہ سنیں گے۔ بہت کرلیا ہم نے انتظار اب آپ کو ہاں کرنا ہی پڑے گی۔" قندیل نے بھی یہاں چپ رہنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر اماں نے تو گویا چپ سادھ لی تھی۔ ارحم نے خاموشی سے آسفہ بیگم کی طرف دیکھا، وہ [illegible] قفل ڈالے بیٹھی تھیں جبکہ قندیل [illegible] اُسے دیکھے جارہی تھی۔ ارحم نے [illegible] باپ کو دیکھا جو نارمل تاثرات سمیت [illegible] کے ساتھ معاملہ ہینڈل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ سو انہیں مخاطب کرنا زیادہ مناسب تھا۔

"گزرا وقت واپس نہیں آتا ابو! جب میں نے آپ سے شادی کی بات کی تھی، تب آپ میں سے کوئی راضی نہ تھا، سو میں چپ ہو گیا اور اب آپ چاہتے ہیں کہ میں شادی کروں تو اب میرا دل نہیں مانتا۔ میرے دل میں کسی کے لیے بھی کوئی [illegible] ہے۔" وہ نہایت سپاٹ انداز میں کہتا ایک [illegible] پڑ اٹھا باہر نکل گیا۔ سکندر بخاری [illegible] سانس خارج کی اور آسفہ بیگم کی طرف دیکھا [illegible] آنکھوں میں آئے آنسو ضبط [illegible] تھیں۔ چند لمحے کمرے [illegible] سکوت چھایا رہا۔ ارحم کو شادی کے [illegible] ایک اور ناکام کوشش سے [illegible] تھے۔ قندیل کی آنکھوں کی چمک بھی [illegible] تھی۔

"مایوس مت ہو، مایوسی کفر ہے۔ وہ ضدی ہے۔ اس کے ساتھ جو ہوا وہ اس کے لیے ہمیں قصوروار سمجھتا ہے۔ میں سمجھاؤں گا اسے۔ وہ مان جائے گا۔ ہمیں تھوڑا صبر کرنا ہوگا۔" بالآخر سکندر بخاری

نے ہی اس سکوت کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں تسلی دینی چاہی مگر اماں جان کا ذہن تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ تبھی آنسو صاف کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھیں۔

"کوئی انتظار نہیں کرے گا اب، اب یا تو وہ بہو کی ڈولی لے کے آئے گا یا پھر میرا جنازہ لے کر جائے گا۔ بتا دیجئے گا اسے۔" وہ کہتے ہی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ قندیل نے حیرت سے سکندر بخاری کی طرف دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"یہاں تو سیر پر سوا سیر والی بات ہوگئی۔ بیٹا اگر اپنی ضد پر قائم رہنا چاہتا ہے تو ماں اب اپنی ضد دکھائے گی۔ بہرحال قندیل بیٹی دعا کرو کہ اس گھر کا امن و سکون برقرار رہے۔" وہ کچھ فکرمند سے بولے۔

"آمین!" قندیل نے دل ہی دل میں کہا۔

"بخاری ہاؤس" میں پچھلے ایک سال سے حل نہ ہونے والا موضوع زیر بحث چلا آرہا تھا اور یہ موضوع نہایت پرکشش، مردانہ وجاہت کے حامل، اعلیٰ تعلیم یافتہ، بینک میں اعلیٰ عہدے پر فائز اماں جان کے لاڈلے سپوت ارحم بخاری کی شادی سے متعلق تھا جس کے لیے بھی مثبت جواب کے لیے محوِ انتظار تھے مگر دوسری جانب ایک ہی رٹ جاری تھی۔

"میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔" جس پر سب پریشان تھے۔ تقریباً سب نے اس کو راضی کرنے کی اپنی سی کوشش کی مگر بار بار ناکامی، لیکن اب اماں جان کی سوچیں کسی اور طرف پرواز کرنے لگیں کہ گویا اس دفعہ بیٹے سے ہاں سننا ہی مقصود تھا۔

گرمی کے آغاز سے قبل موسم بہار انتہائی خوشگوار لیے، پرندوں کی میٹھی بولی کے ساتھ ہواؤں کے دوش پر ٹھنڈک کا احساس دے رہا تھا۔ ایسے میں "بخاری ہاؤس" کے خوبصورت لان میں ارحم دن بھر کی تھکن دور کرنے کے لیے شام کو وہاں چہل قدمی کر رہا تھا اور اپنے سب سے ناپسندیدہ موضوع "شادی" کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اپنے تئیں وہ شادی نہ کرنے کا اٹل فیصلہ کر چکا تھا مگر گھر والوں کا پرزور اصرار بھی کبھی اسے اپنے آپ میں بے بس کر دیتا۔ مگر اُسے خود سے کیا برسوں پرانا وعدہ نبھانا تھا اور وہ وعدہ تا عمر اپنی محبت کے حصول میں ناکامی کے بعد کسی اور سے شادی نہ کرنے کا تھا۔ جسے وہ آخری سانس تک پورا کرنا چاہتا تھا۔

سکندر بخاری اُسے دور سے ہی لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ارحم ارد گرد سے بے نیاز اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھا۔ یہ بہترین موقع تھا آصفہ بیگم کی بات ارحم تک پہنچانے کا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ لان کی طرف بڑھے۔ ارحم انہیں دیکھ کر اپنی جگہ رک گیا۔

"آیئے ابو!"

"کیا سوچ رہے تھے برخوردار۔" وہ اس کے برابر رک گئے۔

"سوچنا کیا ہے ابو! ٹینشن ہی ٹینشن ہے تنگ آ گیا ہوں میں ایک ہی بات، ایک ہی ذکر ہے۔ کیا اس گھر میں کوئی اور موضوع زیر بحث نہیں لایا جاسکتا؟" ارحم جھلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"لایا جاسکتا ہے۔ کیوں نہیں لایا جاسکتا اگر تم ہماری بات مان لو تو شادی کی ٹینشن دور ہو جائے گی تمہاری بھی، ہماری بھی۔" سکندر صاحب خاصی سنجیدگی سے بولے۔ جبھی ارحم کے چہرے کے زاویے بدلے۔

"پلیز ابو!" لہجہ کسی حد تک بے بس بھی تھا۔ قدرے توقف کے بعد پھر بولا۔ "میں نہیں کرنا چاہتا شادی وادی۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں میری مجبوری؟



نہیں کرسکتا میں اپنی محبت کا بٹوارا۔"

"کیسی محبت ارحم...... وہ محبت جو آج سے آٹھ سال پہلے کسی اور کی ہوگئی؟ جس نے تمہاری قطعاً پروا نہ کرتے ہوئے اپنے والدین کی مانی۔ تمہاری وہ محبت جو آج اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ خوش گوار زندگی گزار رہی ہے۔" پچھلے ایک سال سے ارحم کی ٹال مٹول اب سب کی برداشت سے باہر ہوگئی تھی۔

"محبت، بٹوارا، شادی نہ کرنے کی ضد...... آخر برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔" سکندر صاحب نہ چاہتے ہوئے بھی سخت لہجے میں بولے۔ ارحم نے سختی سے ہونٹ بھینچے۔ ایک ناگوار خاموشی پھیلی۔ سچ واقعی کڑوا ہوتا ہے اور اسے برداشت کرنا سو گنا مشکل و دشوار بھی۔

"ارحم! خود کو ایک حد کے اندر قید رکھنا کوئی معیوب بات نہیں ہے مگر زندگی بھر کا روگ پالنا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ تمہارے ساتھ جو ہوا اس کا ہمیں دکھ ہے مگر وقت کبھی اپنی جگہ نہیں رکتا۔ چلتا رہتا ہے۔ اب تم تیس سال کے ہوچکے ہو۔ تمہاری عمر کے کبھی دوست حتیٰ کہ وہ لڑکی بھی اب تین بچوں کی ماں بن چکی ہے۔ کچھ سوچو۔" انہوں نے پھر نرم رویہ اپناتے ہوئے اُسے سمجھانا چاہا۔ مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

"کیا سوچوں ابو! میرا دل نہیں مانتا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔" وہ ہنسی روکتے ہوئے بولے۔ "بس اب تمہاری ماں ہی تم سے بات کرے گی۔" وہ جانے لگے۔ "اور ہاں......" پھر جیسے کچھ یاد آنے پر مڑے۔ "تمہاری اماں کا فرمان ہے کہ اب یا تو تم ڈولی لے کے آؤ گے یا پھر ماں کا جنازہ لے کر جاؤ گے۔ سمجھے!" یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گئے۔

"اب کیا کروں؟" ارحم نے ناگواری سے سوچا۔ اس کے خیال میں کچھ بھی اس کے حق میں ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔

❀❀❀❀

دن گزرتے رہے، ارحم اپنی ضد پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ سو آصفہ بخاری کے سامنے گیا ہی نہیں۔ وہ بھی وقتی طور پر چپ سادھے بیٹھی تھیں کہ اب ایک ہی مرتبہ بولیں گی۔ البتہ ان کی نظریں اچھی لڑکی کی متلاشی رہتیں۔ دو تین شکل وصورت سے پسند بھی آئیں مگر عادات واطوار کو دیکھتے ہوئے وہاں بات نہ چلائی۔ اور اگر کوئی پسند آ بھی جاتی تو بڑی بہو سلمٰی وہاں بات ہونے نہ دیتی کیوں کہ اس میں بھی اُس کی اپنی غرض شامل تھی۔ اپنے کماؤ، خوب صورت اور وجیہہ دیور کے لیے محترمہ سلمٰی صاحبہ اپنی لاڈلی بہن راضیہ کو دلہن بنانے کے سپنے سجائے بیٹھی تھیں۔ جو شکل میں تو اس سے کافی خوب صورت تھی مگر عادات ومزاج میں دونوں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کا کمال جانتی تھیں۔ شاطر دماغ کے ساتھ دس گز لمبی زبان سیر پہ سوا سیر کی مثال تھی اور آصفہ بیگم ایک تلخ ناقابلِ برداشت تجربے کے بعد دوسرے سے گریزاں تھیں ہر مرتبہ بہو کو ٹال جاتیں۔

ان دنوں سلمٰی میکے گئی ہوئی تھی۔ آصفہ بیگم کے پاس نادر موقع تھا کہ کوئی اچھی، خوب صورت، خوب سیرت، سلجھی ہوئی لڑکی دیکھ کر رشتے کی بات چلادیں اور اسی سلسلے میں قندیل ان کی معاون بن گئی تھی۔

"اماں! میری نظر میں ایک لڑکی ہے۔" شام کو وہ آصفہ بیگم کی گود میں سر رکھے بولی۔

"اچھا...... کون ہے وہ؟"

"اماں آپ کی پسند کے عین مطابق خوب صورت، خوب سیرت، سلیقہ شعار اور سلجھی ہوئی، ایک

ذم بھیا کے ساتھ پرفیکٹ لگے گی اور شاید آپ اُس سے مل بھی چکی ہیں۔''

''ملنے کے بعد بھی وہ ہیرا میری آنکھوں سے اوجھل رہا؟ تعجب ہے! اچھا بتاؤ تو کون ہے وہ لڑکی؟'' اماں حیرت سے استفسار کرنے لگیں۔

''اماں میری دوست عالیہ ہے ناں! اُس کی بہن کی بات کر رہی ہوں۔''

''عالیہ کی بہن! کون سی؟ عالیہ سمیت تمام بہنوں کو ذہن میں لاتے ہوئے انہوں نے پھر سے پوچھا۔

''تابندہ صدیقی!'' قندیل نے ایک ادا سے نام لیا۔

''تابندہ صدیقی...... وہی جو لکھتی ہے؟'' نام یاد آتے ہی اماں کی آنکھوں کے سامنے موہنی سی صورت گھوم گئی۔

''جی اماں! ہر دل عزیز رائٹر تابندہ صدیقی۔ سچ میں اماں وہ بھیا کے ساتھ بہت اچھی جوڑی رہیں گی۔'' قندیل خوشی خوشی بتانے لگی۔ اماں جان خاموشی سے سوچنے لگیں۔ ''بے واقعی وہ بہت نیک اور قابل۔ میں بات کرتی ہوں تمہارے ابو سے اور پھر سلمٰی کے آنے سے قبل ہی رشتے کی بات چلاتے ہیں۔'' وہ لڑکی کے متعلق سوچنے لگیں جو واقعی انہیں ہر لحاظ سے اپنے بیٹے ارحم بخاری کے لائق لگی تھی۔

ایک بار وہ قندیل کے ساتھ عالیہ کے گھر گئیں اور اس سے ملیں۔ ملنے سے قبل بھی مختلف ڈائجسٹوں میں اس کی کہانیاں شوق سے پڑھتیں بلکہ اس کے انداز تحریر، الفاظ کی پختگی اور افسانوی باتوں سے ہٹ کے معاشرتی مسائل کو خوب صورتی سے اجاگر کرنا اس کی شخصیت کے سلجھاؤ کا غماز تھا۔ جو قارئین کے ساتھ آصفہ بخاری کو بھی اس کا پرستار بنا گیا تھا اور اب اپنی من پسند رائٹر کو بہو بنانے کے خیال سے انہیں خوشی کے ساتھ ساتھ فخر بھی محسوس ہو رہا تھا۔ رات میں ہی انہوں نے سکندر بخاری سے بات کی جس کے بعد وہ بولے۔

''بیگم! پہلے ارحم کو تو راضی کر لیں۔ پھر دیکھ لیں گے لڑکی۔''

''اب ارحم کو راضی ہونا پڑے گا۔ ایک ماں کی ممتا اُسے راضی کرے گی۔ بس میں چاہتی ہوں کہ ایک دو دن میں ہم بات آگے بڑھائیں۔'' وہ پُرعزم لہجہ میں بولیں۔

''چلو پھر جیسے تم سب کی مرضی۔'' انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ مزید دو دن گزر رہے۔ گھر کے ماحول میں بظاہر ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ ارحم پُرسکون تھا، خوش بھی تھا کہ پچھلے دو دنوں میں کسی نے دوبارہ اس سے بات نہیں کی۔ البتہ اپنے تئیں اُس نے آصفہ بیگم کا سامنا کرنے سے گریز ہی برتا۔ سکندر بخاری بھی آنے والے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ اب یا تو معاملہ حل ہو جاتا تھا یا پھر قیامت کا طوفان برپا ہونے والا تھا۔ آصفہ بیگم نے ارحم سے بڑے اسفند بخاری کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے [illegible] بیگم سلمٰی کو کچھ بھی بتانے سے منع [illegible] اور وہ تو تھے ہی سدا سے امن پسند فساد اور لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور رہنے والے مگر قسمت [illegible] ظریفی کہ اس سے بالکل برعکس ہم سفر کا ساتھ نصیب ہوا۔ آج شام کو انہوں نے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ تابندہ صدیقی کے گھر جانے سے قبل اسفند بھائی اماں کے کہنے پر مٹھائی اور پھل لے آئے تھے اور گاڑی میں رکھ دیئے، جبھی ارحم گھر میں داخل ہوا۔

''یہ سب کس لیے؟'' اس نے پوچھتے ہی اسفند بخاری سے استفسار کیا۔ ''کسی کے گھر اگر اپنے



مقصد کے لیے خالی ہاتھ جایا جائے تو یہ ایک غیر اخلاقی فعل تصور کیا جاتا ہے۔'' اسفند بھائی نے جواب دیا۔

''کیا مطلب، کیسا مقصد؟'' وہ کچھ نہ سمجھا۔

''ابھی مقصد نہ پوچھو بیٹا جی...... جاؤ آرام کرو۔ واپس آ کر بتائیں گے۔'' جواباً ابو نے کہا۔ اسی دوران آصفہ بیگم اور قندیل گاڑی تک آ گئیں۔

''اسفند بھائی جلدی کریں دیر ہو رہی ہے۔'' قندیل آتے ہی بولی۔

''اماں کہاں جا رہی ہیں آپ سب؟'' ارحم کچھ نہ سمجھتے ہوئے پریشان ہو گیا۔ اماں کچھ نہ بولیں اور سرسری سا اُسے دیکھتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھیں اور اسفند نے گاڑی اسٹارٹ کی اور وہ سب چلے گئے۔

''ابو! آپ ہی کچھ بتائیں!'' سکندر صاحب جو گیٹ کی طرف جا رہے تھے ارحم نے انہیں پکارا۔

''بیٹا! ابھی تو میں دوست کی طرف جا رہا ہوں۔ واپس آ کر بات کرتے ہیں۔'' وہ جلدی ظاہر کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ارحم الجھی ہوئی سوچوں کے ہمراہ اندر آ گیا۔ البتہ اس کے دل کا آنگن بہت اداس تھا۔ محبت کے حصول میں ناکامی کے بعد اس کا دل یوں ہی امنگوں سے عاری اندھیروں میں گھر کر کسی بھی خواہش سے اچاٹ رہتا تھا۔ تو کبھی کبھی تھک کر قسمت کی ستم ظریفی پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ بھی کر بیٹھتا۔

''کیوں اے خدا! میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیوں مجھے عمر بھر کا روگ لگایا۔ کیوں محبت میرے لیے لاحاصل رہی...... کیوں؟''

تھکن سے چُور وہ بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں موند گیا۔

☆☆☆☆
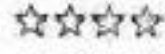
وہاں موجود سبھی لوگوں کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔ ابھی تابندہ کے گھر والوں نے باقاعدہ کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن سوچنے کے لیے وقت مانگا۔ قندیل اور عالیہ کی دوستی کی وجہ سے دونوں گھرانے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اسی لیے اپنی اپنی جگہ مطمئن تھے۔ تابندہ سلام دعا کے بعد ان کے سامنے چائے اور دیگر لوازمات رکھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''اچھا بہن اب ہم چلتے ہیں۔ ویسے بھی اب آنا جانا لگا ہی رہے گا...... بس آپ ہمیں ناامید مت کیجیے گا۔'' آصفہ بخاری نے اجازت لیتے ہوئے ان سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔ گھر واپسی تک کے سفر میں جہاں تابندہ صدیقی زیر گفتگو بھی وہیں ایک اور فکر ارحم کی ذات سے بھی جڑی تھی۔ آصفہ بیگم اس رشتے سے مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

''بھیا آپ نے ابھی بھائی سے کچھ نہیں کہنا۔'' ساتھ ہی ساتھ ایک اور فکر قندیل کو لاحق ہوئی۔

''جو حکم جناب عالیہ!'' اسفند بھائی نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

''اسفند بیٹا ایک دو دن میں سلمٰی کو بھی لے آنا۔ بات چھپانے پر وہ ناراض ہو گی مگر اب میرے خیال میں معاملہ اس کی پہنچ سے دور ہے۔ آج بھی سب اس کا پوچھ رہے تھے۔ اگلی بار ساتھ لے چلیں گے۔'' آصفہ بیگم اس کا خیال آنے پر بولیں۔

''بہتر اماں۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ گھر پہنچے تو ارحم ٹی وی دیکھنے میں مشغول تھا۔ سکندر صاحب شام کا اخبار پڑھ رہے تھے انہیں اندر آتا دیکھ کر اخبار ایک سائیڈ پر رکھا۔ ایک نظر ارحم پر ڈالی جو ٹی وی آف کر کے ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''آپ میں سے اب کوئی مجھے اصل بات بتانے

گا؟" وہ خفگی بھرے لہجے میں بولنے لگا۔

"یار صبر تو کر!" اسفند نے اسے ٹوکا۔

اماں کے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی جسے ارحم محسوس نہ کر سکا البتہ سکندر بخاری برسوں کی سنگت کے پیش نظر پل بھر میں جان گئے کہ یقیناً بات ہوگئی ہے۔

"ٹھیک ہے نہ بتائیں...... ویسے بھی اس گھر میں کبھی کسی نے میرے بارے میں نہیں سوچا تو اب بھی مجھے جان لینا چاہیے کہ میری بات کی کسی کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔" سب کی خاموشی پر وہ ناراضگی سے چڑ کر بولا۔

"ارحم! فضول کی باتیں مت کرو۔" ابو نے جواباً اسے سختی سے گھورا۔ آصفہ بیگم نے بھی شکایتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولیں۔ ارحم احتجاجاً وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

"اماں بتا دیں نا بھیا کو......"

"ہاں کروں گی میں اس سے اکیلے میں بات۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

باہر موسم بڑا سہانا تھا۔ بارش ہونے کا امکان تھا۔ گھر کے سب ہی افراد لان میں بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ قندیل نے گرما گرم چائے کے ساتھ موسم کی مناسبت سے پکوڑے بھی فرائی کر لیے تھے۔

"اچھا اماں! میں سلمیٰ کو لانے جا رہا ہوں۔" اسفند بھائی نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا اور چلے گئے۔

"شادی کے بعد یہ ایکسٹرا ڈیوٹی ہے۔ کبھی بیوی کو میکے چھوڑنے جاؤ اور کبھی لینے۔ اسی لیے اک مرتبہ پھر میری شادی سے توبہ......" ارحم نے کراہتے ہوئے کہا اور گرما گرم پکوڑا منہ میں ڈالا۔

"توبہ تو اب تمہارے فرشتوں کی بھی قبول نہیں ہوگی بیٹا!" سکندر صاحب نے اُسے باور کروانا چاہا۔

"کیا مطلب......؟" وہ یک دم چونکا۔

"وقت آنے دو...... سب مطلب واضح ہو جائیں گے۔" اب کہ وہ مسکرائے۔ اس دفعہ ارحم بنا کچھ بولے اٹھ کر چلا گیا۔

"قندیل! تم ذرا مجھے عالیہ کے گھر کا نمبر ملا دو...... اگر وہ کوئی مثبت جواب دیں تو ہم کل ہی اُن کے گھر جائیں گے۔" آصفہ بیگم نے اُسے مخاطب کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔

"جواب مثبت ہوا تو ہم اُن سے شادی کے لیے بھی جلدی کا کہیں گے۔" وہ شوہر سے کہہ رہی تھیں۔

"اور ارحم کو کیا کہیں گی بیگم صاحبہ؟" وہ متفکر ہوئے۔

"رات میں بات کروں گی ارحم سے۔" کہتے ہوئے وہ قندیل کے اشارے پر فون کی طرف بڑھیں۔ دو چار اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اصل مقصد کی طرف آئیں۔ جواب مانگنا چاہا تو انہوں نے گھر آنے کی دعوت دی۔ جو آصفہ بیگم نے خوش دلی کے ساتھ قبول کر لی۔

غروب آفتاب کا وقت قریب تھا۔ ہلکی ہلکی پھلکی بوندا باندی شروع ہوئی۔ گرما گرم دہکتے دن کے برعکس شام کا پہر خاصا خنک ہو گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اذانیں شروع ہوئیں تو حضرات وضو کر کے مسجد چل دیے۔ آصفہ بیگم نماز ادا کر کے کچن میں آ گئیں جہاں قندیل نماز پڑھ کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ اگلے چند ہی منٹ میں سلمیٰ اسفند کے ساتھ اُن کے سامنے تھی۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں اماں؟" اس نے خوش گواری سے پوچھا۔



"وعلیکم السلام! اللہ کا شکر ہے۔ تم سناؤ گھر میں سب ٹھیک ہیں؟"

"جی وہاں بھی کرم ہے اللہ کا...... البتہ اس دفعہ وہاں بڑی مصروفیت رہی۔ راضیہ کے دو تین رشتے آئے ہوئے تھے۔" وہ چھوٹتے ہی سید ھا راضیہ کی ذات کو بیچ میں لے آئی کہ اس دفعہ ماں نے بھی سلمیٰ سے ساس کے کان میں یہ بات ڈالنے کی خاص تاکید کی تھی۔

"اچھا...... تو پھر کیا بنا؟" آصفہ بیگم بہو کی چالاکی سے خوب واقف تھیں مگر پھر بھی پوچھ بیٹھیں۔

"ایک بھی میری چھوٹی بہن کے جوڑ کا نہ تھا۔ راضیہ جتنی خوب صورت ہے اُس کے لیے شہزادہ ہی ہونا چاہیے۔" سلمیٰ کچھ متکبر ہوئی تو انہوں نے خاموش رہنا بہتر جانا۔

خوب صورتی سے خوب سیرتی لاکھ درجے اچھی...... کروڑوں درجے بھلی۔ شکل سے زیادہ عمل انسان کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ سو آصفہ بیگم نے دل ہی دل میں استغفار کیا۔

رات کھانے کے بعد ارحم کو اپنے کمرے میں بُلایا اور وہ اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ارحم!...... مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"پلیز اماں! یہ ضروری بات میری شادی سے متعلق نہ ہو تو بہتر ہوگا۔" وہ اُن کی ضروری بات سے واقف تھا اسی لیے پہلے ہی جتنی لہجے میں بولا۔

"تو ٹھیک ہے...... پھر میرے مرنے کی بات کرتے ہیں۔" آج تو ان کا لہجہ و انداز بیاں ہی بدلا ہوا تھا۔ ارحم بخاری حیران تھا۔

"اماں پلیز...... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟"

"پاگل نہیں ہوئی میں...... اگر تم اپنی ضد پر اڑے رہنا چاہتے ہو تو پھر کیوں ناں میں ہی مر جاؤں!" ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اماں!" وہ ان کے آگے بے بس دکھائی دیا۔

"میرے بعد تو کوئی تمہیں شادی کے لیے نہیں کہے گا پھر شوق سے جو مرضی آئے کرنا۔" وہ سخت لہجے میں بولیں۔

"خود تو وہ شادی کر کے آباد ہے لیکن تمہیں روگ لگا گئی۔ آٹھ سال بہت ہوتے ہیں۔ ختم کرو بچپنا۔ ہوش کے ناخن لو۔ میں آخری دفعہ کہہ رہی ہوں تمہیں۔ اب ہماری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تمہارے رشتے کی بات کی ہے ہم نے ایک جگہ۔ اپنا حق سمجھتے ہوئے...... اب چاہو تو ماں کی ممتا کا مان رکھو یا لوگوں میں رسوا کر دو۔" آخر میں وہ جذباتی ہوئیں۔ انہوں نے ممتا کی آڑ لے کر اسے بلیک میل کیا۔

"ٹھیک ہے اماں! لیکن اتنی بھی جلدی کیا ہے؟" وہ اس بار انکار نہ کر سکا مگر احتجاج بھرپور کیا۔

"بس ارحم بہت کر لیا ہم نے انتظار...... تمہیں ابھی اور اسی وقت جواب دینا ہوگا ورنہ میں سمجھوں گی کہ ناکام محبت کے کچے بے بنیاد پچھتاووں کے آگے ایک ماں کی ممتا بیٹے کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" آصفہ بخاری حد درجہ جذباتی ہو گئیں۔ ارحم نے انہیں دیکھا۔ ذہن و دل میں جھکڑ چلنے لگے۔ سوچوں کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگا۔

ناکام محبت سے جڑی تلخ یادیں......!!!

یا پھر ماں کی ممتا......!!!

اگر وہ ماں کا لاڈلا تھا تو اماں میں بھی اس کی جان تھی۔

اب کے فرار کے تمام راستے مسدود ہوتے نظر آ رہے تھے۔ اور بالآخر اُس نے ماں کی محبت کے لیے پل بھر میں برسوں پرانا وعدہ توڑ دیا۔

"اماں! ماں کی ممتا بیٹے کی نظروں میں کبھی بے مول نہیں ہوتی۔ آج میں اپنی ضد کے آگے ہار گیا ہوں۔ اب آپ وہی کریں جو آپ چاہتی ہیں۔ میں اب انکار نہیں کروں گا۔" کہتے ہی وہ اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ آصفہ بیگم کے چہرے پر آسودہ سی مسکراہٹ سمٹ آئی۔ وہ جانتی تھیں کہ ارحم اس وقت ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں ہے۔ اس وقت کا فیصلہ مجبوری کا فیصلہ تھا لیکن انہیں قوی اُمید تھی کہ شادی کے بعد سب بہتر ہو جائے گا۔ اگلی صبح خوشیوں کو دامن میں سمیٹے سب کے چہروں پر مسکراہٹ سجا گئی۔

اماں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ ارحم کو ماننا ہی پڑا۔ سب بے حد خوش تھے لیکن جیسے ہی یہ خبر ایک سے دوسرے تک ہوتی ہوئی سلمٰی تک پہنچی تو گویا اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"میری غیر موجودگی میں اتنا سب ہو گیا اور مجھے کسی نے کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی۔" اس وقت اسفند بیوی کے زیرِ عتاب آ چکا تھا۔

"اب ہم اعلان کرنے سے تو رہے سلمٰی! اس میں اتنا غصہ ہونے کی کیا بات ہے۔ کہیں نہ کہیں شادی تو کرنی ہی تھی ارحم کی اور ابھی تو صرف رشتے کی بات کی ہے، شادی تھوڑی ہوئی ہے۔" اسفند آرام سے بولے۔

"خوب سمجھتی ہوں میں، جان بوجھ کر مجھ سے یہ خبر چھپائی گئی۔ ارے میں کوئی ارحم کی شادی کے خلاف تھی۔ بھابی ہوں اس کی۔ بھائی جیسا سمجھتی ہوں اُسے...... اس کی خوشی ہی چاہوں گی۔" بظاہر سلمٰی کہہ رہی تھی حالانکہ اس کے اندر یہ خبر سنتے ہی غصے و نفرت کا لاوا بھڑک اٹھا۔ وہ اپنی بہن راضیہ کو ارحم کی دلہن بنانے کے خواب سجائے بیٹھی تھی اور یہاں اماں اسے رد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کی کر گئی تھیں اور یہی بات اس کی برداشت سے باہر تھی۔ دل چاہا سب پر چیخ چلا کر سب کچھ تہس نہس کر دے۔ دل کا غبار نکالے مگر غصے کو کنٹرول کرتے ہوئے وہ اپنے شاطر ذہن کو چلانا خوب جانتی تھی۔ سب کی رضامندی اور خوشی کو دیکھتے ہوئے اُس نے دل کی خواہش دبائی۔ شادی رکوا تو نہیں سکتی تھی لیکن شادی کی بربادی کروانا اچھی طرح جانتی تھی۔ پل بھر میں وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے ذہن چلایا اور سیدھی جا پہنچی آصفہ بیگم کے پاس۔

"آج شام کو جائیں گے اُن لوگوں کے ہاں...... تیار رہنا!"

"جی اچھا۔" اُس نے بظاہر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ پھر اپنی فطرت کے عین مطابق توقف کے بعد بولی۔ "ویسے اماں یہ ارحم اتنی جلدی راضی کیسے ہو گیا؟ کہاں تو وہ اپنی نام نہاد محبت زرش کی یادوں میں ڈوبا رہتا تھا اور کہاں اب منہ کرتے شادی کے لیے تیار ہو گیا؟"

آصفہ بیگم نے ایک طائرانہ نظر بہو پر ڈالی۔

"ان سب باتوں کو چھوڑو تم...... ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ارحم شادی کے لیے [مان گیا] ہے اور ارحم کا نصیب تو دیکھو کہ تابندہ صدیقی جیسی قابل، خوب سیرت، سلیقہ شعار لڑکی مل رہی ہے۔" اماں بہو سے خوب واقف تھیں بظاہر تابندہ صدیقی کے اوصاف گنتے ہوئے راضیہ کے حوالے سے سلمٰی پر طنز مارا۔

"وہ تو مل کر ہی پتا چلے گا محترمہ سے!" سلمٰی بھی کچھ کم تھی۔ زبان کا برجستہ استعمال کرتے ہوئے مسکرائی۔

"اچھا جاؤ اسفند سے کہو کہ مٹھائی اور دیگر سامان لائے۔ شام کو جانا ہے۔" انہوں نے بات بدلتے ہوئے حکم دیا۔



سلمٰی منہ بناتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھ سے چالاکی اس گھر کو بہت مہنگی پڑے گی اماں حضور!" دل ہی دل میں اپنے خطرناک ارادوں کو مضبوط کرتی ہوئی اسفند سے کہنے چل دی۔

❀❀❀❀

آصفہ بیگم کے سامنے شادی کے لیے رضامندی کے بعد وہ تمام رات اذیت میں رہا۔ کروٹ پہ کروٹ بدلتا رہا۔ آئندہ آنے والے دنوں کو لے کر اُسے نہ تو کوئی خوشی ہوئی نہ ہی اپنے جذبات اُس کے لیے محسوس ہوئے تھے۔

سوچ تھی کہ وہیں اٹکی تھی۔

دل تھا کہ [بس] پکار رہا۔

کیا وہ اپنی پہلی محبت کو بھول پائے گا......؟

کیا تابندہ صدیقی اس کی زندگی میں بدلاؤ لا پائے گی۔ کیا وہ آج بھی زرش کو دل میں بسائے رکھنے کے باوجود تابندہ صدیقی کو اس کا جائز حق دے پائے گا۔

وہ کوئی بھی تو فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ فکرمندی سے کمرے میں چکراتا پھرتا رہا۔ "زرش اور تابندہ" ان دو ناموں سے متعلق اپنے آپ کو سوچوں میں دھنسا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو ارحم بیٹا!" سکندر بخاری اُس کے پاس آ گئے۔

"سوچنا کیا ہے ابو! اماں نے مجھے مجبور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" وہ اُداس تھا۔

"ارے برخوردار یاد کرو...... کیا کہا تھا میں نے تم سے...... کہ توبہ تو تمہارے فرشتوں کی بھی قبول نہیں ہو گی۔ کہو، اب تو مطلب واضح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کا اپنی بھی اولادوں سے ہمیشہ یہی دوستانہ رویہ تھا۔ عمر کا فرق مٹائے اُس سے مذاق کرنے لگے۔

"ابو......!" ارحم کا ذہن کہیں اور ہی اٹکا ہوا تھا۔

"جی ابو کی جان، اماں کا مان۔" وہ ہمہ تن گوش ہوئے۔

"صرف اماں کی خاطر میں نے ہاں تو کر دی ہے مگر کل کو اگر میں اُس لڑکی کو اس کا جائز حق نہ دے سکا تو آپ میں سے کوئی مجھے ذمے دار نہیں ٹھہرائے گا کیوں کہ اس شادی میں میری کوئی خوشی یا جذبات شامل نہیں ہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا تو سکندر صاحب خاموش رہے۔

❀❀❀❀

شام کو "بخاری ہاؤس" کے تمام مکین ماسوائے ارحم کے، صدیقی صاحب کے گھر میں موجود خوش گوار محفل سجائے بیٹھے تھے۔ مثبت جواب مل چکا تھا۔ مبارک باد کے شور کے ساتھ ہی مٹھائی سے منہ میٹھا کیا گیا۔ سبھی اپنی اپنی جگہ خوش تھے اور اگر کوئی نہیں تھا تو وہ سلمٰی تھی جو کسی بھی طرح دل میں دہکتی آگ کو باہر نکالنا چاہتی تھی۔ وہ تابندہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتی اُس کے کمرے میں چلی آئی۔ بظاہر اُس سے خوش دلی کے ساتھ ملی، چند اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ کچھ اُس کے قلم کے جادو کو لے کر جھوٹ سچ کہا پھر نہایت چالاکی سے بات بدلی۔

"ارحم کو تو ایسی جھوٹی و افسانوی باتیں بالکل پسند نہیں۔ اور اسی لیے شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ تو اماں نے اپنی قسم اُسے دی تب کہیں جا کر اُس نے مجبوراً ہامی بھری۔"

"کیا مطلب؟ افسانوی باتوں سے شادی نہ کرنے کا کیا تعلق بنتا ہے؟" تابندہ حیران ہوئی تھی۔

"وہ تعلق ہے تابی!" سلمٰی نے سرگوشیانہ انداز اپناتے ہوئے اُسے تابندہ سے تابی بنایا پھر بات میں

مزید اضافہ کیا۔ ”دیور جی کو چڑ تھی۔ جوانی میں عشق ہوا تھا۔ وہ بھی ناکام...... جب سے روگ لگائے شادی سے انکاری تھے۔“ اس نے اپنے منصوبے کے مطابق بات شروع کی تو تابندہ نے اسے بغور دیکھا۔

”مگر مجھے یقین ہے تم اُس کی زندگی بدل دو گی۔“ ساتھ ہی دوغلا روپ اپناتے ہوئے تابندہ کو تذبذب کا شکار کرنے کی کوشش کی۔

”آخر کو تم لفظوں کا ہیر پھیر جانتی ہو۔ رائٹر ہو۔ آرام سے اُسے اپنا گرویدہ بنا لو گی۔ پیار کی جھوٹی سچی باتیں ویسے بھی مرد کو عورت کے نزدیک کر دیتی ہیں۔ تم بھی ارحم پر الفاظ کا جادو چلانا۔ وہ خود بخود پہلی ناکام محبت کے خول سے باہر نکلتا چلا جائے گا۔“ مزے لیتی اسے مشورہ دے گئی۔ تابندہ کو اگرچہ اس کا انداز ایک آنکھ نہ بھایا تھا البتہ اس کی باتوں سے تابندہ کا ذہن ضرور عجیب سی کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔

”اور ہاں ارحم ذرا غصے کا تیز ہے۔ اُس سے کبھی اس کی پہلی ناکام محبت کا ذکر مت کرنا۔ چلتی ہوں۔“ وہ پہلی چال چل کر تابندہ کو سوچوں میں الجھا گئی تھی۔

”پہلی محبت۔“ وہ زیر لب بڑبڑائی۔ ”تو کیا میں اس کی زندگی میں دوسری لڑکی کی حیثیت سے شامل ہوں گی۔ جس کی شاید ہی کوئی اہمیت ہوتی ہے۔“ اُسے فکر لاحق ہوئی۔ ”جس کے جذبات و احساسات بے مول ہو جاتے ہیں اور شوہر اپنی پہلی محبت میں ناکامی کے باوجود پہلی محبت کے خول میں قید رہے تو پھر دوسری کی تو گنجائش ہی نہیں رہتی۔“ وہ سوچنے لگی۔ ”لیکن ہو سکتا ہے سلمٰی بھابی نے جھوٹ کہا ہو۔“ ساتھ ہی ساتھ اُس نے تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھا۔ ایک عورت دل میں پڑنے شک کی ذرا سی بھی گنجائش سے مفلوج ہو جاتی ہے۔ اور وہ تو اس کی ہر بات کو باریکی سے پرکھنے والی ...... سے زیادہ حساس...... مگر سلمٰی کے پہلے ہی وار سے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچی تھی۔ تبھی عالیہ کمرے میں آئی۔

”آپی! وہ لوگ چلے گئے ہیں۔“ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

”اور ہاں! منگنی وغیرہ نہیں ہوگی۔“

”کیا مطلب؟“ تابندہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

”وہ لوگ ڈائریکٹ شادی کا کہہ رہے تھے۔“

”تو......؟“

”تو یہ کہ کافی صلاح و مشورے کے بعد یہ طے پایا ہے کہ آج سے ٹھیک ایک مہینے بعد آپ تابندہ صدیقی سے مسز ارحم بخاری بن جائیں گی۔ انشاء اللہ!“ عالیہ ڈرامائی انداز میں بولی۔

”اتنی جلدی کیوں......؟“ ابھی تک اس کا ذہن سلمٰی کی باتوں میں الجھا ہوا تھا کہ اوپر سے یہ حیران کر دینے والی بات سننے کو مل گئی۔

”بس اُن لوگوں کی خواہش ہے اور آپ بھی جانتی تو اتنی پیاری...... وہ لوگ زیادہ انتظار نہیں چاہتے۔ امی اور ابو نے مجھے آپ سے پوچھنے کے لیے بھیجا ہے کہ آپ کو اتنی جلدی شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں۔“ اس نے استفسار کیا۔

مسٹر اینڈ مسز صدیقی انہیں زبان دے چکے تھے۔ بیٹی سے پوچھنا تو ایک رسم کو پورا کرنا تھا اور کل صدیقی صاحب نے اس سے علیحدگی میں صرف اس کی رضا مندی کا پوچھا تھا۔ ”جیسے آپ کی مرضی!“ تب وہ بس اتنا ہی بولی تھی۔ تو آج انکار یا احتجاج کی گنجائش بالکل بھی نہ تھی۔

”جیسے امی ابو بہتر سمجھیں!“ اس وقت بھی وہ سلمٰی کی باتوں کو ذہن میں لائے بغیر اتنا ہی کہہ سکی کہ ماں باپ یقیناً اولاد کی بہتری کا ہی فیصلہ کرتے ہیں۔



”آگے جو ہونا ہوگا...... وہ سب دیکھ لیا جائے گا۔“

❁❁❁❁

ارحم بھی ایک مہینے بعد شادی کا سُن کر حد درجہ چونکا تھا۔

”اماں...... میں اتنی جلدی شادی نہیں کروں گا۔“

”اتنی جلدی سے کیا مراد ہے تمہاری؟ تیس سال کے ہو چکے ہو اور ویسے بھی ہم بات پکی کر چکے ہیں۔“ آصفہ بیگم کا لہجہ سخت تھا۔

”میں ابھی ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔“

”تو تیار ہو جاؤ۔“ کہتے ہی وہ وہاں سے ہٹ گئیں۔ ارحم بخاری نے غصے سے سر جھٹکا۔ ایک مہینے بعد اس کی زندگی نئے سرے سے ایک ان دیکھی اجنبی لڑکی کے ساتھ شروع ہونے والی تھی۔ جس کا اُسے نہ تو انتظار تھا نہ کوئی خیال۔ وہ سوچنے لگا کہ شادی اماں کی خواہش ہے۔ اُسے کوئی دلچسپی نہیں۔ نہ ہی دل میں کوئی احساس، نہ کوئی انوکھا جذبہ۔

قندیل آتے جاتے اُسے چھیڑتی۔ ”بھیا...... بھابی کی تصویر تو دیکھنا چاہتے ہوں گے۔ دکھاؤں؟“ تو وہ اُسے خونخوار نظروں سے گھورتا۔ ”مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔“

ایسے میں سلمٰی اس کے ہر ہر عمل کو نوٹ کرتی۔ اس کی ناگواری و ناپسندیدگی کو استعمال کرنے کا سوچتی۔ اُسے اپنی بہن کی بات نہ بننے کا دُکھ تھا۔ اماں کی چالاکی پر بدلہ لینے کی بھی خواہش تھی۔ ایسے میں ارحم کے ذریعے وہ اماں کے فیصلے کو نشانے پر لیے ہوئے تھی۔ اگر وہ راضیہ اس گھر کی بہو نہ بن سکی تو وہ تابندہ کو بھی کبھی سکون سے نہیں رہنے دے گی۔ یہی سوچتے ہوئے ارحم کے پاس گئی۔

”مبارک ہو ارحم!“ اس نے جلتے دل پر نمک چھڑکا۔

”مبارک کیسی...... جب دل ہی خوش نہ ہو؟“ وہ چڑتے ہوئے بولا۔

”تمہیں کوئی زبردستی تو نہیں، انکار کر دو۔“ سلمٰی نے چاپلوسی کا مظاہرہ کیا۔

”اماں سے اقرار کے بعد انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا۔“ وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھا۔ سلمٰی مکروہ انداز میں مسکرائی۔

”میں ملی تھی تمہاری ہونے والی بیوی تابندہ صدیقی سے۔“

وہ جواباً خاموش رہا۔

”رائٹر ہے۔“

”اچھا۔“ ارحم نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

”ہاں...... بڑے بڑے ڈائجسٹوں میں لکھتی ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ جو لڑکیاں لکھتی ہیں، کچھ عجیب سی ہوتی ہیں۔ نہ گھر کے کاموں میں دلچسپی، نہ لوگوں سے ملنے میں خوش ہوتی ہیں۔ ہر وقت افسانوی دنیا میں کھوئی رہتی ہیں۔ پیار و محبت کی باتیں کر کے اپنی جگہ باآسانی بنا لیتی ہیں۔ اب تابندہ کو ہی دیکھ لو...... اماں اُس کی مداح تھیں اور بہن قندیل کی دوست۔ تابندہ نے ایسا اپنے لفظوں کا جال اماں کے گرد بُنا کہ بالآخر انہوں نے تمہیں راضی کر لیا۔ ایمان سے مجھے تو ایسی لڑکیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں جو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے جال بُنتی ہیں۔“ ارحم اس کے بُنے جال میں پھنستا جا رہا تھا۔

”مگر تمہارے لیے ایک لحاظ سے اچھا رہے گا۔“

”وہ کیسے؟“

”کم بولتی ہے...... تم سے تمہارے ماضی کے متعلق کوئی سوال نہیں کرے گی۔ تم نورش کو یاد کرتے

رہنا اور وہ کہانیاں لکھتی رہے گی۔'' سلمیٰ نے ایک اور تیر پھینکا۔ زرش کا نام سنتے ہی ارحم جذباتی ہوا۔

''وہ کم بولے یا خود میں مگن رہے۔ مجھے پروا نہیں۔ میں اُسے اپنے ماضی کے بارے میں سب بتا دوں گا کہ میری محبت کل بھی زرش تھی اور آج بھی ہے۔ وہ صرف اور صرف اماں کی خواہش پر اس گھر میں آئی ہے۔ میرے دل میں تابندہ صدیقی کے لیے کوئی خاص جذبات نہیں ہیں۔''

''لیکن...... ارحم! تابندہ تمہاری بیوی بن کر اس گھر میں آئے گی پھر تو تمہیں اپنے دل میں اُس کے لیے جگہ بنانی ہوگی۔'' سلمیٰ نے مکارانہ انداز اپنایا۔ وہ جانتی تھی ارحم جیسے جذباتی بندے کو کوئی بھی کسی بھی رستے پر ڈال سکتا ہے۔ جس کا وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔

''بے شک وہ میری بیوی بن کر آئے گی مگر میرا اُس سے کوئی جذباتی یا قلبی تعلق نہیں ہوگا۔ وہ اماں کی اور اس گھر کی بہو ہوگی بس۔'' حتمی لہجے میں کہتا وہ اٹھ گیا۔

دن اسی طرح گزرنے لگے۔ دونوں طرف شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ دن کم، کام زیادہ تھے۔ آصفہ بیگم کسی چیز میں کمی نہیں چاہتی تھیں۔ کپڑوں اور جیولری کی خریداری کے وقت وہ تابندہ کو زبردستی ساتھ لے کر گئیں اور ہر چیز اس کی پسند سے خریدی۔ شادی سے پہلے صدیقی صاحب نے بخاری ہاؤس کے تمام مکینوں کی دعوت کی جسے انہوں نے قبول کیا لیکن ارحم کی نہ جانے کی ضد پر سب نے اُسے خوب سنائیں تب کہیں جا کر وہ تیار ہوا۔ پُرتکلف کھانے کے بعد سبھی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سلمیٰ تابندہ کے منع کرنے کے باوجود اسے زبردستی سب کے بیچ لائی۔ ارحم نے ایک نگاہ بھی اُس پر ڈالنا گوارا نہ کی۔ جسے وہ محسوس کر چکی تھی۔ تبھی بغور اُس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں نہ تو کوئی خوشی تھی نہ ہی کوئی خاص تاثرات...... تابندہ نے محسوس کیا جیسے اُسے زبردستی سب کے بیچ بٹھایا گیا ہو۔ چند دنوں بعد وہ اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی تھی عمر بھر کے لیے...... اور وہ اُسے ایک نظر بھی نہ دیکھ رہا تھا۔

''کیا واقعی سلمیٰ بھابی سچ کہہ رہی تھیں۔ ارحم کو اس شادی میں کیا کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس کی سوچ نے اُڑان بھری۔ دل میں ٹیس سی اٹھتی محسوس ہوئی۔ ''ابھی سے میری ذات ارحم کی نظروں میں بے مول ہے تو آگے......'' اس نے دل ہی دل میں بات ادھوری چھوڑ دی۔ سلمیٰ کی نظر اُن دونوں پر ہی تھی۔ تابندہ کا دل نہ چاہتے ہوئے بھی عجب کشمکش کا شکار ہونے لگا تو وہ آہستگی سے اٹھی اور اپنے کمرے میں آگئی۔

❁❁❁❁

پھر شادی تک کا عرصہ بڑی تیز رفتاری سے طے ہوا۔ مہندی مایوں سے لے کر بارات تک کا وقت...... سب بخیر و عافیت گزر گیا لیکن وہ بری طرح انتشار اور وسوسوں کا شکار تھی۔ تابندہ کا ذہن سلمیٰ کی باتوں اور ارحم کے سپاٹ چہرے میں اُلجھا ہوا تھا۔ رسموں کے دوران بھی وہ نوٹ کرتی رہی کہ ارحم بس صرف اپنی مجبوری کی رسم پوری کر رہا تھا۔ شادی کے حوالے سے تابندہ کی ذات سے متعلق اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ہر لڑکی شادی سے متعلق اپنی آنے والی زندگی کے لیے دل میں بہت سے سپنے سجائے اپنے شوہر کی خالص سچی اور بے لوث محبت چاہتی ہے لیکن یہاں تو پہلے سے ہی اس کے شوہر کی محبت اس کی ذات سے بہت دور کسی اور لڑکی سے منسوب تھی۔ اس وقت اس کا دل کڑے امتحان سے گزر رہا



تھا۔ اپنے سپنے، اپنے ارمان اُسے اَن دیکھی آگ میں جل کر خاک میں ملتے دکھائی دینے لگے۔ وہ بری کیفیت کا شکار تھی۔ کبھی ارحم کا سپاٹ بے تاثر چہرہ نظروں کے سامنے گھومتا تو کبھی سلمیٰ کی باتیں سماعتوں سے ٹکرا کر اُسے بے چین کرنے لگتیں۔ رخصتی کے بعد اُسے ''بخاری ہاؤس'' لایا گیا۔ رواج کے مطابق مختلف رسمیں کی گئیں اور پھر ارحم بخاری کے کمرے میں پہنچایا گیا۔ جسے پھولوں سے دلہن کی مانند سجایا گیا تھا۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اُسے سانسوں میں اُترتی محسوس ہوئی تو اُس نے نگاہ اٹھا کر اپنے اطراف دیکھا۔ وہ رائٹر تھی۔ حساس طبیعت کی مالک اور اپنی زندگی کے اس خوب صورت و یادگار لمحے کو دل سے محسوس کرنا چاہتی تھی لیکن وسوسوں کے انتشار نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

''یا اللہ...... میرے تمام وسوسوں کو ختم کردے۔ سلمیٰ بھابی نے جو کچھ کہا، چاہے وہ سچ کیوں نہ ہوں لیکن ارحم کو میری خاطر بدل دے۔ میرے جذبات کو بے مول مت کرنا......'' دل کی تمام شدتوں سے دعا کرتی وہ سمٹ کر بیٹھی کہ قدموں کی چاپ اُسے اب قریب سے سنائی دی۔

''السلام علیکم!'' ارحم نے سلام پیش کیا جسے اُس نے سر ہلا کر قبولیت کا شرف بخشا۔ اگلے کئی لمحے خاموشی کی نذر ہوئے۔ تابندہ نے اُس کے بولنے کا انتظار کیا۔ ارحم نے مخمل کی ڈبیا سے گولڈ کی رنگ نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ تمہارا گفٹ۔'' جسے لینے کی بجائے اُس نے بایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ تب ارحم نے نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے رنگ پہنائی۔ تابندہ کے چہرے پر مدہم سی مسکراہٹ بکھری۔ ارحم کی نگاہوں نے بے ساختہ اُس کے مسکراتے چہرے کا طواف کیا۔ وہ خوب صورت تھی۔ بالکل اس کی پہلی محبت زرش جیسی۔ زرش کا خیال آتے ہی اُسے ہوش سے بے گانہ کر گیا۔ اُس نے تابندہ کا ہاتھ تھاما جو یہ ہرگز نہیں جانتی تھی کہ ارحم اس وقت اُس پر نہیں بلکہ زرش پر اپنے جذبات لٹا رہا ہے۔

❁❁❁❁

اگلی صبح اُس کے لیے روشن تھی۔ وہ صد درجہ مطمئن و پُرسکون تھی۔ ارحم کے رویے نے اُسے قرار بخشا تھا۔ سلمیٰ اس کے ہشاش بشاش چہرے کو دیکھ کر اندر تک جلی۔ جبھی اس کے انتقام و حسد کو مزید بڑھاوا ملا۔ البتہ ارحم رات والی کیفیت سے بالکل بے نیاز کسی دوست سے فون پر بات کر رہا تھا۔ تابندہ اُس پر ایک مسکراتی نظر ڈال کر وہاں سے ہٹ گئی۔ ایک ہی رات میں اُس کے تمام خدشات و وسوسے مٹ چکے تھے۔ مگر شادی کے دو ماہ بعد تابندہ نے یہ جان لیا کہ ارحم اس کا ہوتے ہوئے بھی اس کا نہیں ہے۔ وہ کہتا تو کچھ نہ تھا البتہ اس کی سوچیں، اس کا دل...... محض ایک ہی نام، ایک ہی ذات پر پچھلے آٹھ سالوں سے ٹھہراؤ کیے ہوئے تھا۔ تابندہ سے شادی اماں کی خواہش اور اُسے نبھانا ایک سمجھوتا۔ کبھی کبھی اس کا دل اداس ہو جاتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتی۔

''یا اللہ مجھے ہمت دے...... میں ارحم کو کھونا نہیں چاہتی۔ اُسے اپنی محبت سے صرف اپنا بنانا چاہتی ہوں۔'' وہ مایوس نہ تھی۔ ساتھ ہی ساتھ آصفہ بیگم کی خواہش و خوشی اور اپنے قلبی سکون کے لیے وہ اپنے قلم کا بھرپور استعمال کر رہی تھی۔ ہر مہینے کسی نہ کسی ڈائجسٹ میں اس کی کہانی شائع ہوتی۔ وہ خوشی خوشی ارحم کو بتاتی لیکن وہ ''مبارک ہو۔'' کہہ کر خاموش ہو جاتا۔ زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر چل رہی تھی۔ شادی کو چار ماہ ہو گئے لیکن ارحم کے رویے میں کوئی تبدیلی

نہیں آئی۔

''لگتا ہے وہ ابھی تک اپنی محبت کو نہیں بھولا۔'' وہ جانے بنا رہی تھی کہ سلمیٰ اس کے دل میں آگ لگانے آگئی۔ تابندہ کا دل اچانک کسی مضبوط شکنجے کی گرفت میں آیا۔

''مگر مجھے یقین ہے کہ وہ بدل جائیں گے۔'' وہ ایک عزم سے بولی۔

''کب تابی...... یا شاید ابھی تک تم نے کوشش ہی نہیں کی۔ میں نے کہا تھا نا کہ مرد عورت کی توجہ اور پیار سے اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ارحم دیر سے آئے تو اُس سے وجہ پوچھا کرو۔ اپنی پسند کا لباس اُسے پہناؤ۔ تبھی وہ تمہارے بارے میں سوچے گا۔'' سلمیٰ نے ہمدردانہ لہجے میں اُسے صلاح دی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ارحم نہ تو خود پر زبردستی پسند کرتا ہے نہ فالتو کی باتیں۔

''جانے لیں گی بھابی؟'' دل ہی دل میں ان باتوں پر عمل کرنے کی سوچ کے ساتھ ساتھ اُس نے بات بدلی۔

''نہیں تم پیو۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے وہاں سے چل دی۔

''شاید اسی طرح ارحم کو میرا خیال آئے۔'' وہ سوچنے لگی۔ اب تک وہ ارحم کے چپ چاپ رویے سے ایک انجانی سی جھجک کا شکار تھی۔ اسی لیے کبھی اُس کے آنے جانے کا نہ پوچھا۔ نہ کام کے تغیرات کی۔ شاید یہی وجہ دونوں میں فاصلے پیدا کررہی تھی۔ شادی جیسے مضبوط بندھن میں بندھنے کے بعد جذبات، عادات، رویے خود بخود بدلنے لگتے [illegible] ایک دوسرے کا خیال اور قدر بڑھتی ہے۔ [illegible] سے محبت کا دعویٰ نہ سہی، لیکن وہ اُس [illegible] کے سامنے ہوتے ہوئے کم از کم اپنی سابقہ [illegible] کو بھول جاتا۔

تابندہ سے کچھ نہ کچھ بات کرنا چاہتا۔ مگر اس کو ایسا لگتا کہ وہ اپنے ہی خول میں قید رہنے والی کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ہے۔

اور یہی سوچتے ہوئے کبھی اُسے کام کے بغیر مخاطب نہ کرتا۔ دونوں کی اپنی اپنی سوچ تھی اور شاید دوری کی وجہ بھی یہی تھی۔ سلمیٰ اسی بات سے بہت خوش تھی۔ دونوں میاں بیوی اپنی اپنی جگہ اَن دیکھی آگ میں جل رہے ہوتے۔ تب وہ خود کو شاداں محسوس کرتی۔ اس کے اندر بھڑکتی آگ پر جیسے چھینٹے سے پڑ جاتے۔

❀❀❀❀
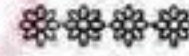
ارحم اچانک سے بدلتے موسم کا شکار ہوا تھا۔ گرمائش دیتے دن اور سستی سے بوجھل دوپہر میں اس کا بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ رات ساری کروٹ بدلتے تکلیف میں گزاری۔ تابندہ نے اس کی کیفیت دیکھ کر ساری رات اس کی دیکھ بھال کرتے گزار دی۔

صبح وہ آفس جانے کے لیے اٹھا۔ تابندہ نے خود سے روکنا چاہتی تھی لیکن ہمت نہ کرپائی۔ [illegible] غنے کو نہ مل جائے تو وہ سیدھی آ [illegible] کے [illegible] گئی اور انہیں ارحم کو نہ جانے کے لیے [illegible]

''محترمہ کی [illegible] بیوی شوہر کو خوب جانتی سمجھتی ہے۔ اس کا خیال [illegible] ہے۔ بیماری میں کام سے روکتی ہے [illegible] میں خود روکنے سے تکلیف ہوتی [illegible] تابندہ [illegible] کو۔'' وہ سمجھ نہ سکا کہ کیوں [illegible] تابندہ کے اس فعل پر غصہ آیا۔ بس اندر ہی اندر [illegible] رہ گیا۔ البتہ تابندہ نے لبوں پر قفل ڈالے سارا دن اس کی خدمت کی۔ نتیجتاً وہ وقت سے پہلے صحت یاب ہوا۔

❀❀❀❀
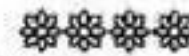
''آج بہت دیر سے آئے ہیں آپ؟'' تابندہ نے سلمیٰ کی بات پر عمل کرتے ہوئے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ ارحم نے گلاس لیتے ہوئے حیرت سے اُسے دیکھا۔ اتفاقاً وہاں سے گزرتی سلمیٰ کے قدم تابندہ کے حق میں کچھ بھی غلط یا سخت الفاظ سننے کو رک گئے مگر دوسری طرف یہی سوال جس سے ارحم ہمیشہ چڑتا تھا آج اُسے کچھ عجیب مگر صد درجہ اچھا لگا مگر جانے کیوں ظاہر نہ کرسکا۔

''ہاں۔ کل کی چھٹی کی وجہ سے آج آفس میں کام زیادہ تھا...... مگر تم کیوں پوچھ [illegible] نہیں جاتا تھا کیا؟'' سلمیٰ اُس کے [illegible] حیران رہ گئی۔

''نہیں بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' وہ نفی میں کہتی اُس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ دل تو بہت چاہا کہ [illegible] کہے کہ امی کے گھر لے جائے مگر وہ انکار نہ کردے [illegible] اسی خیال سے خاموش ہوگئی۔ کبھی کبھی ارحم کے سرد رویے پر اس کا ذہن الجھنے لگتا تو وہ تنگ آ جاتی۔ ایسے میں اکتاہٹ سے نجات کا واحد ذریعہ اس کا قلم ہوتا جسے وہ موقع ملنے پر استعمال کرتی۔ ارحم صبح آفس کے لیے نکلتا تو وہ تمام کام جلدی جلدی نمٹا کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اماں کے پاس بیٹھتی۔ اُن سے باتیں کرتی پھر اٹھ کر کمرے میں چلی آتی یا گھر کے پرسکون گوشے میں بیٹھ کر لکھنے میں مشغول ہوجاتی۔ اماں بھی اُس کے لکھنے پر خوش تھیں بلکہ وہ تو خود زبردستی کبھی کبھار اسے اس کے کمرے میں بھیج کر لکھنے کا کہتیں۔ ایسے میں سلمیٰ سخت اشتعال اپنے اندر محسوس کرتی۔

اتوار کا دن تھا۔ ارحم گھر پر ہی تھا۔ تابندہ معمول کے مطابق کام ختم کرکے کمرے میں بیٹھی لکھنے میں مصروف تھی۔ تبھی ارحم کمرے میں داخل ہوا۔ تابندہ پر نظر پڑی تو کچھ پل کو رکا۔ پھر کسی خیال سے کچھ کہتے کہتے رکا۔ سختی سے ہونٹ بھینچے اور وارڈ روب کی جانب بڑھا۔ سوٹ [illegible] نکالا اور واش روم کی جانب بڑھ گیا۔ پھر کچھ ہی [illegible] میں واپس آیا۔ اب موڈ خاصا بگڑ چکا [illegible] غصہ [illegible] اس کے سر پر پہنچا۔

''[illegible] کے لیے چھوڑ سکتی ہو یہ فضول کام؟''

''جی......؟'' وہ اچانک افتاد پر حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''کپڑے پریس کرلیے مگر میرے کہنے کے باوجود تم نے میری بات نہیں سنی۔'' اب کے وہ گرج کر بولا۔

''کون سی بات؟'' وہ یقیناً بھول چکی تھی۔

''رات کیا کہا تھا میں نے تم سے کہ تیار رہنا۔ دوست کے گھر لنچ پر جانا ہے مگر تمہیں ان نکمے کاموں سے فرصت ملے تو شوہر کی طرف توجہ دو ناں! میری بات سے زیادہ لکھنا تمہارے لیے عزیز ہے۔'' ارحم نجانے کیوں اتنے غصے میں تھا۔

''اوہ سوری۔ میں بھول گئی مگر آپ رکیں میں پانچ منٹ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' تابندہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سرعت سے اُٹھنے لگی۔ رات کو پہلی دفعہ ارحم نے اُسے ساتھ چلنے کا کہا تھا تب وہ خوشی سے رضامندی ظاہر کرتی وقت پر تیار ہونے کا کہہ گئی تھی مگر صبح کاموں سے فراغت کے بعد لکھنے بیٹھی تو بھول گئی۔ جس پر اب شرمندگی ہو رہی تھی۔

''رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں۔ میں اکیلا ہی جا رہا ہوں۔ تم اپنا شوق پورا کرو۔'' ارحم طنزیہ کہتا چلا گیا۔ جبکہ وہ بہت دیر تک خود کو لعنت ملامت کرتی باہر چلی آئی۔

❀❀❀❀

مزید کچھ دن ہی گزرے۔ ارحم نے دوبارہ اُسے مخاطب نہ کیا۔ وہ خود پہل نہ کرتی البتہ اس کے بولنے کے انتظار میں تھی۔ مگر وہ محسوس کررہی تھی کہ ارحم اب

جب بھی اسے لکھتا دیکھتا سخت ناگواری کا اظہار کرتا۔ کیوں؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر سلمٰی اچھی طرح جانتی تھی۔ ارحم کی ناگواری اور تابندہ کی خاموشی۔ ہر لمحہ اُس کے لیے محظوظ کُن تھا۔ اس کی زیادہ تر یہی کوشش رہتی کہ جب ارحم گھر میں ہو تب تابندہ کوئی کام نہ کر رہی ہو نہ گھریلو محفل میں شریک ہو۔ آج بھی جب تابندہ کچن میں ہانڈی کے بعد روٹیاں پکا رہی تھی تب بھی سلمٰی ارحم کے آنے کا وقت نوٹ کرتی سیدھی اُس کے پاس چلی آئی۔

"تابندہ آج تو تم تھک گئی ہوگی۔ صبح سے کام کر رہی ہو۔ یوں کرو تم آرام کرو، روٹیاں میں بنا لیتی ہوں۔" بھرپور خلوص ظاہر کرتی کہنے لگی۔

"نہیں بھابی! میں کرلوں گی۔" اُس نے انکار کیا۔

"بھابی کہتی ہو اور بات بھی نہیں مانتی ہو؟" سلمٰی نے بڑے مان سے کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کمرے میں چلی آئی۔ کچھ ہی دیر میں ارحم کی آمد ہوئی۔ گرمی کی شدت اور پیاس کو کم کرنے وہ حسب معمول کچن کی طرف آیا۔ تبھی نظر سلمٰی پر پڑی۔ جو اُسے آتا دیکھ کر کمر پکڑے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے بھابی!..... لگتا ہے آج بہت تھک گئی ہیں؟" ارحم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں بس آج کچھ کام زیادہ تھا۔"

"تو آپ تابندہ سے کہہ دیتیں۔ وہ روٹیاں بنا لیتی۔"

"ارے نہیں۔ وہ لکھ رہی تھی۔ میں نے اُسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ اپنی عادت کے مطابق مبالغہ آرائی سے دریغ نہ کرتی

"اس وقت کہاں ہے تابندہ؟" وہ جھوٹ کو سچ سمجھ کر طیش کھا کر رہ گیا۔ سلمٰی دل ہی دل میں مسکرائی نہایت سنجیدگی سے بولی۔

"پتا نہیں۔ اماں کے پاس دیکھو یا شاید اپنے کمرے میں ہوگی۔"

ارحم کچھ نہ بولا۔ البتہ پانی پینے کے بعد خاموشی سے اماں کی طرف گیا جہاں اماں، قندیل ابو بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ وہ سب کو سلام کرتا اپنے کمرے کی جانب آیا اور متلاشی نگاہیں اردگرد دوڑائیں تو وہ صفحات سنبھالتی نظر آئی۔

"السلام علیکم! آ گئے آپ!" وہ اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام..... آ گیا ہوں جبھی یہاں ہوں۔ اور تم پلیز کسی وقت تو باہر نکلا کرو۔ سب سے باتیں کیا کرو، گھر کے کاموں میں دلچسپی لو۔ اُس دن بھی زہرا پھوپھو کہہ رہی تھیں کہ اُن کے آنے پر تم اُن کے پاس نہیں بیٹھیں۔ خاندان والوں سے میل ملاپ رکھو نہ کہ ہر وقت افسانوی دنیا میں ڈوبی رہو۔" وہ کہتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ تابندہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی اور سوچ رہی تھی کہ زہرا پھوپھو نے ارحم کو ایسا کیوں کہا جبکہ وہ تمام وقت اُن کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی۔ ارحم کی سب باتیں وہ کافی دیر تک سوچتی رہی۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد ارحم بیڈ سے ٹیک لگائے چینل سرچنگ کر رہا تھا جبکہ تابندہ اماں کی طرف سے ہو کر آئی اور بیڈ کے دوسرے سرے پر ڈھیروں رجسٹر اور پیپرز پھیلائے اپنی نئی کہانی کا اختتام لکھنے کے بعد بھیجنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

"اس بے کار فالتو کے کام سے تمہیں کیا فائدہ ملتا ہے؟ خوامخواہ وقت کا زیاں ہے۔ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں لکھنا؟" ارحم کافی دیر سوچنے کے بعد اُس سے مخاطب ہوا۔ تابندہ نے چونک کر اس کی



طرف دیکھا۔

"لکھنا میرا شوق ہے۔" وہ توقف کے بعد آہستگی سے بولی۔

"شوق نہیں وقت کا زیاں کہو۔ جس سے فائدہ نہ ہو وہ ہنر یا شوق بے کار ہے۔ شادی کے بعد عورت کے لیے گھریلو ذمے داری ہی نبھانا اصل شوق ہونا چاہئے۔ جتنا لکھ چکی ہو وہ کافی ہے تمہارے شوق کی تکمیل کے لیے..... اب مزید نہیں۔" وہ قطعیت سے کہتا اُسے حیران و پریشان کر گیا۔ "کل تک تو وہ تابندہ سے اِس کے متعلق نہ پوچھتا تھا نہ بات کرتا تھا اور آج ڈائریکٹ لکھنے سے ہی منع کر دیا..... آخر کیوں؟"

"میں اماں سے پوچھ کر ہی شادی کے بعد لکھ رہی ہوں۔ اُن کی بھی خواہش ہے اور....." وہ آج پہلی مرتبہ اُس سے حجت کر رہی تھی۔ اپنی خواہش، خوشی اور شوق کے لیے مگر ارحم بخاری اُسے درمیان میں ٹوک گیا۔

"اماں کو بیچ میں مت لاؤ۔ جو میں کہہ رہا ہوں اُسے سنو اور عمل کرو۔ مانا کہ تم افسانوی دنیا میں رہتی ہو لیکن حقیقت سے آنکھیں نہیں چُرا سکتیں۔ ان سب کو ڈبے میں ڈالو اور بند کردو۔ آج سے تمہارا لکھنا بند..... میں تمہارا شوہر ہوں اب تمہیں اماں کی نہیں میری مرضی اور خواہش کے مطابق چلنا ہوگا۔ اور آئندہ تم نہیں لکھو گی۔ یہ میرا حکم ہے۔" کہتے ہی وہ اٹھا اور اس کے سامنے پھیلے تمام رجسٹرز اور پیپرز سمیٹے، اپنے لاکر میں رکھے اور چابی جیب میں ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔

❁❁❁❁

آج تابندہ صدیقی کے سامنے حکم تو اس کے شوہر نے صادر کیا تھا مگر الفاظ، انداز اور خواہش اُس کی نہیں بلکہ سلمٰی کی تھی۔ جس نے اپنی چال چلتے ہوئے اب دونوں کے درمیان فاصلے بڑھ جانے کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ جو دونوں کو ایک دوسرے سے متنفر کرنے کو کافی تھا۔ کل بھی وہ ارحم سے کہہ رہی تھی۔

"میں نے خود دیکھی ہیں ایسی لڑکیاں جو اپنا نام، مقام شوہر سے زیادہ عزیز جانتی ہیں، عورت صرف گھرداری کے لیے ہوتی ہے ارحم..... نوکری کرنا، لکھنا لکھانا عورت کو اپنی اور شوہر کی ذمے داری سے بے خبر کر دیتا ہے۔ جو عورت شوہر اور گھر پر توجہ نہیں دیتی، وہ عورت کے نام پر دھبا ہے۔ حقیقت اور افسانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تابندہ کا شوق حقیقت میں افسانہ ہے۔ وقت کا زیاں اور اپنا نام، مقام شوہر کے برابر کرنا ہے۔ تم اُسے سمجھاؤ۔ جتنا لکھ چکی ہے وہ کافی ہے اس کے لیے۔ اب تمہاری اور گھر کی ذمے داری اُس کو سنبھالنی چاہئے۔ وہ تمہارے نام سے جانی جائے نہ کہ اپنا نام بنانے کے لیے گھر کو بھول جائے۔"

اس معاملے میں ارحم بھی روایتی مردوں اور شوہروں جیسا ہی نکلا۔ جو عورت کو ہمیشہ گھر میں دیکھنے کے قائل ہوتے ہیں۔ سلمٰی کا کہنا اور اس کا غصہ میں بھر آنا پہلے سے حائل جھجک اور دوری کو مزید ہوا دینے میں کامیاب ٹھہرا۔ ارحم کے عمل اور باتوں سے تابندہ کا دل بھر آیا تھا۔ کل اسے کہانی ہر حال میں بھیجنی تھی۔ جو اب ارحم کی تحویل میں قید اس کی پہنچ سے دور ہو چکی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ارحم کا بدلتا رویہ بھی حیران کن تھا۔ کتنی دیر تک وہ روتی رہی۔ مگر کسی سے کچھ نہ کہا۔ روایتی شوہر کا یہ روپ جو وہ اپنی کہانیوں میں اکثر بیان کرتی رہتی تھی۔ آج خود اس کے لیے برداشت کرنا بہت اذیت ناک تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی پابندی تابندہ صدیقی کے لیے اُس مار دھاڑ سے

کی کہانی پڑھ کر تھی جو شوہر بیوی پر کرتا ہے۔ دو تین دن یوں ہی گزر گئے۔ وہ بالکل چپ تھی۔ ارحم سے دوبارہ بات نہ کی نہ وہ کچھ بولا البتہ وہ تابندہ سے آنکھ نہ ملا سکا۔ قندیل اس سے بہت قریب تھی مگر وہ قندیل سے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ اماں سے اس لیے نہ کہا کہ وہ ارحم سے پوچھیں گی اور پھر ارحم اس سے بازپرس کرے گا۔ سو وہ چپ ہو گئی۔ لیکن دوسری طرف سلمٰی کے لیے چپ ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

"کیا بات ہے تابی اس مہینے تمہاری کوئی کہانی نہیں آئی ڈائجسٹ میں؟" سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ اسے کریدنے سے باز نہ آئی۔

"بس بھابی۔ اس مہینے میں نے بھیجی ہی نہیں۔" وہ حقیقت سے بے خبر اپنے تئیں اس سے چھپانے لگی۔ جبھی سلمٰی کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ بکھری۔

"ارے کیوں.....؟"

"بس بھابی اب زیادہ وقت نہیں ملتا لکھنے کے لیے۔ سوچتی ہوں لکھنا ہی چھوڑ دوں۔ جتنا لکھنا تھا لکھ لیا۔" وہ نادان تھی سو کہہ گئی۔

"ارے پگلی..... یوں نہ کہو یہ تو خدا کی دین ہے۔ وقت نہیں ملتا سے کیا مراد؟ زبردستی وقت نکال کر لکھو اور خوب لکھو۔" سلمٰی مکارانہ لہجے میں بولی۔ دل ہی دل میں اپنی بات پر مسکرائی۔

"جی کوشش کروں گی۔" تابندہ سہولت سے جواب دیتی منظر سے ہٹ گئی اور سوچنے لگی کہ سبھی اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے فن کی قدر کرتے ہیں اور ایک وہ ہے جس نے زبردستی اس سے اس کا فن چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے ایسا حکم صادر کیا تھا کہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے خلاف [illegible] نہ کر سکی تھی۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ وقت اپنی رفتار کے مطابق گزرتا رہا۔ وہ ڈائجسٹ پڑھتی تو قارئین بڑی شدت سے اس کی کمی کا اظہار کرتے جسے محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر اپنی بے بسی پر افسردہ سی ہو جاتی کہ وہ ارحم کے حکم کے آگے مجبور تھی لیکن ایک دن قندیل اس کے سامنے تھی۔

"بھابی..... مجھے پتا ہے کہ آپ نے کہانیاں لکھنی کیوں چھوڑ دی ہیں؟"

"اچھا..... بتاؤ کیوں چھوڑ دی ہیں؟" وہ چونکنے کے ساتھ ہی چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے عام سے لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

"اس لیے کہ ارحم بھیا نے آپ کو لکھنے سے منع کیا ہے۔ اور آپ چاہنے کے باوجود اپنی خواہش کو دل میں دبائے نہ لکھنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ کیا بھیا کے نزدیک آپ کی خواہش اور شوق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" وہ تڑپ کر پوچھنے لگی۔

"تم کیسے جانتی ہو یہ سب؟" تابندہ حیران ہوئی۔

"میں نے سلمٰی بھابی کی باتیں سنی ہیں۔ وہ فون پر اپنی بہن سے کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے ارحم کے ذریعے آپ سے آپ کا شوق چھین لیا ہے۔ کیوں کہ وہ آپ کو خوش نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔" قندیل نے مختصراً مگر بہت سنبھل سنبھل کر کہا تھا۔ اور وہ تو گویا جیسے آن کی آن میں [illegible] درد میں تھی۔ حیران و پریشان..... سلمٰی کی چال پر دنگ تھی۔

"لیکن..... ان کی مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

"وہ آپ کو بھیا کے ساتھ خوش نہیں دیکھنا چاہتیں۔ اماں کو پہلے ہی بھابی پر شک تھا کیوں کہ وہ اپنی بہن کو بھیا کے لیے بیاہنا چاہتی تھیں اور اماں نے آپ کو پسند کیا۔" وہ بتانے لگی۔

"اور قندیل کیا یہ بھی سچ ہے کہ ارحم پہلے کسی سے



محبت کرتے تھے مگر اپنی محبت کو حاصل نہ کر سکے۔" وہ سلمٰی بھابی کی چال پر بے یقینی سی پوچھنے لگی۔

"یہ سچ ہے مگر یہ بات آٹھ سال پرانی ہے۔ آپ سے ان کی شادی کے بعد اماں اور ہم سب نے محسوس کیا تھا کہ وہ بدلنے لگے ہیں۔ مگر ہو سکتا ہے سلمٰی بھابی نے اس بات کو لے کر آپ سے یا بھیا سے کچھ کہا ہو۔ ان سے کچھ بعید نہیں۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔"

"لیکن ارحم کو کون سمجھائے۔" یکلخت ہی اسے ارحم کا خیال آیا۔ سلمٰی بھابی کی ذات کے دوغلے پن کے سبب ان پر سے تو اس کا اعتبار اٹھ چکا تھا مگر افسوس خود پر اور ارحم پر بھی [illegible] ہمیشہ ان کی بات سنتے رہے۔ جانے سلمٰی بھابی نے انہیں میرے متعلق کن کن غلط فہمیوں میں الجھایا ہوگا۔" ایک اور سوچ نے اسے آ لیا۔

"قندیل تم ایسا کرو کہ میرے لیے پیپرز اور کچھ ضروری چیزیں اپنے کمرے میں لا کر رکھو۔ میں کہانی لکھنا چاہتی ہوں اپنی اور ارحم کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے۔ سلمٰی بھابی کی چال کو بے نقاب کرنے کے لیے..... اور پلیز اس بات کی خبر سلمٰی بھابی یا ارحم کو نہیں ہونی چاہیے۔" یک دم وہ فیصلہ کرتی اس سے بولی۔

"آپ بے فکر ہو جائیں۔" قندیل نے اسے یقین دلایا۔

پھر کیا تھا۔ یہاں تابندہ کام سے فارغ ہوئی۔ وہاں قندیل کے کمرے میں جا کر زور وشور سے شروع سے لے کر آخر تک کی داستان تمام حقائق کے ساتھ تحریر کی۔ سلمٰی بھابی کے کردار کی بھرپور وضاحت اور ارحم کا ان کی باتوں پر یقین، اس کی ناکام محبت، خود پر پابندی حتیٰ کہ ایک ایک بات لکھی۔ چار پانچ دنوں میں اس نے کہانی مکمل کی۔ کہانی تمام حالات کے ساتھ بہترین تھی۔ قندیل نے پہلے ہی پڑھ لی۔

"کہانی تو زبردست ہے بھابی..... لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ حقیقت میں بھی اس کا انجام ایسا ہی خوش گوار ہوگا۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" تابندہ پرعزم تھی۔

☆☆☆

محبت کرنا کوئی جرم نہیں بلکہ یہ تو خدا کی طرف سے عطا کردہ ایک قدرتی عمل ہے جو چیز اچھی لگے اسے اپنا بنالو۔ جس انسان سے ہو جائے اس کی تمنا کرو..... لیکن اس میں ناکامی کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اسی محبت کو عمر بھر کا روگ بنالیا جائے۔

تمام حقائق سے پردہ اٹھنے کے بعد تابندہ کو ارحم بخاری سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ زرش اس کی محبت تھی لیکن زرش کے والدین نے اپنی مرضی سے اس کی شادی کہیں اور کر دی۔ چھوٹی ہی عمر میں۔ اس وقت ارحم بھی بائیس سال کا تھا۔ اور پڑھائی کر رہا تھا۔ ارحم کے کہنے کے باوجود بھی گھر والوں نے اس کا رشتہ لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ اور یوں اس کی محبت کسی اور کی ہو گئی۔ پھر تیس سال کی عمر میں اس کی شادی تابندہ صدیقی سے ہوئی۔ اس شادی کے لیے وہ راضی نہ تھا مگر اماں کی خاطر مان گیا۔ پھر سلمٰی بھابی کی چال کو نہ سمجھتے ہوئے ان کی باتوں میں آ گیا۔ یوں سب بگڑتا گیا۔ تابندہ اپنی جگہ اس سے ناراض مگر خاموش تھی۔ قندیل کی مدد سے اس نے کہانی لکھی۔ اپنی اور ارحم کی زندگی میں سلمٰی کی منافقت اور دوغلے پن سے دوری کی وجہ اور ارحم کا سخت رویہ لکھا۔ بظاہر خاموش وہ تھی۔ اس کا قلم نہیں۔ سو دل کھول کر ارحم سے شکوہ شکایت لکھی اور اسے فائنل کر کے ارسال کر دیا۔ اس قوی یقین کے ساتھ کہ پھر آئندہ ان کی زندگی میں کوئی سلمٰی دخل اندازی نہیں کرے گی اور ارحم بخاری اپنی تمام تر قلبی شدتوں سے زرش کو بھلا کے اس کی جانب

بڑھے گا۔

اماں کو البتہ اس متعلق اب بھی علم نہ تھا کہ ارحم نے تابندہ کو لکھنے سے روکا ہوا ہے ورنہ وہ ارحم کو اسی وقت اڑے ہاتھوں لیتیں۔ اس نے ایک ایک دن پوروں پر گنا۔ اگلے مہینے کا انتظار کیا۔ جب اس کی کہانی شائع ہوئی تھی جبکہ دونوں کے درمیان بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔

"تابندہ بھابی...... ڈائجسٹ آ گیا۔ یہ لیں۔" صبح قندیل ڈائجسٹ ہاتھ میں لیے اس کے سامنے تھی۔ ساتھ ہی پوچھا۔ "اب کیا کریں گی؟"

"ایک ہفتے کے بعد امی کے ہاں جاؤں گی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"وہ کیوں؟" قندیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ کیوں؟" قندیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تاکہ ارحم آرام سے کہانی پڑھیں۔ تمام حقیقت سے آگاہ ہوں۔ سلمٰی کی اصلیت جانیں۔ اپنے ماضی اور حال کا موازنہ کرسکیں پھر فیصلہ کریں زرش یا تابندہ صدیقی...... اب انہیں آخری مرتبہ سوچنا ہوگا۔ اگر وہ اپنے دل کی سچائی اور جذبوں کی شدت سے میری طرف بڑھے تو انہیں ہرگز مایوسی نہیں ہوگی۔" تابندہ سنجیدہ تھی۔

"قندیل! تم میرے جانے کے بعد یہ ڈائجسٹ ارحم کو دے دینا۔" اس نے تاکید کی۔ قندیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھر جب ارحم آفس سے آیا تو تابندہ نے اسے گھر لے جانے کو کہا۔ ارحم تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اسے لے گیا۔ ارادہ واپس آکر سونے کا تھا مگر جوں ہی وہ اسفند کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اندر سے آتی آوازوں پر اس کے قدم خود بخود رک گئے۔ سلمٰی اپنی بہن راضیہ کو اپنی چالوں کے قصے خوب مزے لے لے کر سنا رہی تھی۔ شروع سے آخر تک...... تابندہ اور ارحم کو ایک دوسرے سے متنفر کرنے کی باتیں۔ زہرا پھوپھو کے معاملے میں مبالغہ آرائی، تابندہ کا شوق، اس کا فن اپنی منافقت اور حسد سے ارحم کے ہاتھوں صندوقچے میں بند کرنے کا قصہ...... سلمٰی طنزیہ لہجے میں کہتی تمسخرانہ ہنسی ہنس رہی تھی۔ اور باہر کھڑے ارحم کا خون کھول رہا تھا۔ وہ کیسے سلمٰی کی باتوں پر یقین لاتا رہا۔ خود پر بھی غصہ آیا۔ اس کا غصہ آسمان کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ سلمٰی کی چال بے نقاب ہو چکی تھی۔ تمام حقائق یکے بعد دیگرے اس کے سامنے کھل چکے تھے۔ وہ غصے کا تیز تھا۔ جب ضبط کا بندھن ہاتھ سے چھوٹا تو دھڑ سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔ آواز پر دونوں بہنوں نے حیرت و بے یقینی سے مڑ کے دیکھا۔ وہ طنزیہ انداز میں تالیاں بجاتا اسے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں اتارنے لگا۔

"بہت خوب...... کیا کہنے...... کیا کمال کی اداکارہ ہیں آپ بھابی جان؟"

"ارحم تم......؟" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"ہاں میں...... اب تک صرف سنا تھا۔ آج دیکھ بھی لیا کہ گھر کیسے اجاڑے جاتے ہیں۔ ایک طرف مجھے اور دوسری طرف تابندہ کو مجھ سے متنفر کیا اور میں بے وقوف اپنے دل کی بجائے آپ کی باتوں پر یقین لاتا رہا۔ تابندہ پر پابندی لگائی، اسے دکھ دیا اور وہ بے چاری آپ کی چال کا شکار ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ اگر آج میں یہ سب سن نہ لیتا تو جانے آپ آگے کیا کھیل کھیلتیں...... رشتے تو آسمان پر بنتے ہیں آپ نے کیوں نہ جانا۔ مجھے افسوس رہے گا کہ



میں آپ کی چال کا شکار ہوا۔ لیکن اب آپ کی ذات پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے...... کیا ملا آپ کو یہ سب کر کے۔ صرف ایک بار اپنے عمل و سوچ پر نظرِ ثانی کریے گا ضرور۔"

ارحم نے اُسے شرمسار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ سلمٰی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی جبکہ ارحم اپنے کمرے میں چلا آیا۔

ذہن عجیب سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ دل بے نام سی بے چینی کا شکار تھا۔ تبھی قندیل اس کے کمرے میں آئی۔

"بھیا! یہ آپ کے لیے۔" قندیل نے ڈائجسٹ اسے دیا۔

"کس لیے؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"بھابی صرف آپ کے لیے دے کر گئی ہیں۔" وہ اسے ڈائجسٹ دے کر چلی گئی۔ ارحم نے ڈائجسٹ کھول کر ٹٹولا۔ تبھی تابندہ صدیقی کے نام کے ساتھ کہانی کا نام درج تھا۔ "بے تقاضۂ وفا، وفا کیجئے۔" ارحم نے کہانی کا عنوان پڑھا۔ حیران ہوا کہ یہ تابندہ نے کب لکھی۔ بہرحال انہی سوچوں کے ساتھ اس نے کہانی پڑھنی شروع کی۔ اور پھر جیسے جیسے کہانی پڑھتا گیا۔ تابندہ کے خیالات و جذبات سے آگاہ ہوتا گیا۔ حقیقت تو وہ جان چکا تھا۔ بڑی دلچسپی کے ساتھ تابندہ کے کیے گئے شکوے شکایات پڑھتا گیا۔ اس کی جھجک جاتی۔ جسے وہ ہمیشہ افسانوی دنیا کی مخلوق سمجھتا رہا وہ اپنے احساسات میں کتنی نازک و حساس تھی اور اس کو ارحم سے دور کرنے میں سلمٰی بھابی کی سازش...... اسے غصہ آیا۔ تابندہ اس سے بات کرنے میں جھجک محسوس کرتی کہ وہ اس کی زندگی میں دوسری لڑکی کی حیثیت سے شامل ہوئی تھی۔ یوں ہی دوریاں بڑھتی گئیں۔ اور ارحم کے دل و دماغ پر جیسے تمام گرہیں کھلتی چلی گئی تھیں۔ ابتداء میں وہ بھی اس سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن سلمٰی نے جو تابندہ سے متعلق اسے باتیں بتائیں کہ وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی ہے۔ کبھی ارحم سے اس کے آنے جانے یا کسی اور بات کے متعلق بات نہیں کرتی۔ اسی لیے ارحم اپنے تئیں چپ تھا۔ یونہی دونوں کے درمیان فاصلے مزید بڑھے۔ لیکن حقیقتاً وہ اندر سے بدلنے لگا تھا۔ شادی کے بعد زرش سے محبت کا دعویٰ اسے کمزور پڑتا دکھائی دیا۔ وجہ تابندہ سے نکاح کے بعد دل کا اس کی طرف مائل ہونا تھا۔ جسے وہ جان نہ سکا اور سلمٰی کے کہنے پر جب اس نے تابندہ کو لکھنے سے منع کیا تھا تب وہ دل ہی دل میں پشیمان تھا اور اس سے نظر ملانے میں جھجکتا اور اب جبکہ وہ تمام تر حقائق سے واقف ہو چکا تھا تو ذہن کی بھرپور نفی کے ساتھ دل کی بات ماننے میں پل بھر لگایا۔

"تابندہ...... تمہاری ذات زرش کی یادوں کو میرے دل و دماغ سے مٹا چکی ہے۔ اب میں اپنی تمام تر سچائی اور محبت سے تمہاری طرف بڑھوں گا۔ اور تم اپنا کہا نباہتے ہوئے یقیناً مجھے مایوس نہیں کرو گی۔ تم نے مجھ سے وفا کا تقاضہ کیا ہے، جسے میں ہر صورت پورا کروں گا۔

پرعزم سوچ کے ساتھ اس نے ذہن میں اسے منانے کی ایک ترکیب بنائی۔ تمام کثافتیں ڈھل چکی تھیں پھر دوریاں کیسی...... کیسے فاصلے...... اب اس نے محبت کو سنگ کرنا تھا۔ تابندہ کے سنگ جینا تھا۔ اپنے ماضی کو بھلا کر تمام تر شدتوں سے اس کی جانب بڑھنا تھا۔ جس کے لیے وہ مکمل تیار تھا۔

❀❀❀❀

سلمٰی کی اصلیت باقی گھر والوں پر بھی کھلی۔

سب بے حد بے یقین، حیران و پریشان تھے۔ ان کی ناک کے نیچے وہ کیا کیا کھیل کھیلتی رہی اور انہیں کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ اسفند نے تو اسے اس کی ماں کے گھر چھوڑنے تک کا فیصلہ کرلیا مگر اماں سلمٰی کا پشیمان اور روتا چہرہ دیکھ کر ترس کھا گئیں۔ سو اسفند کو سمجھایا۔ سلمٰی نے سب سے معافی مانگی۔ ایک ہفتے بعد ارحم تابندہ کو واپس گھر لے آیا مگر فی الحال کچھ نہ بولا۔ جس پر وہ خاصی حیران ہوئی۔ قندیل نے اس کی غیر موجودگی میں ہونے والی تمام باتیں اس کے گوش گزار کیں۔ اسے سلمٰی بھابی کے متعلق سن کر ترس بھی آیا۔ مگر ذہن و دل مکمل طور پر ارحم کی طرف تھا جو مکمل سکوت طاری کیے ہوئے تھا۔ تابندہ دل ہی دل میں اس سے ناراض تھی۔ اس پر ظاہر بھی کرتی مگر وہ ہنوز بے پروائی ظاہر کرتا۔

دن گزرتے رہے۔ ایک مہینہ یوں ہی گزر گیا۔ تابندہ کی اداسی عروج پر تھی۔ انتظار طویل ہو چکا تھا۔ جبکہ ارحم کی لاتعلقی ہنوز برقرار تھی۔ رات تمام کام نمٹا کر وہ سونے لگی جبھی ارحم اٹھ بیٹھا۔ اسے آواز دی۔

''تابندہ......!''

دوسری جانب ناراضگی و خفگی تھی سو کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

''ناراض ہو؟'' وہ مسکرایا۔ تابندہ نے کروٹ بدل کر آنکھوں پر ہاتھ رکھا کہ کہیں ضبط شدت سے رو نہ دے۔

''آئی ایم سوری مائی ڈیئر وائف!'' ارحم نے کہا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھی مگر کچھ نہ بولی۔ ارحم نے انتظار کیا۔

''کچھ تو بولو...... گلے شکوے کرو۔ روٹھو، منواؤ کہانی لکھنے سے روکا، زبردستی پابندی لگائی۔'' وہ نادم تھا۔ تابندہ ہنوز خاموش تھی۔

''یار! صرف قلم کے زور پر اپنی بات دوسروں تک پہنچانا جانتی ہو...... منہ سے کچھ نہ بولنا۔'' ارحم کو اس کی مسلسل خاموشی سے چڑ ہونے لگی۔

''کیا بولوں......؟ یہی کہ آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ اپنے ماضی کی ناکام محبت کے خول میں قید ہیں اور مجھ سے اتنے بیزار کہ باآسانی دوسروں کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔'' وہ دبے لفظوں میں بولی۔

''حقیقت یہ نہیں ہے۔'' جواباً وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

''تو پھر حقیقت کیا ہے؟''

تب ارحم نے شادی سے بعد کی تمام کہانی اسے سنائی۔

''زرش کبھی میری ذات کا حصہ تھی مگر اب نہیں...... وہ اپنی زندگی خوشی سے گزار رہی ہے۔ اور میں اپنی زندگی تمہارے سنگ خوشی سے گزارنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

''جھوٹ ہے سب۔'' وہ دبے لہجے میں چلائی۔

''اچھا! اگر یہ جھوٹ ہے تو تم سچ ثابت کردو۔'' وہ دوٹوک بولا۔

''اگر آپ کو مجھ سے محبت ہوتی تو کبھی کی اقرار کر دیتے۔ نہ مجھے میرے شوق سے روکتے اور نہ پابندی لگاتے۔ اور نہ اعتراف کرنے میں اتنا عرصہ لگاتے۔ اس عرصے میں، میں کس اذیت سے گزری ہوں آپ کبھی جان ہی نہیں سکتے۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''اور جو مجھ پر گزری وہ تم نہیں جان سکتیں۔'' وہ جواباً بولا۔

''سچ ہے تو پھر آپ ثابت کریں۔'' وہ کہنے لگی۔

''تم نے کہانی میں لکھا تھا کہ اگر میں تمہاری جانب محبت کی تمام تر سچائی سمیت بڑھا تو تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔ پھر اب کیوں پیچھے ہٹ رہی ہو؟



وفا کا تقاضہ کیا ہے تو وفا نبھانے کا موقع بھی دو۔'' وہ انتہائی جذب سے کہتا اس کے قریب ہوا۔

''آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا...... میں آپ سے ناراض ہوں۔'' وہ نم پڑتی آنکھوں میں آنسو لے آئی۔

''جانتا ہوں...... لیکن اب میں ہی تمہارے ہر غم کا مداوا کروں گا۔'' اس کے آنسو صاف کرتا وہ کہتے ہوئے اٹھا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز سے نئے ماہ کا ڈائجسٹ نکالنے لگا۔ ''یہ لو۔'' ڈائجسٹ اس کی طرف بڑھایا۔ تابندہ نے ڈائجسٹ کھول کر دیکھا تو اس کی کہانی شامل اشاعت تھی۔ وہی کہانی جسے وہ بھیج رہی تھی تو ارحم نے اس سے لے کر لاکر میں رکھ دیا تھا۔

''ہاں یہ کہانی...... اسی کہانی سے میں نے تم پر پابندی لگائی اور پھر تمہاری خاطر، اپنی محبت کی خاطر اسی کہانی کو اپنی تمہاری محبت کا سفیر بنانا چاہا۔ تمام حقیقت کو جاننے کے بعد بطور معافی اس کو شائع کروانے بھیجا۔ اسی لیے اظہار میں ایک مہینہ لگا۔ اب تم چاہے مجھے معاف کرو یا نہ کرو مگر میں دل سے وفا نبھانے کے لیے تمہاری طرف بڑھا ہوں...... کیا تم وفا کی اس راہ گزر میں میرا ساتھ نبھاؤ گی۔'' ارحم نے کہتے ہوئے اس کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ جبھی تابندہ صدیقی نے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں دیا۔ تمام کثافتیں دھل چکی تھیں۔ پھر انتظار کیسا......

''ہاں اس امید کے ساتھ کہ آئندہ ہم کبھی اپنی زندگی میں کسی سلمٰی کو نہیں آنے دیں گے۔''

''انشاءاللہ...... مگر میں ابھی بھی تم سے ناراض ہوں۔'' وہ دل سے کہتا کچھ یاد آنے پر بولا۔

''کیوں......؟''

''اس لیے کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم نے لکھنا نہ چھوڑا اور ہزاروں چاہنے والوں کے سامنے وفا کا تقاضہ کرلیا۔'' ارحم کے لہجے میں شوخی و شرارت تھی تو تابندہ کے چہرے پر مسکراہٹ۔

''آپ کو پانے کے لیے ضروری تھا۔'' وہ شرمیلے لہجے میں بولی۔

''ہوں...... اور آئندہ کے لیے کیا ارادہ ہے لکھو گی یا......!'' ارحم نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

''اماں کی خواہش ہے کہ میں ساری عمر لکھوں۔'' وہ مختصراً بولی۔

''اور تمہاری......؟'' ارحم نے رازداری سے پوچھا۔

''میں بھی یہی چاہتی ہوں اور آپ......'' تابندہ نے بتاتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ ویسے اماں کی ہر خواہش اب مجھے دل سے عزیز ہے کیوں کہ ان کی خواہش پر تم میری زندگی میں آئیں اور میری زندگی بدل گئی۔ رئیلی آئی لو یو سویٹ...... اب میں صرف تمہیں پاکر سب کچھ بھول گیا ہوں۔ اپنا ماضی حتیٰ کہ اپنا آپ بھی۔ اور اب مجھے محبت کے اسی تقاضے کے لیے وفا نبھانی ہے...... صرف اور صرف تم سنگ۔''

تابندہ دل ہی دل میں خدا کا شکر بجالائی۔ ان کی زندگی سے خزاں کا موسم بیت چکا تھا۔ اب انہیں صرف و صرف بہاروں کا استقبال کرنا تھا۔

سب جو ہم پر کیا کرایا ہے انہی پر پلٹ جائے۔

# روحانی مسائل اور ان کا حل

**حافظ شبیر احمد**

ندا...... لاہور

سوال:۔ میرا نام ندا ہے۔ میری والدہ کا نام غزالہ ہے۔ ہم لاہور میں رہتے ہیں۔ میری مدد اور رہنمائی کیجیے۔ آنچل میں آپ کا کالم پڑھا تو ایک امید نظر آئی۔ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ ہم دونوں بہنیں شادی شدہ ہیں۔ کافی عرصے سے کوئی ہماری والدہ پر اور ہم پر اثرات کروا رہا ہے۔ بہت پڑھائی کرتے ہیں مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔ ہم اس سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چار دن پہلے لان میں پانی کے پائپ کے پاس خون کے قطرے دیکھے۔ کل کسی نے گیٹ کے آگے کالے ماش پھینک دیے اور پانچ تعویذ بھی نکلے ہیں جن میں دو والدہ کی موت کے ہیں۔ ایک بھائی کی موت کا باقی دو میرے اور میرے شوہر کے لیے ہیں۔ میری طلاق اور میرے شوہر کی موت کے لیے۔ آپ کو اس لیے لکھ رہی ہوں کیا آپ قرآن کے ذریعے حل بتائیں۔ نماز کی پابندی کی جاتی ہے گھر میں۔ پلیز جواب ضرور دیں۔ آٹھ سال سے ہم اس مصیبت میں ہیں۔ مدد کریں ہماری۔ بہت امید سے آپ کو میل کی ہے آپ کو اللہ اجر دے گا۔ والدہ کے گھر کا پتا ہے 273 ای ون واپڈا ٹاؤن لاہور۔ وہ گھر کے نچلے حصے میں رہتی ہیں۔ اوپر والے پورشن میں ہمارے ماموں رہتے ہیں۔ ہمیں بتائیں کہ ہمارے دشمن کون ہیں پلیز۔

جواب:۔ آپ نے والدہ کا ایڈریس دیا اپنا نہیں۔ (زندگی اور موت اللہ کے ہاتھوں میں ہے) آپ لوگ جو کچھ بھی پڑھتے ہیں وہ پڑھیں یا نہ پڑھیں وہ آپ لوگوں کی مرضی۔ اس کا حل "سورۃ الدھر" ہے روزانہ 3 بار پڑھیں لگاتار۔ پھر دعا کریں کہ ہم پر جو بھی کرتا کراتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنی اور سورۃ کے طفیل وہ سب جو ہم پر کیا کرایا ہے انہی پر پلٹ جائے۔

سلمٰی الطاف

سوال:۔ السلام علیکم میرے گھر میں بہت معاشی پریشانی ہے۔ میرے ابو سعودیہ میں ملازم ہیں جہاں نوکری کرتے ہیں انہیں تنخواہ نہیں ملتی۔ دو بھائی ہیں لیکن جو بھی کریں اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ پلیز کوئی وظیفہ بتائیں میں نے ایم بی اے کیا ہوا ہے لیکن نوکری نہیں مل رہی۔ اس کے لیے بھی۔

جواب:۔ "سورۃ واللیل" (3 بار روزانہ) نوکری کے لیے۔ تیسواں پارہ۔ رزق کے لیے "یارزاق یا فتاح" کا ورد کریں 313 بار روزانہ۔

سدرہ

سوال:۔ السلام علیکم! میرا نام سدرہ ہے اور میں ڈاکٹر بن رہی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا پڑھائی میں دل لگے اور میں کالج کی گولڈ میڈلسٹ ہوں۔ میرا پڑھائی میں دل نہیں لگتا۔ مجھے کچھ ایسا بتائیں کہ میری پریشانیاں حل ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اپنے ذہن کو غلط باتوں سے روکنے کے لیے مجھے کوئی حل بتائیں۔

جواب:۔ "سورۃ رحمٰن" بعد نماز فجر روزانہ ایک بار۔

صاعقہ فرحت

سوال:۔ السلام علیکم! میری تاریخ پیدائش 12 فروری 1987ء میرا نام صاعقہ فرحت ہے۔ میں حافظ شبیر صاحب سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ میری شادی ایک نیک شخص سے ہو اور اسی سال میں ہو۔ میں ذہنی طور پر بہت پریشان رہتی ہوں۔ پلیز مجھے کوئی اچھا سا وظیفہ بتا دیں اور میں اپنا پڑھائی پر دھیان دوں اس کا بھی حل بتا دیں۔

جواب:۔ "یا اللہ یا ستار" 313 بار روزانہ رشتے کی دعا کریں۔ (اول و آخر درود شریف)

مصباح نذیر...... لاہور

سوال:۔ السلام علیکم! کیا حال ہیں؟ میں نے انٹر نیٹ پر آپ کو لکھے لوگوں کے خط پڑھے تو میں نے سوچا کہ میں بھی آپ سے اپنے مسئلے کے لیے کچھ پڑھنا پوچھوں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی کرم کریں۔ میرے شوہر کا نام عبدالستار ہے میرا نام مصباح اور میری والدہ کا نام نسیم اختر ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے شوہر بہت محنت کر کے پیسے کماتے ہیں لیکن پیسہ آنے کے بعد میں ہی پہلے کسی نہ کسی وجہ سے کوئی مسئلہ بن جاتا ہے اور ہم واپس زیرو ہو جاتے ہیں اور میرے ہزبینڈ کو غصہ بھی بہت آتا ہے۔ ہماری شادی کو دو سال ہوئے ہیں کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ پلیز کچھ پڑھنا بتائیں کہ اللہ کی رحمت سے ہمارے کام میں بھی برکت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اولاد کی خوشی بھی دے دے۔

جواب:۔ کالی صدقہ برائے برکت رزق جو جتنا ہو سکے دیا کریں 40 روز تک روزانہ "سورۃ البقرۃ" ایک بار پڑھیں ان شاء اللہ حسب منشا نتائج ہوں گے۔

ام مریم...... گوجرانوالہ

جواب:۔ "سورۃ الھمزۃ" پارہ 30، 11 بار پڑھ کر صبح و شام پڑھ کر پھونک ماریں آنکھوں پر بچے کی۔

صائمہ نورین...... گوجرانوالہ

سوال:۔ السلام علیکم! محترمی میں آپ کو اپنے مسئلے کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ جناب 2010 پانچ دسمبر کو میری شادی ہوئی ہے۔ ابھی میری شادی کو ڈیڑھ سال ہوا ہے۔ لیکن میری ساس میری نندوں نے میرا جینا محال کیا ہوا ہے۔ وہ میرے خاوند کو ایسے سبق پڑھاتی ہیں کہ مجھے بہت ذلیل کرتا ہے۔ بے تحاشا مارتا ہے۔ گھر سے نکال دیتا ہے۔ ابھی رمضان سے پہلے بھی اس نے مجھے چھری نکال ماری جس سے مجھے چار عدد ٹانکے لگے ہیں۔ جناب نوبت طلاق تک پہنچ چکی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ فعل ہے۔ میں طلاق لینا نہیں چاہتی۔ لیکن جتنا وہ مارتا ہے اس وقت تو دل کرتا ہے ابھی جان چھڑوا لوں لیکن جناب میرا ایک بیٹا بھی ہے۔ میں بہت مجبور ہوں خدارا میری مدد کیجیے کہ میری ساس اور میری نندیں اور میرا خاوند میرے ساتھ صحیح سلوک کرے اور میری اس گھر میں عزت ہو اور مجھے طلاق نہ ہو۔

جواب:۔ "فانصرنا فانک خیر الناصرین" ایک تسبیح روزانہ۔ 11-11 مرتبہ درود شریف اول و آخر میں جب بھی چینی آئے اس پر 3 مرتبہ سورۃ مزمل 3-3 مرتبہ درود شریف پڑھ کر پھونک دیا کریں۔ تاکہ سب کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہو۔ (تصور بھی کیا کریں)۔

شاہ وقار...... لاہور

سوال:۔ میرے پاپا کا کاروبار کئی 2009ء سے بہت خسارے میں جا رہا ہے۔ بہت قرض بھی ہو گیا ہے۔ کوئی وظیفہ بتا دیں۔ حالات کب تک ٹھیک ہوں گے۔ بہت غصے میں رہنے لگے ہیں پاپا جب کہ پہلے ایسے نہیں تھے کاروبار میں خسارہ دادا ابو کی وفات کے بعد ہوا ان کے ہوتے ایسا کچھ نہیں تھا گھر میں سے تعویذ بھی نکلے ہیں۔ پلیز بہت پریشان ہیں حل بتا دیں۔

جواب:۔ "اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز" (سورہ الشوریٰ) روزانہ 1000 مرتبہ پڑھیں۔ (رات کے وقت) اول و آخر 11-11 مرتبہ درود شریف۔ (صدقہ بھی دیں)۔

مریم عارف...... سیالکوٹ

جواب:۔ "انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ" (سورہ یوسف) اول و آخر 11-11 مرتبہ درود شریف 313 مرتبہ آیت مبارکہ دعا بھی کریں کہ جو حق میں بہتر ہو ہو جائے۔

رضا...... آزاد کشمیر

سوال۔ السلام علیکم! حافظ صاحب پلیز پلیز برائے مہربانی کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے میرا مسئلہ حل ہو جائے میرے لیے جس لڑکے عدنان کا رشتہ آیا تھا وہی لوگ ضرور واپس آئیں اور وظیفے کی بدولت عدنان اور اس کے امی ابو کے دل نرم ہو جائیں اور ان کے دلوں میں میرے لیے محبت پیدا ہو جائے اور یہ رشتہ ضرور ہو۔ حافظ صاحب پلیز پلیز میں قیامت تک آپ کی مشکور اور آپ

کے لیے دعا گو رہوں گی۔
جواب:۔ "سورۃ اخلاص" روزانہ ایک تسبیح 11-11 مرتبہ درود شریف اول وآخر۔ اپنے حق میں بہتر رشتے کے لیے (رات کے وقت)۔

اقراء.....کراچی

سوال:۔ مسئلہ میرے شوہر کا ہے ہماری شادی کو سات سال ہوگئے ہیں۔ میرے شوہر کا کاروبار بہت اچھا تھا کہ پچھلے پانچ سال سے کاروبار میں گھاٹا اور قرضہ ہونا شروع ہوگیا اور اس پریشانی میں گھر بھی بک گیا اور سارا پیسا قرضے میں گیا پھر بھی قرضہ باقی ہے۔ کاروبار بھی ختم ہوگیا اب میں اپنا شہر چھوڑ کراچی کے گھر اپنی فیملی کے ساتھ آ گئی ہوں۔ یہاں بھی بھائی دکان پر بیٹھے ہیں۔ کام بالکل بھی نہیں ہے کہتے ہیں میرا دل نہیں کرتا دکان پر جانے کو ایسا لگتا ہے سب کچھ ہوا ہوگیا۔ برائے مہربانی میرے مسئلے کا حل بتایئے کوئی وظیفہ ہے تو کتنے دن کرنا ہے۔ کسی نے کچھ کروایا تو نہیں۔ اللہ آپ کو اجر دے۔
جواب:۔ فی الوقت آپ کا ستارہ گردش میں ہے۔ "سورۃ البقرۃ" روزانہ ایک بار پڑھ کر دعا بھی مانگیں اور پانی پر پھونک مار کر پئیں۔ اللہ آپ کو گردش سے نکالے۔

بنت اعظم.....شیخوپورہ

جواب:۔ فجر کی نماز کے بعد "یٰسین شریف اور سورۃ مزمل" 1-1 مرتبہ بعد میں ان کے کام کے لیے دعا بھی کریں۔ عشاء کی نماز کے بعد۔ "ووصینا الانسان بوالدیہ احسنا" (سورۃ احقاف) 11-11 مرتبہ درود شریف 313 مرتبہ آیت مبارکہ پڑھتے وقت تصور کریں کہ ماں باپ کے فرمانبردار ہو رہے ہیں۔

ن۔ع.....ملتان

جواب:۔ "لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین" (رات کے وقت) 101 مرتبہ روزانہ 11-11 مرتبہ درود شریف دعا بھی کریں۔ (عشق اور محبت اللہ اور اس کے رسول سے)

انعم شہزادی.....لاہور

جواب:۔ "سورۃ الحجرات" کی روزانہ تلاوت کریں۔ 3 ماہ

صائمہ اعظم.....لاہور

جواب:۔ "سورۃ الروم" شروع کے تین رکوع۔ روزانہ تین ماہ تک۔ (رات کے وقت) اول وآخر 3-3 مرتبہ درود شریف۔ ایک مرتبہ وظیفہ۔ دعا بھی کریں۔

ش.....حیات آباد

جواب:۔ "یارزاق یافتاح" دونوں اسموں کا ورد رکھیں ہر وقت۔ (خاوند)۔
"ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیہا معایش قلیلا ما تشکرون" (سورۃ اعراف۔ آیت نمبر 10) 313 مرتبہ روزانہ رات کو بعد نماز عشاء 11-11 مرتبہ اول وآخر درود شریف۔ دعا بھی کریں۔
آپ نے شوہر کا نام نہیں لکھا۔

**کوپن اکتوبر ۲۰۱۱ء**

نام ............ والدہ کا نام ............ گھر کا مکمل پتا ............
............
گھر کے کون سے حصے میں رہائش پذیر ہیں ............



# آپ کی شخصیت؟

اے ایس صدیقی

آج آپ کے لیے ایک دلچسپ سوال نامہ ہے۔ اس کو حل کرنے کے بعد آپ کو پتا چلے گا کہ ہم نے آپ کو کیا کچھ بتایا ہے اور ان معلومات سے آپ کے علم میں جو اضافہ ہوگا اس سے آپ کی شخصیت میں تاثر پیدا ہوگا۔
ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ہمارے دیے کسی سوال کا جواب آپ کو نہیں آتا۔ تو آپ انہیں پڑھیں اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق جوابات دے دیں۔ سارے جوابات نشان زد کرنے کے بعد دیکھیں کہ ہم نے آپ کو کیا بتایا ہے۔
اس سے آپ کا وقت بھی گزرے گا اور متعدد کام کی باتیں بھی معلوم ہوجائیں گے۔

**سوالات:۔**

۱:۔ جب روم جل رہا تھا تو نیرو کیا کر رہا تھا؟
۱۔ بانسری بجا رہا تھا؟
۲:۔ کچھ نہیں کر رہا تھا محل کی ایک آرام گاہ میں آرام کر رہا تھا؟
۳:۔ وہ آگ سے متاثر ہونے والوں کے لیے فنڈ کے احکامات دے رہا تھا؟
۲:۔ لیمنگ چوہوں کے مشابہ جانور ہیں اور ناروے میں ملتے ہیں ان کے بارے میں کچھ باتیں مشہور ہیں۔ ان میں سے کون سی روایت درست ہے؟
۱۔ ہر سال یہ سمندر کی سمت جاتے ہیں اور اجتماعی خودکشی کرتے ہیں؟
۲۔ کسی کسی سال یہ ایک قطار میں نکل کر نقل مکانی کرتے ہیں سمندر کی طرف جاتے ہیں اسے پار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تیرتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں؟
۳۔ یہ شہروں میں رہتے ہیں اور کہیں نہیں جاتے؟
۳:۔ کہا جاتا ہے کہ امریکی صدر واشنگٹن نے چیری کا ایک درخت کاٹ ڈالا تھا اور باپ کے استفسار پر جواب دیا تھا۔ "میں جھوٹ نہیں بولتا یہ حرکت میں نے کی ہے۔" آپ کا کیا خیال ہے؟
۱۔ ٹھیک ہے؟
۲۔ غالباً ٹھیک ہے؟
۳۔ یقین نہیں کیا جاسکتا؟
۴:۔ مشہور جہاز ٹائی ٹینک کی تباہی کے وقت جہاز کے آرکسٹرا پر کون سی دھن بج رہی تھی؟
۱۔ میرے خدا قریب سے قریب تر کردے؟
۲۔ موسم خزاں کا ایک گیت تھا؟
۳۔ رقص کی موسیقی تھی؟
۵:۔ حضرت نوحؑ نے اپنی کشتی میں کتنے جانور رکھے تھے؟
۱۔ تمام جانوروں کے جوڑے؟
۲۔ چند کے سات جوڑے اور چند کا صرف ایک؟
۳۔ تھوڑے سے جانور تھے۔ کشتی ان کی بڑی نہ تھی کہ سارے رکھے جاسکتے؟
۶:۔ ان میں سے کون سی بات درست ہے۔
۱۔ ابراہم لنکن لکڑی کے کیبن میں پیدا ہوا تھا؟
۲۔ امریکا کے تین صدر لکڑی کے کیبن میں پیدا ہوئے؟
۳۔ امریکا کے آدھے درجن صدر لکڑی کے کیبن میں پیدا ہوئے تھے؟

۷:۔ انارکلی، شیرافگن اور ولیم ٹیل تین تاریخی کردار ہیں ان میں سے کون سا حقیقی تھا۔
ا۔ تینوں حقیقی تھے؟
۲۔ شیرافگن؟
۳۔ کوئی بھی حقیقی نہ تھا؟
تو یہ تھے سوالات۔
اب ذرا جوابات دیکھیں اور انہیں اپنے جوابوں سے ملائیں۔

**جوابات:**

ا کا (ا) درست ہے۔
۲ کا (۲) درست ہے۔ جب جانوروں کی ڈار جاتی ہے وہ قطار میں نقل مکانی کرتے ہیں۔ انہیں خوراک کی تلاش ہوتی ہے۔
۳ کا (۲) بڑی حد تک درست ہے۔ کیونکہ واشنگٹن کا باپ درختوں کے کاروبار میں تھا۔
۴ کا (۲) درست ہے۔ بیچنے والوں کا بیان کچھ یہی تھا۔
۵ کا (۲) ٹھیک ہے۔ بک آف ریکارڈ کے مطابق کشتی میں عمدہ پرندوں کے سات سات جوڑے اور معمولی جانوروں کے ایک ایک جوڑے رکھے گئے تھے۔
۶ کا (۳) درست ہے۔ ریکارڈ کے مطابق امریکا کے سات صدر لکڑی کے کیبن میں پیدا ہوئے۔
۷ کا (۲) درست ہے۔ بقیہ دونوں کردار یعنی انار کلی اور ولیم فرضی ہیں۔

**نتائج:**

شاید آپ نے سمجھا ہوگا کہ یہ کوئی معلوماتی آزمائش ہے۔ جی نہیں یہ دراصل ایک نہایت دلچسپ سی نفسیاتی آزمائش ہے۔ ماہرین نفسیات نے اسے ترتیب دیا ہے۔ صرف اس لیے کہ آپ کو آپ کی شخصیت کے لیے چند اہم رویوں سے آگاہ کیا جائے۔ ذرا دیکھیں آپ کو انہوں نے پکڑا کیسے ہے۔

اگر آپ نے پانچ سوالات میں سے پانچ جوابات درست دیے ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ اچھی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔

چھے یا ساتوں جوابات صحیح ہوں تو پھر ہم آپ کو عقل مندوں میں شمار کریں گے۔

تاہم آپ کے جوابات ٹھیک ہوں یا نہ ہوں ہم نیچے اپنے اندازے کے مطابق آپ کی شخصیت کے چند پہلو پیش کررہے ہیں۔ جو آپ کو ممکن ہے حیرت انگیز لگیں۔

آپ نے اگر پانچ سوالوں کے جوابات (ا) میں سے دیے ہیں تو آپ کو ایک رومانٹک شخصیت کہا جاسکتا ہے۔

اگر آپ نے سات کے جوابات (ا) میں دیے ہیں تو آپ بہت ہی رومانٹک شخصیت ہیں۔ عمدہ کہانی پر ایمان لانے والی شخصیت۔

پانچ جوابات (۲) سے ہوں تو آپ کے اندر معاملے کو تولنے ناپنے کی صلاحیت ہوگی۔

اگر چھ سے اوپر جوابات (۲) سے دیے گئے ہوں تو آپ کی شخصیت میں احتیاط اور کمزوری کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اگر آپ نے حصہ (۳) سے پانچ جوابات دیے ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ خاصی شکی شخصیت ہیں اور مشکل سے یقین آتا ہے آپ کو۔



# آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

رابعہ کنول خوشاب سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے مگر 12,13 سال کی لگتی ہوں نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے۔ قد بھی چھوٹا ہے۔

محترمہ آپ SABALSERULTA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور CALCIUM PHOS X 6 کی چار چار گولی تین وقت لیں۔ BARIUMCARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیں۔ 550 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں۔ اپنا پتا مکمل لکھیں اور منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام BREAST BEAUTY ضرور لکھ دیں یہ دوا آپ کو گھر پہنچ جائے گی۔

محمد عامر میرپور خاص سے لکھتے ہیں کہ شادی کو 7 سال ہوگئے اولاد سے محروم ہوں۔ میڈیکل رپورٹس ارسال کر رہا ہوں کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترم آپ DAMIANA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور HEPARSULF 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

اقراء جڑانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرے پاؤں اور ہاتھوں پر موکے نکلتے ہیں پیروں کے تلے اور انگلیاں بہت پھٹی ہوئی ہیں۔ چلنے پھرنے میں تکلیف دیتے ہیں۔

محترمہ آپ NATRUMCARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور THUJA 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن لیں یہ ادویات کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے مل جائیں گی۔

ایمان بوریوالہ سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں کوئی دوا تجویز فرمائیں اور یہ بھی بتائیں کہ یہ دوا کہاں سے ملے گی۔

محترمہ آپ 700 روپے کا منی آرڈر ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں اپنا مکمل پتا لکھیں آپ کو APHRODITE گھر پہنچ جائے گی۔ اس کے استعمال سے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

کائنات شاہ خیرپور سے لکھتی ہیں کہ میں موٹی ہوتی جارہی ہوں۔ دوسرے میرے دانت بہت کمزور ہیں منہ سے بدبو آتی ہے۔

محترمہ آپ PHYTOLACC-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور MERCSOL 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن لیں۔

شمائلہ جھنگ صدر سے لکھتی ہیں کہ مجھے قبض گیس کی شکایت ہے اور ہمارے خاندان میں سب کے چہرے پر دانے بہت نکلتے ہیں۔

محترمہ آپ NUXVOM 30 کے پانچ قطرے رات سوتے وقت لیں اور چہرے کے دانوں کے لیے GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ لیں۔

عمر فاروق پنڈوری سے لکھتے ہیں کہ میری عمر 16 سال ہے قد چھوٹا ہے اور سر کے بال سفید ہونے لگے ہیں۔

محترم آپ CALCUIM PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن لیں۔ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں۔ آپ کو HAIR GROWER ارسال کردیا جائے گا۔ بال لمبے گھنے خوب صورت ہوں گے اور سفید ہونے سے رک جائیں گے۔

سید محمد عبداللہ کراچی سے لکھتے ہیں کہ حق زوجیت کی ادائیگی کے وقت خوشی کے لمحات مختصر ہیں۔ اس کے لیے کوئی دوا بتائیں اور بھائی کے سوتے میں کپڑے خراب ہوجاتے ہیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور بھائی کو SALIXNIGRA 30 کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ دیں۔

ریحانہ شہداد پور سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور MERCSOL 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن پیا کریں۔

اشفاق گوندل منڈی بہاؤالدین سے لکھتے ہیں کہ پہلے بھی خط لکھا تھا جواب نہیں ملا دوبارہ آخری امید سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ اپنے علاج پر ہزاروں روپے برباد کرچکا ہوں مگر نا کام ہوں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ مکمل صحت تک دوا جاری رکھیں۔

عائشہ صبا چنیوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلے شائع کیے بغیر نسخہ بتائیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ماجد جمیل کراچی سے لکھتے ہیں کہ آپ مجھے دوا HAIR GROWER بذریعہ وی پی بھیج دیں۔

محترم دوائیں وی پی نہیں کی جاتیں آپ 600 روپے منی آرڈر کردیں آپ کو دوا گھر پہنچ جائے گی۔

ش عمران ایبٹ آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ SABALSERULTTA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ 550 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ منی آرڈر فارم پر مکمل پتا ضرور لکھیں اور آخری کوپن پر دوا کا نام B.BEAUTY ضرور لکھیں۔

شبانہ حضرو سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بچپن سے تل ہیں۔ جو اب بڑھتے جارہے ہیں اور رنگ بھی سانولا ہے۔

محترمہ آپ THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور اسی کو تلوں پر لگایا کریں ان شاءاللہ تل ختم ہوجائیں گے۔ THUJA-IM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 15 دن بعد



ایک بار پیا کریں۔ اس کو 6 ماہ مکمل کرلیں۔

ش۔ ب اسلام آباد سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کا ماہانہ نظام کا مسئلہ ہے اور میرا آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا مسئلہ ہے دونوں کے لیے دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ بہن کو NATRUMMUR 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور خود CHINA-3X کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ لیں۔

بانو اکرام چکوال سے لکھتی ہیں کہ امی کو گزشتہ 13,14 سال سے بالوں کی بیماری ہے۔ بال گر گئے ہیں سر چھوٹا ہوگیا ہے اور بھنوؤں کے بال اور پلکیں بھی گرگئی ہیں۔ دوسرا مسئلہ میرے شوہر کا ہے شوگر بلڈ پریشر کی بیماری ہے۔

محترمہ امی کو SELENIUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں اور میرے کلینک سے HAIR GROWER منگائیں اس کے لیے 600 روپے منی آرڈر کردیں آپ کو دوا گھر پہنچ جائے گی۔ شوہر کا علاج مقامی ہومیو پیتھک ڈاکٹر سے کرائیں۔

صائمہ احمد وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ PULSATILLA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور JODIUM-IM ہر آٹھویں دن ایک مرتبہ لیں۔ آپ کے دونوں مسئلے حل ہوجائیں گے۔

شانزے بٹ لکھتی ہیں کہ میری بیماری کا علاج بتائیں اور میرے سوالات کا تفصیل سے جواب دیں۔

محترمہ آپ ALUMINA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور PULSATILLA 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن لیں مکمل صحت یابی تک دوا کا استعمال جاری رکھیں کسی کے کپڑے پہننے سے یہ مرض نہیں ہوتا تفصیل لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

سعدیہ شاہ چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں کہ میری دائیں آنکھ میں بھینگا پن ہے اور امی کی بائیں آنکھ میں سفید موتیا ہے۔

محترمہ آپ دونوں مسئلوں کے حل کے لیے کسی ماہر چشم سے رجوع کریں۔

کامران خان ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں کہ شادی کو 2 سال ہوگئے ہیں۔ اولاد سے محروم ہوں رپورٹ حاضر ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترم آپ DAMIANA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ان شاءاللہ امید بر آئے گی۔

سلیمہ جبیں لکھتی ہیں کہ میرے گلے کے اندر زخم ہے اور اندرونی حصے میں بھی زخم ہے۔ ماہانہ نظام خراب ہے۔

محترمہ آپ کسی مقامی لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کریں بغیر معائنہ کے آپ کا علاج ممکن نہیں ہے۔

نصرت ٹیکسلا سے لکھتی ہیں کہ میں بہت کمزور ہوں کوئی دوا بتائیں کہ میں موٹی صحت مند ہوجاؤں۔

محترمہ آپ ALFALFA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت

روزانہ پی لیں۔

نیلم مسلم پشاور سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں اور دانے بھی نکلتے ہیں جو نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

محترمہ آپ GRAPITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور بالوں کے خاتمہ کے لیے APHRODITE استعمال کریں اس سے ہمیشہ کے لیے بال ختم ہوجائیں گے۔

ثوبیہ حیدر چکوال سے لکھتی ہیں کہ میری دائیں آنکھ میں بھینگا پن ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کی دوا سے اللہ شفا دے گا۔

محترمہ آپ ALUMINA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

وقار علی جہلم سے لکھتے ہیں کہ میرے مسئلے ہیں ان کا کوئی حل بتائیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ارم ناز حیدر آباد سے لکھتی ہیں کہ میں PHYTOLACCA استعمال کر رہی ہوں وزن کم ہوا تھا مگر پھر بڑھ رہا ہے۔ میری بہن کی عمر 31 سال ہے وہ بریسٹ بیوٹی استعمال کرنا چاہتی ہیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے ساتھ FUCUSVES-Q بھی لیں یہ دونوں کے 10-10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پیا کریں۔ بہن کو بریسٹ کا مسئلہ ہے آپ نے یہ نہیں بتایا۔ اگر نسوانی حسن کی کمی ہے تو اس عمر میں فائدہ نہیں ہوگا اور اگر پہلے صحیح تھے بعد میں کمی یا ڈھیلا پن ہوگیا ہے تو فائدہ حاصل ہوگا خوب صورتی بحال ہوجائے گی۔

عامر نثار لیہ سے لکھتے ہیں کہ اعصابی اور جنسی کمزوری ہے اس کا علاج بتائیں۔

محترم آپ KALIPHOS 6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں اور SELENIUM-200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں۔

آتش ربانی وہاڑی سے لکھتے ہیں کہ میرے تین مسئلے ہیں ان کا حل بتائیں۔

محترم آپ ACIDPHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور THUJA-200 آٹھویں دن ایک بار پانچ قطرے پی لیا کریں۔

ماریہ جہلم سے لکھتی ہیں کہ میرے مسئلوں کا حل بتائیں۔

محترمہ آپ CIMICIFUGA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں جو ذم کا استعمال 6 ماہ کافی ہے۔ HAIR GROWER کا استعمال جاری رکھیں۔

بابرہ وسیم گجرات سے لکھتے ہیں کہ میرا گلا خراب رہتا ہے آئے دن بیمار رہتا ہے۔

محترم آپ BARIUM CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

ماہ نور ضلع چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے مسئلے شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ CALCIUM CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن لیں میرے کلینک سے ہیئر گروور اور بریسٹ بیوٹی منگالیں اس کا استعمال جاری رکھیں۔

شانزہ انجم گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے مسئلے شائع نہ کریں مگر جواب ضرور دیں۔

محترمہ آپ قد بڑھانے کے لیے ہماری تجویز کردہ دوا استعمال کرسکتی ہیں ختم کرنے کے لیے THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پیا کریں اور یہی دوا مسوں پر لگایا کریں۔ آنکھوں کے لیے CINERARIA EYE DROPS آنکھوں میں ڈالا کریں۔

سعدیہ راجن پور سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 17 سال ہے قد چھوٹا ہے پیٹ بھی بڑھ گیا ہے۔

محترمہ آپ CALCIUM PHOS 6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن پی لیا کریں۔

اسما ٹنڈو جان محمد سے لکھ رہی ہیں کہ میری آنٹی کے جوڑوں میں بہت درد رہتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال بہت تیزی سے گر رہے ہیں۔ میرے بالوں کے لیے بھی دوا بتائیں۔

محترمہ آنٹی کو COLCHICUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں اور آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر بھیج دیں۔ آپ کو HAIR GROWER گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے بال گرنا بند ہوں گے۔ گرے ہوئے بالوں کی جگہ نئے بال پیدا ہوں گے اور بال لمبے گھنے خوب صورت چمکیں گے۔

مسز بانو راولپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرا پیٹ اور کولہے بہت بڑھ گئے ہیں۔ خاص طور پر پیٹ بہت پھیل گیا ہے۔

محترمہ آپ CALCIUM FLUOR 6X کی چار گولیاں تین وقت روزانہ کھائیں اور CALCIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن لیں۔

ارم بھمبر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ BARIUM CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور دوسری دوا ONOESMODIUM-IM کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں۔

معائنہ اور باقاعدہ علاج کے لیے تشریف لائیں۔ صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے۔ فون: 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 KDA فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی۔

خط لکھنے کا پتا۔ "آپ کی صحت" ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔

# ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

## کھوئے کی زعفرانی سویاں

اجزاء:۔

سویاں — 11/2 پیکٹ
دودھ — 11/2 کپ
چینی — 1/2 پاؤ
کھویا — 1/2 پاؤ
زعفران — چٹکی بھر (پسی ہوئی)
گھی — حسب ضرورت
پستے، بادام، کیوڑہ — حسب ضرورت
الائچی پاؤڈر — 1/2 چمچ
زردے کا رنگ — 1 چٹکی

ترکیب:۔

گھی گرم کریں، سویوں کو توڑ لیں اور دھیمی آنچ پر گولڈن براؤن ہونے تک یا پانچ چھ منٹ تک بھون لیں۔ گھی میں ابلا ہوا دودھ ڈالیں۔ ساتھ ہی زردے کا رنگ ڈال کر سویوں کو پکائیں یہاں تک کہ دودھ خشک ہوجائے۔ ان سویوں کو علیحدہ رکھ دیں۔ بادام کا چھلکا اتار کر گرائنڈ کرلیں۔ ایک علیحدہ برتن میں ایک کپ پانی ڈالیں اور اس میں شکر ڈال کر اچھی طرح پکائیں۔ جب شیرہ گاڑھا ہوجائے تو اس میں کھویا، گرائنڈ کیے ہوئے بادام، الائچی پاؤڈر اور زعفران ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں پھر اس میں سویوں کو شامل کرلیں۔ چند قطرے کیوڑے کے ڈال کر مکس کرلیں۔ کٹے ہوئے بادام اور پستے سے گارنش کرکے پیش کریں۔

سمیرا اشتاق ملک..... اسلام آباد

## قیمہ سندھی ڈش

اجزاء:۔

قیمہ — 1/2 کلو
پیاز (باریک کاٹ لیں) — 3 عدد
ہری پیاز (باریک کاٹ لیں) — 1 پاؤ
ہرا دھنیا (باریک کاٹ لیں) — 1/2 کپ
ہری مرچ (باریک کاٹ لیں) — 6 عدد
ٹماٹر (چوکور کاٹ لیں) — 3 عدد
نمک — حسب ضرورت
ہلدی — 1/4 چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر — 1/4 چائے کا چمچ
گھی یا تیل — 1/2 کپ

ترکیب:۔

ایک کڑاہی میں قیمہ سمیت پیاز، ہری پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچ، ٹماٹر، ہلدی، لال مرچ پاؤڈر اور نمک اچھی طرح ملالیں اور چولہے پر پکنے کے لیے رکھ دیں اور جب قیمہ آدھا پک جائے تو گھی ڈال دیں اور اچھی طرح بھون کر دم پر رکھ دیں۔ جب دیکھیں کہ گھی اوپر تک آجائے تو اتار لیں۔ لیجیے لذیذ قیمہ سندھی ڈش تیار ہے۔

سمیرا زکریا..... فیصل آباد

## فش اور فنگرز

اجزاء:۔

مچھلی (بغیر کانٹے کی) — 300 گرام
ادرک کا پیسٹ — 1 کھانے کا چمچ
لہسن کا پیسٹ — 1 کھانے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ
لیمن جوس — 2 کھانے کے چمچ
سرخ مرچ (پسی ہوئی) — 2 [illegible]
موٹے چاول ([illegible] ہوئے) — 1/2 کپ
تیل — حسب ضرورت (ڈیپ فرائی کے لیے)

ترکیب:۔

مچھلی کو صاف کریں۔ فنگرز کی شکل میں کاٹیں۔ فش فنگرز کو ادرک لہسن پیسٹ، نمک اور لیمن جوس کے آمیزے میں آدھے گھنٹے تک ڈبوئیں۔ سرخ مرچ، نمک، موٹے چاول ملائیں۔ آمیزے سے فش فنگرز نکالیں اور انہیں سرخ مرچ اور چاول کے آمیزے میں بار بار لپیٹیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور ڈیپ فرائی کریں یہاں تک کہ پک جائے۔ ٹشو پیپر پر رکھیں تاکہ فالتو تیل جذب ہوجائے۔ لہسن کی چٹنی کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

فرخندہ فیض..... گنگ چمن

## بادامی کھیر

اجزاء:۔

دودھ — 1 لیٹر
بادام — 1 پیالی
چاول — 1/2 پیالی
چینی — 1 پیالی
کھویا — 1 پیالی
چھوٹی الائچی — 5 عدد
گھی — 1 چمچ کھانے کا
کیوڑہ — چند قطرے
بادام، پستے، چاندی کے ورق — سجانے کے لیے

ترکیب:۔

بادام کو دھو کر خشک کرلیں۔ الائچی کے دانے نکال لیں۔ ان دونوں چیزوں کو موٹا موٹا کاٹ لیں اور دودھ میں ڈال کر ہلکی آنچ پر بیس منٹ پکنے دیں۔ چاولوں کو دھو کر ایک گھنٹہ بھگو دیں پھر پھیلا کر خشک کرلیں اور گرائینڈر میں باریک پیس لیں اور اس میں گھی ملائیں۔ پکتے ہوئے دودھ میں ڈال دیں اور چمچ ہلاتے رہیں۔ جب چاولوں کی خوشبو آنے لگے تو چینی شامل کردیں۔ پندرہ منٹ تک مزید پکائیں۔ جب کھیر گاڑھی ہوجائے تو ٹھنڈا کریں، کھویا شامل کرکے بادام اور پستے سے سجالیں۔ بادامی کھیر تیار ہے۔

نجم انجم..... کورنگی، کراچی

## بینگن کا رائتہ

اجزاء:۔

دہی — 1-1/2 پیالی
بینگن چھوٹا — 1 عدد

| | |
|---|---|
| ہرے دھنیے کے پتے | 2 چائے کے چمچ |
| ہری مرچ | 1 عدد |
| ثابت زیرہ | 1/2 چائے کا چمچ |
| نمک اور کالی مرچ پاؤڈر | حسب ذائقہ |

ترکیب:۔

سب سے پہلے بینگن کو نرم ہونے تک ابالیں یا بیک کریں۔ اس کو ٹھنڈا کر کے چھیل لیں اور میش کرلیں۔ اسے دہی میں ملادیں ساتھ ہی ہرے دھنیے کے پتے' ہری مرچ' نمک اور کالی مرچ ملادیں آہستہ آہستہ چمچ ہلائیں۔ ثابت زیرے کا بگھار لگا کر ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

رانی اسلام......گوجرانوالہ

## ایرانی کوفتہ

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| قیمہ | 1 کلو دھو کر خشک کرلیں |
| نمک | حسب ذائقہ |
| سیاہ مرچ پاؤڈر | 1/2 چائے کا چمچ |
| سفید مرچ پاؤڈر | 1/2 چائے کا چمچ |
| لہسن پیسٹ | 1 چائے کا چمچ |
| انڈا | 1 عدد (سفیدی الگ کرلیں) |
| بادام (چوپ کرلیں) | 2 کھانے کے چمچ |
| پستہ (چوپ کرلیں) | 2 کھانے کے چمچ |
| کشمش (چوپ کرلیں) | 2 کھانے کے چمچ |
| کاٹیج چیز (چوپ کرلیں) | 2 کھانے کے چمچ |
| چیڈر چیز (چوپ کرلیں) | 2 کھانے کے چمچ |
| ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا) | 2 کھانے کے چمچ |
| تیل | 1/4 پیالی |
| پیاز | 2 عدد (براؤن کرلیں) |
| لہسن (چوپ کیا ہوا) | 1 چائے کا چمچ |
| دہی | 1 پیالی |
| نمک | حسب ذائقہ |
| ہری مرچ (چوپ کی ہوئی) | 1 چائے کا چمچ |

ترکیب:۔

قیمے میں نمک' سیاہ مرچ پاؤڈر' سفید مرچ پاؤڈر' لہسن پیسٹ' انڈا' بادام' پستہ' کشمش' کاٹیج چیز' چیڈر چیز اور ہری مرچ شامل کر کے نم ہاتھوں سے کوفتے بنا کر ایک پلیٹ میں رکھ لیں۔ دیگچی میں تیل گرم کریں۔ اس میں چوپ کیا ہوا لہسن ڈال کر مسالا بھوننے تک چمچ چلائیں۔ آدھی پیالی پانی ڈالیں اور تیار کیے ہوئے کوفتے ڈال کر ڈھکن ڈھانپ کر ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں۔ تیل اوپر آنے پر کوفتے تیار ہوں گے۔ سروِنگ ڈش میں نکالیں بادام' لیموں اور شملہ مرچ سے گارنش کر کے پیش کریں۔

نادیہ عباس دیا......موسیٰ خیل

# بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

مرحلہ نمبر۲:۔ اب ناخنوں کو شیپ دینے کی کوشش کریں۔ ایمری بورڈ استعمال کریں۔ نیل پالش لگانے کا طریقہ بھی میں کلر لگانے کی طرح ہے۔ آخر میں

ناخنوں کے رنگ کو محفوظ رکھنے کے لیے سیلر کی پالش لگائیں۔ سیلر بھی اسی طرح لگے گا جس طرح آپ نے نیل پالش یا بیس کلر لگایا ہے۔

مرحلہ نمبر۳:۔ گرم پانی میں انگلیاں ڈبو دیں اور اس طرح ڈبو دیں کہ ناخن پورے بھیگ جائیں پانچ منٹ تک اسی طرح پانی میں انگلیاں بھگوئے رکھیں۔

مرحلہ نمبر۴:۔ ایک چھوٹی ڈنڈی میں روئی کا پھاہا لگا کر کیوٹیکل کو اندر کی طرف آہستہ آہستہ دھکیلیں تاکہ وہ اپنی پرانی شیپ پر واپس آجائیں اگر چاہیں تو ناخنوں کے اردگرد کے چھوٹنر کو ذرا ذرا سے کاٹ سکتی ہیں۔

مرحلہ نمبر۵:۔ اب ناخنوں کو بف کرنے کا مرحلہ ہے اس کو بفر سے ہلکا ہلکا رگڑیں تاکہ ان میں چمک پیدا ہو جائے بفر سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ناخن ہموار ہو جاتے ہیں اور ان میں بعض وقت جو نشیب و فراز کسی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے خیال رہے کہ بفر کا استعمال محتاط طریقے سے کرنا چاہیے اور ان کو صرف ایک ہی ڈائریکشن سے شروع کرنے کی کوشش کریں۔

مرحلہ نمبر۶:۔ BASE COLOUR یا بیس کلر یا پالش ناخنوں پر لگائیں سب سے پہلے بیچ میں لگائیں اور اسی طرح شروع کریں کہ برش نیچے کی طرف سے اوپر کی طرف جائے پھر اسی طرح ناخنوں کے دونوں حصوں پر برش پھیریں۔

اب نیل پالش کا جو بھی شیڈ آپ کو پسند ہو۔

فٹ نوٹ:۔

اپنے پیروں کو روز دھو کر خشک کرلیا کریں۔ خاص کر انگلیوں کے بیچ کی جگہ خشک رکھا کریں۔ ایڑھی کی صفائی کا خیال رکھیں۔

جوتے پیروں کی حفاظت کے لیے بھی اہم ہیں جوتے کی خریداری کے وقت ان کی خوب صورتی سے زیادہ آرام دہ ہونا زیادہ اہم ہے۔

سارے دن جوتوں میں بند پیر بھی حفاظت صحت کے منافی ہے۔ دن میں وقفہ وقفہ کے بعد پیروں کو جوتوں سے باہر نکال لینا ضروری ہے۔ کھلے پیروں میں دوران خون تیز ہوتا ہے۔

بیٹھتے وقت پوسچر بہت اہم ہے کرسی پر بالکل سیدھے بیٹھا کریں۔ پیروں کو بیٹھتے وقت اکثر و بیشتر بالکل سیدھے پھیلانا ایک طرح کی ورزش ہے۔ اسی طرح پیروں کے انگوٹھوں کو بھی ہلا کر ورزش کرلیا کریں۔ پیر اور ہاتھ کے ناخنوں کی صفائی کے لیے زیادہ مناسب ہے چھٹی کے دن جب آپ گپ شپ کے موڈ میں ہوں تو یہ کام زیادہ بہتر طریقے سے انجام پاسکتا ہے۔

ناخنوں کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل نکات اہم ہیں۔

۱۔ روز رات کے وقت آپ نیل کنڈیشنگ کریم کا استعمال کرتی ہیں تو زیادہ مناسب ہے۔

۲۔ بالوں میں شیمپو کرتے وقت ان میں مساج کرنے کے لیے انگلی کے پوروں کا استعمال نہ لائیں۔ انگلی کے پوروں سے مساج کرنے سے آپ کی نیل پالش کا رنگ خراب ہوجائے گا اور ناخنوں کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ بہتر ہے کہ آپ انگلی کے گھٹوں سے بالوں کا مساج کریں۔

۳۔ نیل پالش لگاتے وقت موسم اور اپنے میک اپ کے شیڈ کا بھی خیال رکھیں۔

۴۔ نیل پالش کی کھلی شیشی یا استعمال شدہ نیل پالش کبھی نہ خریدیں۔

۵۔ دانت سے ناخن کاٹنے کی عادت ایک گندی عادت ہے۔ اس سے ناخن بدنما ہوجاتے ہیں۔ ہاتھ کے ناخنوں کے بعد پیر کے ناخنوں کی حفاظت کا مسئلہ آتا ہے۔ اس کے بھی مختلف مراحل ہیں۔

۱۔ پیروں کو صابن سے دھولیجیے۔ پرانی نیل پالش ناخنوں سے صاف کرلیجیے۔

۲۔ ناخنوں کو متناسب رکھنے کے لیے ایمری بورڈ کا استعمال کریں۔

۳۔ ناخنوں کو مربع شکل میں کاٹ لیجیے۔ کناروں کو زیادہ گہرا کاٹ لینے سے انگلیوں میں تکلیف ہوجاتی ہے اور ناخن دوبارہ گوشت کے اندر بڑھ جاتے ہیں۔ ناخن اگر گوشت کے اندر دھنسنے لگیں تو بھی تکلیف دہ ہے۔

۴۔ ایک پتلی ڈنڈی (Q-Tips) میں روئی لگا کر کیوٹیکل کو اندر کی طرف دھکیلیں۔

۶۔ اب پیروں کی انگلیوں کے درمیان روئی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھ کر نیل پالش لگائیں نیل پالش لگانے سے پہلے بیس کلر کا استعمال ضروری ہے اور ہاتھوں کی طرح پیر کے ناخنوں پر بھی بیس کلر کے بعد نیل پالش پھر آخر میں ٹاپ کوٹ یا Sealer لگتا ہے اور اس کے لگانے کا طریقہ بھی وہی ہے جو ہاتھوں کے ناخنوں پر لگانے کا ہے۔

نیل پالش خشک ہوجانے کے بعد چپل یا جوتا پیر میں ڈال سکتی ہیں۔ ایمری بورڈ کو ایک خاص اینگل سے پکڑیں اور ناخنوں کو بیچ کے حصہ سے رگڑنا شروع کردیں۔ بیچ سے کنارے کی طرف لے جائیں۔ ناخنوں کو آگے پیچھے کی طرف لے جائیں۔ ناخنوں کو آگے پیچھے کی طرف گھسنے کی کوشش بھی نہ کریں اس سے ناخن کمزور ہوجاتے ہیں اور نہ ہی نوکیلا بنانے کی کوشش کریں خوب صورت بیضوی شکل کے ڈھلے ہوئے ناخن خوب صورت دکھائی دیتے ہیں۔ خیال رکھیں کہ نیل پالش کا رنگ آپ کے کپڑوں اور میک اپ کے رنگ سے ملتا جلتا ہو۔

یہی سچ ہے میری ماں.....!

(دعا کی التماس کے ساتھ)

یہی سچ ہے میری ماں گر تمہاری ذات نہ ہوتی
تو میرے دکھ بھرے کالے دنوں کی رات نہ ہوتی
بھٹکتی دربدر پھرتی میں دنیا کے اندھیروں میں
میرے اوصاف گم رہتے مقدر کے تھپیڑوں میں
زمانہ درد کے تیروں سے چھلنی کرچکا ہوتا
میرے ہاتھوں میں سے زخموں کو ہرگز مات نہ ہوتی
یہی سچ ہے میری ماں گر تمہاری ذات نہ ہوتی

ستم سہہ کر بھی دشمن کا بُرا تم نے نہیں چاہا
کہا سرتاج نے جو بھی اسی پہ سر کو جھکایا
بہائے آنکھ سے آنسو نہ پلکوں کو ہی نم رکھا
سدا دل کے دریچوں میں چھپا کے تم نے غم رکھا
حصارِ درد میں رہ کر بھی ہونٹوں پہ ہنسی رکھی
وقف بس دوسروں کے واسطے ہی زندگی رکھی
یہی سچ ہے میری ماں گر تمہاری ذات نہ ہوتی

بھلا کرکے بھی اوروں سے ملی تم کو بُرائی ہے
مگر پھر بھی شکایت کب تمہارے ہونٹوں پہ آئی ہے
میری ماں بے مثل اک زندگی تم نے نبھائی ہے
نہ ہوتی تُو تو میری روح میرے ساتھ نہ ہوتی
یہی سچ ہے میری ماں گر تمہاری ذات نہ ہوتی

نازیہ کنول نازی..... ہارون آباد

دعا

اے میرے مولا!
ہے تجھ سے یہ دعا
لوٹا دے ہمیں عید کی وہ خوشیاں
جو ہم سے روٹھ گئیں
ہم بھول گئے اپنے تہواروں کو منانے کا انداز
ہم انجان ہوئے کہ
اصل خوشیوں کا راز کیا ہے
اب تنہا خوشیاں مناتے ہیں
اس لیے خوش ہو نہیں پاتے ہیں
کس چیز کا نام ہے قناعت؟
کیا ہوتی ہے اطاعت؟
چرچا تھا کبھی سخاوت کا
اب انسان بول بولتا ہے بناوٹ کا
مہنگائی کے بوجھ تلے غربت دبی ہوئی ہے
اداس دل ہیں بجھی کے
اے میرے مولا!
تُو ایسا معجزہ کر دکھا
روٹھی ہوئی خوشیاں لوٹا دے
میری سرزمین پر محبت کا وہ اہتمام کر دے
بھٹکی خوشیوں کو ہمارے نام کر دے
فصلِ نوبہار کا تاابد انتظام کر دے

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

غزل

کیوں مجھ سے گریزاں ہو مجھے صاف بتادو
گر جرم محبت ہے تو پھر اس کی سزا دو
اب درد کی شدت میں وہ تیزی نہیں باقی
لاؤ اب خنجر مجھے اک زخم نیا دو
رکھو نہ کوئی بات بھی تم دل میں چھپا کر
میں راہ کی دیوار ہوں تم مجھ کو گرا دو
اس دور کا معیارِ محبت بھی ہے دولت
ٹھکراؤ مگر کچھ میری قیمت ہی لگا دو
ترسو نہ کبھی پیار کو میری یہ دعا ہے
اے کاش! فقط تم بھی مجھے یہ ہی دعا دو۔

سلیم ساغر...... سرگودھا

عید

جانِ جاناں
کاش!
اس بار عید پر ہم پھر ملیں
اک رنگ کا لباس پہنیں
سفید رنگ میں تم مجھ کو
گلاب کی طرح
اسی رنگ میں ہم جچیں
ماہتاب کی طرح
میری ہتھیلی مہندی سے سجاؤ تم
میری چوڑیاں بھی لاؤ تم
تمہارے نام کا کنگن کھنکے
میرا دل دھڑکن میری روح تک مہکے
تمہارے پیار کی ایک نظر سے
میرے لبوں پہ کلیوں سی مسکان کھلے
مجھے چاند رات کو تمہاری دید ہو جائے
اور عید سے پہلے ہی
میری عید ہو جائے

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

اے دوست تو حسیں ہے
(ام مریم اور رابعہ شاہد کے نام)

گلشن کی بہاروں سے زیادہ
دلکش حسیں نظاروں سے زیادہ
روشن چمکتے ستاروں سے زیادہ
اے دوست تو حسیں ہے!
تُو میرے دل کی مکیں ہے
تُو مہ روشن ماہ لقا ماہ جبیں ہے
تُو شوخ ہے معصوم ہے نازنیں ہے
تُو میری دھڑکن میری سانسوں میں بسی ہے
تُو میرے دل کی خوشی ہے
تُو آسمان کی حور پرستان کی پری ہے
تُو میری نگاہوں کی روشنی ہے
اے دوست تُو میری زندگی ہے
اور کیا کہوں تجھ سے جاناں!
تیری بات، تیرا لہجہ مجھے ہر جا سنائی دیتا ہے
تیری آنکھیں تیرا چہرہ مجھے ہر شے میں دکھائی دیتا ہے
کبھی پھولوں کی کھلکھلاہٹ میں
کبھی کلیوں کی مسکراہٹ میں
کبھی ہونٹوں کی نرماہٹ میں
کبھی خوشیوں کی گدگداہٹ میں
کبھی جذبوں کی گرماہٹ میں
کبھی جھرنوں کی گنگناہٹ میں
کبھی پتوں کی سرسراہٹ میں
کبھی ستاروں کی جھلملاہٹ میں
کبھی دیے کی ٹمٹماہٹ میں
اور ہر گھڑی کی ہر آہٹ میں
صرف تمہارا
صرف تمہارا

چہرہ دکھائی دے جائے......!!

شمائلہ اکرم...... فیصل آباد

غزل

آنکھوں کے سب ستارے بھی آنچل میں گم ہوئے
دستِ ستم تمہارے بھی کاجل میں گم ہوئے
تیرہ شبی کو دیکھیے بھٹکے ہیں ایک عمر
صحرا کے ہم مسافر جنگل میں گم ہوئے
کل شب میں گھر کی چھت سے اسے دیکھنے لگا
نقش و نگار چاند کے بادل میں گم ہوئے
یہ علم و فن کا سوز بھی کچھ اس طرح ملا
ہم شہر شہر لفظوں کی دلدل میں گم ہوئے
کمرے سے وہ گزر گیا کچھ اس طرح کہ بس
آنکھوں کے سارے خواب بھی پائل میں گم ہوئے
راشد میں اس کی یاد میں یوں مضطرب رہا
دستِ کرم حیات کے جل تھل میں گم ہوئے

راشد ترین...... مظفر گڑھ

اب نیند کیونکر آئے......!

نہ نیند آئی نہ خواب آئے
ہم رات یونہی گزار آئے
نہ بات کی نہ جواب آئے
ہم سوال سارے سن آئے
عجب لگا ہیں تمہیں اجنبی سی
جیسے صحرا گھوم آئے
ہنسنے کا انداز تھا ایسا
جیسے کہیں کوئی پھول مسکائے
پل دو پل کے ساتھ میں دیکھو
ہم اپنا آپ ہی بھول آئے

اوشین بی بی...... سندھ

عید کا دن!

عید کا دن ہے پھر سے آنے کو
چوڑیاں بے چین کھنکنانے کو
اب اور نہ ستانا
چلے آنا
پائل بے چین گنگنانے کو
نین کا جل سے سجے در پر لگے
مہندی سجنے لگی ہے ہاتھوں پر
کان ٹھہرے ہوئے ہیں دستک پر
ملن کی گھڑی ہے مسکرانے کو
سنو!
اور نہ ستانا
چلے آنا

شاعرہ: سعدیہ عابد...... نارتھ کراچی

بشارت

سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں ہم
اس کی آمد کی کہانی کو
سنو! تم بھی ذرا دیکھو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے
سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک
ہم ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا!

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

غزل

وہ جن کے خون میں ہر دم بغاوت رقص کرتی ہے
انہی کے قلب میں اکثر محبت رقص کرتی ہے
منایا جاتا ہے محبوب کو پھر رقص کر کے
کہ ایسے حال میں الفت کی شدت رقص کرتی ہے
لگاؤ لاکھ پہرے مل کے تم جذبات پر لیکن
دباؤ جس قدر بھی تم یہ فطرت رقص کرتی ہے
ستم جب حد سے بڑھ جاتا ہے حاکم کا تو دیکھا ہے
کہ اس عالم میں مظلوموں کی جرأت رقص کرتی ہے
حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں دوسروں کو جو
پڑے جب وقت پھر ان کی ضرورت رقص کرتی ہے
ہو جب بھی آزمائش نیکوکاروں کی جہاں بھر میں
تو ایسے دور میں ان کی صداقت رقص کرتی ہے
خوشی کے موقع پر خاتم جو رب کو بھول جاتے ہیں
تو ایسے لوگوں کے ہر سمت ذلت رقص کرتی ہے

فریدہ خانم...... لاہور

تیرے انتظار کا موسم

جب شام ہے کسی اداس پیڑ پر
دھند گہری ہوتی ہے
اور اداسی چار سو
اپنے پنکھ پھیلاتی ہے
جب ایسے پل چھنوں میں
دل میں چپکے سے
ٹھہر جاتا ہے
تیرے انتظار کا موسم!

(صائمہ ایمان...... مقام نہیں لکھا)

غزل

دھند لپٹی ہوئی فضاؤں نے
مجھ کو روکا ہوا کی آہوں نے
دھوپ اتری نہیں کبھی مجھ میں
چاند دیکھا نہیں نگاہوں نے
کب سے ٹھہری ہوئی ہوں رستوں پر
مجھ کو جکڑا ہوا ہے راہوں نے
آ میرے دل! میری آنکھیں روئے
مجھ کو لوٹا ہے ان نگاہوں نے
عادتاً اس کو مانگ لیتی ہوں
رٹ لیا ہے اسے دعاؤں نے
آسماں آ کے سر پہ گرتا نہیں
تھام رکھا ہے اس کی بانہوں نے

حمیرا علی...... کراچی

محبت خواب ہوتی ہے

محبت خواب ہوتی ہے
محبت بات ہوتی ہے
کوئی جو پوچھ بیٹھے تو
محبت راز ہوتی ہے
مہکتی آرزوؤں کا
سہانا ساتھ ہوتی ہے
کوئی جو ڈھونڈنا چاہے
تو یہ نایاب ہوتی ہے
محبت یوں بھی ہوتی ہے
فصیلِ ذات ہوتی ہے
محبت پھول ہے شاید
غموں کی دھول ہے شاید
کسی کا ساتھ ہے شاید
چمکتی رات ہے شاید
محبت پرسکون ہوتی ہے
مگر بے تاب ہوتی ہے
اگر وہ نہ ملے تو پھر
محبت عذاب ہوتی ہے

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

وہ اک لڑکی!

جو ہر دم ہنستی تھی
خوابوں کے جزیرے پہ رہتی تھی
تتلیوں سے کھیلتی تھی
ساون رت میں وہ اکثر بھیگا کرتی تھی
اور گیت خوشی کے گاتی تھی
ندیا کے کنارے گیلی ریت پر
اپنائیت و چاہت سے
"محبت" نام وہ لکھتی تھی
آج وہی لڑکی!
تنہائیوں کے آسیب میں جکڑی
تتلیوں سے روٹھی روٹھی
پت جھڑ کے موسم میں
برستی آنکھوں سے
درد بھرے گیت گاتی ہے
ندیا کے کنارے
پہروں وہ "محبت" کھوجتی ہے
اور اتنا روتی ہے کہ
نور کی بارش میں نہاتے
منظر بھی دھندلا جاتے ہیں!

زیب النساء پاکیزہ سحر...... ساغر تلہ گنگ

# بیاض دل

میمونہ تاج
biazdill@aanchal.com.pk

صنم ناز ...... گوجرانوالہ
نظر کا چین تو دل کا سرور ہوتے ہیں
کچھ ایسے لوگ جہاں میں ضرور ہوتے ہیں
سدا چمکتا رہے ان کی عید کا تہوار
قریب رہ کے بھی جو ہم سے دور ہوتے ہیں

نبیلہ خان موون ...... عبدالحکیم
اس عید پہ بھی نہ مل سکے ہم تو کیا ہوا
جذبوں میں ہو خلوص تو عیدیں ہزار ہیں

بشریٰ ملک، سائرہ ملک ...... دھاندرہ فیصل آباد
چاند لے کر آ گیا عید کی خوشیاں
مل کر منا رہے ہیں سب عید کی خوشیاں
تو جو نہیں ہجوم یاراں میں اے دوست!
ادھوری ہیں میرے لیے عید کی خوشیاں

رملہ ال ...... جہلم
اس سمت چلے ہو تو اتنا اسے کہنا
باقی نہ سنے صرف اتنا اسے کہنا
ہم نے عید کے دن بھجوایا یہ سندیسہ
کرتا ہے تمہیں کوئی یاد بہت اتنا اسے کہنا

سمیرا اشتاق ملک ...... اسلام آباد
ذرا سی دیر میں ہم کیسے کھولتے اس کو
تمام عمر لگی جھوٹ بولتے اس کو
وہ اشک تھا اسے آنکھوں میں دفن ہونا تھا
خبر نہ تھا کہ ستاروں میں بولتے اس کو

طیبہ سعدیہ ...... سیالکوٹ
ملا کر ہمیں اکثر کہ جی تمہیں لگتا
تمہارے رابطے سے زندگی وجود میں ہے

انجم خان ...... کھلابٹ کالونی
ہم سوچ رہے ہیں تم کو جاناں
ہم کھوج رہے ہیں تم کو جاناں
تم جو چاہو پالو ہم کو......!
ہم پا رہے ہیں تم کو جاناں

عابدہ نسیم ...... چیچہ وطنی
بہت محدود سا حلقۂ احباب ہے میرا
فقط تنہائیاں، رسوائیاں، ناکامیاں اور میں

رانی اسلام ...... گوجرانوالہ
محبتوں پہ بہت اعتماد کیا کرنا
بھلا چکے ہیں اسے پھر سے یاد کیا کرنا
وہ بے وفا ہی سہی اس پہ تہمتیں کیسی
ذرا سی بات پہ اتنا فساد کیا کرنا

تانی چوہدری ...... آکسفورڈ۔ یوکے
میں تیرا نام لکھوں بار بار کاغذ پر
میں درد دل میں کروں اور شمار کاغذ پر

فریدہ فری ...... لاہور
کہاں کہاں پہ لٹے ہو شکایت مت کرنا
مگر کسی پہ بھی اب اعتبار مت کرنا
میں لوٹنے کے ارادے سے جا رہا ہوں مگر
سفر سفر ہے میرا انتظار مت کرنا

شگفتہ میر آمنہ ...... کھڑیانوالہ
راز دل نہ سنانا کسی کو فراز
دنیا میں سارے ہم راز بدل جاتے ہیں
کسی کے بچھڑنے سے کوئی مر نہیں جاتا
ہاں مگر جینے کے انداز بدل جاتے ہیں

درخشاں بی بی ...... چونالہ
قطرۂ شبنم کی طرح اڑ جائیں گے گل سے



ایک یاد سی رہ جائے گی گلشن میں ہماری

زائرہ خٹک ...... ضلع میانوالی مسلم کالونی
آرزو ہے وفا بن کے تیرے ساتھ رہوں
دھڑکتے دل کی صدا بن کے تیرے ساتھ رہوں
میرے ہونٹوں سے جسے موت بھی نہ چھین سکے
وہ زندگی کی دعا بن کے تیرے ساتھ رہوں

شکیلہ انجم طارق ...... لاہور
بڑھتا ہے اندھیرا تو بڑھا دیتے ہیں ہم اور
لو اپنے چراغوں کی بھی مدھم نہیں کرتے

سلمیٰ جبیں گل ...... لاہور
خواب کھودے تو تیری یاد کے کھنڈر نکلے
خود کو ڈھونڈا ہے تو تیری یاد کے اندر نکلے
بے وجہ تنہائی بے جان باتوں کی چاہت
دل جو ٹوٹا تو تیرے پیار کے مندر نکلے

طوبیٰ بلال ...... ڈیرہ غازی خان
کون سہہ سکتا حیات جاوداں کی تلخیاں
زندگی پر موت کا کتنا بڑا احسان ہے

فرح طاہر قریشی ...... ملتان
ڈھونڈتا پھر رہا ہے اپنا آپ
وہ مرے ہجر کے اثر میں ہے
اس کا یہ شور و غل یہ ردِ عمل
مری خاموشیوں کے ڈر میں ہے

نوشین اقبال نوشی ...... گاؤں بدر مرجان
سب کو سیراب وفا کر کے بھی خود پیاسا رہنا
ہم کو لے ڈوبے گا اے دل تیرا دریا ہونا

حیا نقوی ...... تلہ گنگ
کبھی لمحہ بھر کی بھی گفتگو مری اس کے ساتھ نہ ہو سکی
مجھے فرصتیں نہیں مل سکیں وہ ہوا کے رتھ پہ سوار تھا
ہم عجیب طرز کے لوگ تھے کہ ہمارے اور بھی روگ تھے
میں خزاں میں اس کا تھا منتظر اسے انتظار بہار تھا

سمیرا انجم ...... اسلام آباد
دل کا درد چھپانا کتنا مشکل ہے
ٹوٹ کر پھر مسکرانا کتنا مشکل ہے
دور تک چلو جب کسی کے ساتھ
تنہا پھر لوٹ کر آنا کتنا مشکل ہے

صبا نواز بھٹی ...... سانگھڑ
جہاں مایوس ہو جاتا ہے انسان
وہیں محسوس ہوتا ہے خدا ہے

ہما ایوب شیخ ...... عارف والا
آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

طیبہ نذیر ...... شادیوال گجرات
سب کے ہونٹوں پہ تبسم تھا میرے قتل کے بعد
جانے کیا سوچ کر روتا رہا قاتل تنہا

انا شاہ زادہ ...... گجرات
لطف تو جب ہے سفر کا کہ میرے ہم سفرو!
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے
دل تجھے بھولنا بھی چاہے تو مشکل یہ ہے
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے

شمائلہ رباب ...... راولپنڈی
خاموش پلکوں سے جب آنسو آتے ہیں
آپ کیا جانیں کہ آپ کتنے یاد آتے ہیں
آج بھی ہم کھڑے ہیں اسی موڑ پہ
جہاں آپ نے کہا تھا ٹھہرو! ہم ابھی آتے ہیں

توبیہ مرزا ...... وزیرآباد
مدت گزر گئی ہے یہ عالم ہے مستقل
کوئی سبب نہیں ہے مگر دل اداس ہے

مدیحہ نورین مدوح ...... برنالی

جکڑے ہوئے ہیں قسمت کی زنجیروں میں
ہم بھی شامل ہیں ان کے اسیروں میں
وہ جن کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
انہی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

ایقہ اکمل رانا...... کلورکوٹ

کسی کی آس بن کر پھر اسے تنہا نہیں کرتے
بھلا کتنی بھی مشکل ہو مگر ایسا نہیں کرتے
محبت میں شکایت کا کہاں دستور ہوتا ہے
گلہ کر کے محبت کو کبھی رسوا نہیں کرتے

بشریٰ کنور...... کلورکوٹ

وہ دل ہی کیا تیرے ملنے کی جو دعا نہ کرے
میں تجھ کو بھول کر زندہ رہوں خدا نہ کرے
رہے گا پیار تیرا ساتھ زندگی بن کر
یہ اور بات میری زندگی وفا نہ کرے

شگفتہ خان...... بھلوال

کبھی میری آنکھوں میں چمکتے تھے ستارے کتنے
اب تو ہیں ویران کسی کھنڈر کی طرح
تجھ کو چاہا نہیں میں نے تیری پوجا کی ہے
تیری یادوں کی بستی بھی ہے مندر کی طرح

زیب النساء...... تلہ گنگ سکھر

میں تم کو یاد کروں اور تم چلے آؤ
تم اپنے پیار کی وہ سچائیاں مجھے دے دو
میں ڈوب جاؤں تمہاری اداس آنکھوں میں
تم اپنے درد کی گہرائیاں مجھے دے دو

انعم رشید...... تونسہ شریف

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا؟

نادیہ...... بہاولپور

شجر تب ہی اگا تا جب زمینوں کو پرکھ لیتا
کہ ہر مٹی کی فطرت میں وفاداری نہیں ہوتی

امیمہ شاہ...... مانسہرہ

کیا ہوا جو تیرے ماتھے پہ ہیں سجدوں کے نشان اے انسان!
کوئی ایسا سجدہ بھی کر جو زمین پر نشان چھوڑ جائے

عائشہ نور...... منڈی بہاؤالدین

کسی کے جذبات سے کھیلنا ان کا مشغلہ ہے غزل
اس طرز کے بھی ہوتے ہیں دنیا میں کچھ لوگ

صبینہ رشید...... لاہور

وہی منتظر نگاہیں وہی شامِ غم کا عالم
میں ازل سے تک رہا ہوں تیری راہ جانِ جاناں

شمع شکیل...... کراچی

کاش اس عید سعید کے حسین لمحوں میں
میری ذاتِ گمشدہ بھی تجھے یاد آئے

حفیظہ بنت حوا...... ساہیوال

کتنی آسانی سے مجھ سے یہ زندگی نے کہہ دیا
تو نہیں میرا تو کوئی اور ہو جائے گا

گوہر بتول...... حسن آباد

دل سے تیرا خیال جدا تو نہیں کیا
رکھا جو تجھے یاد برا تو نہیں کیا
اے زندگی! ہم سے ہیں لوگ ناراض کس لیے
ہم نے کبھی کسی کو خفا تو نہیں کیا

سباس گل...... رحیم یار خان

کس طرح یاد کروں کیسے بھلاؤں تجھ کو
تو کوئی رسم نہیں ہے کہ نبھاؤں تجھ کو
روز آنکھوں میں سجاتا ہے نیا خواب کوئی
دل یہ کہتا ہے نہ آنکھوں میں سجاؤں تجھ کو



# یادگار لمحے

جویریہ طاہر
yaadgar@aanchal.com.pk

خوب صورت لفظ

❖ میں نے اللہ سے طاقت مانگی اس نے مجھے مضبوط کرنے کے لیے مشکلات دیں۔
❖ میں نے اللہ سے دانش مانگی اس نے مجھے حل کرنے کے لیے مسائل دیے۔
❖ میں نے اللہ سے خوش حالی مانگی اس نے مجھے کام کرنے کے لیے دماغ دیا۔
❖ میں نے اللہ سے حوصلہ مانگا اس نے مجھے خطرات دیئے تاکہ میں ان پر قابو پاسکوں۔
❖ میں نے اللہ سے محبت مانگی اس نے مجھے مصیبت زدہ لوگ دیئے کہ میں ان کی مدد کرسکوں۔
❖ میں نے اللہ سے عنایات مانگیں اس نے مجھے مواقع دیئے کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں۔

زاہد ملک...... دیپالپور

ایک خوب صورت بات

"چھوٹی چھوٹی نیکی کرنے سے گریز نہ کرو کیونکہ کڑکتی دھوپ میں ابر کا اک ٹکڑا بھی ابر رحمت ثابت ہوتا ہے چاہے وہ برسے یا نہ برسے۔"

پاکیزہ سحر...... تلہ گنگ سکھر

قسمت

ایک حسین کنیز راجا رنجیت سنگھ کے دربار میں رقص کررہی تھی۔ رنجیت سنگھ بہت بدصورت تھا۔ رقص کے بعد کنیز نے راجا سے ایک سوال کی اجازت طلب کی۔ راجا نے کہا کہ پوچھو کنیز نے کہا۔

"جب حسن تقسیم ہو رہا تھا آپ کہاں تھے؟"

راجا نے برا نہ منایا بلکہ مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب تم حسینوں کی لائن میں کھڑی حسن لے رہی تھیں تو میں قسمت کی لائن میں کھڑا قسمت لے رہا تھا اور آج تجھ جیسی حسن والی میری کنیز ہے۔"

درخشاں لی...... چونالہ

عید آئی ہے

اے چاند
میرے چاند سے کہنا
کہ تیرا چاند
عید کے چاند میں
اپنا چاند تلاش کرتا ہے
اسے کہنا اب تو آجاؤ
کہ عید آئی ہے

تانی چوہدری...... آکسفورڈ۔ یوکے

سنہری باتیں

❖ ترقی کا زینہ چڑھتے ہوئے لوگوں سے اچھا سلوک کرو۔ نیچے اترتے ہوئے تمہیں ان کی ضرورت پڑے گی۔
❖ عشرت کے بجائے عسرت میں کسی دوست کی طرف زیادہ جاؤ۔
❖ غصہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور پچھتاوے پر ختم ہوتا ہے۔
❖ پیار رکھنے والا جھوٹ زخمی کرنے والے سچ سے بہتر ہے۔
❖ بور وہ آدمی ہے جو اس وقت بولے جب اسے سننا چاہیے۔
❖ چھوٹے چھوٹے اخراجات کا دھیان رکھو چھوٹا سا سوراخ ایک بڑے جہاز کو ڈبو سکتا ہے۔

ثانی اسلام...... گوجرانوالہ

## ہری مرچیں

+ ذرا اُنے چہرے سے خوف زدہ نہ ہو، بس آئینہ توڑ دو۔

+ محنت سے آپ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔ عزت، دولت، شہرت اور...... چینی آٹا۔

+ اگر آپ دل جلانا چاہتے ہیں تو...... بس ذرا چولہے کی آنچ اور تیز کردیں۔

+ اگر آپ کو ''شوگر'' ہے تو چینی کا استعمال زیادہ کردیں کیونکہ...... لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔

+ سیاست دان کے معنی کچھ یوں ہیں۔ سیاہ معنی کالا، ست معنی نچوڑ یا جوس اور دان کے معنی ڈالنے کی جگہ۔ یعنی کہ...... کالا جوس ڈالنے والی جگہ۔

+ ہیں وہی لوگ جہاں میں اچھے...... کہ ہیں جن کے نو نو بچے...... تاکہ اُن میں لگ کر تا حاصل کرسکیں۔

عائشہ سلیم...... فیصل آباد

## خودی کی پہچان

انسان کی سب سے بڑی کامیابی خودی کی پہچان ہے اور اس بات کا تعلق ہمارے دل کی دنیا سے ہوتا ہے، ہمارے لیے دل صرف سانس فراہم کرنے کا آلہ ہے یا کچھ بچے کھچے جذبات اور محسوسات پیدا کرنے کا ذریعہ اور اس کے علاوہ ہم نے اس کے اندر کچھ تلاش کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ ہمارے دل کی دنیا عجیب ہے ہمارے اندر روشنی ہے، اندھیرا ہے، خوشی ہے، غم ہے، امید ہے، ناامیدی ہے، بدی ہے، بھلائی ہے، نفرت بھی محبت بھی، دوست اور دشمن بھی۔ چار موسم غصے جیسی گرمی، صبر جیسی ٹھنڈک، شکر جیسی بہار اور مایوسی جیسی خزاں اور برسات جو سال ہا سال برستی ہے، کبھی کسی کی محبت میں، کبھی کسی کی جدائی میں، کبھی کسی پیارے کے دنیا سے چلے جانے پر روتے ہیں۔ ہمارے اندر پوری کائنات موجود ہے، انتخاب ہم نے کرنا ہے کہ ہم کون سا رستہ اختیار کرتا ہے، خودی کا سراغ لگاتا ہے اور انکشاف کرتا ہے ان انکشافات میں سب سے پہلا انکشاف خدا کے ملنے کا ہے وہ کہیں چھپ کر بیٹھا ہے ہمارے اندر جو ہوتا ہے وہ سب کے دلوں میں ہے اور سب کی جھولیاں بھرتا ہے لیکن ملتا کسی کسی کو ہے، جس نے خدا کو پالیا اس نے خود کو پالیا وہ اس دنیا میں اپنے جینے کے مقصد کو پالیتا ہے۔ خود کو اور اپنے اندر کی دنیا کو تسخیر کرلیتا ہے۔ خودی کی تلاش اور اس کو ''پہچاننا'' دل کی دنیا کو تسخیر کرنا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ سب کی دنیا اپنی اپنی ہے دیکھنے اور سوچنے کا انداز بھی اپنا اپنا ہے اس لیے یہ بھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ مقصد ایک ہے اظہار کے انداز مختلف ہیں، راستے بہت ہیں فاصلے جن کو طے کرنا ہے۔ ہماری ذات جو کھو چکی اس کو تلاش کرنا ہے۔

سمیرا ادریس راجپوت...... پیر والا واڑہ

## کچھ لفظ چنے ہیں گوہر سے

+ جب مجھے پتا چلا کہ نرم گداز بستروں پر سونے والوں کے خواب، تنگی زمین اور کھلے آسمان تلے سونے والوں کے خوابوں سے مختلف نہیں ہوتے تو مجھے خدا کی انصاف پر پورا پورا اعتماد ہوگیا۔

+ کچھ لوگ ہوا کی مانند ہوتے ہیں جھونکے سے زندگی میں آتے ہیں اور جھونکے سے زندگی کو ساتھ لے جاتے ہیں۔

+ جو کسی کا صرف ہوتا ہے وہ کسی کا سب کچھ ہوتا ہے۔

+ جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے لیے دل میں ایک قبرستان بھی بنا دیا جاتا ہے۔ جس میں اپنے محبوب کی ساری خامیاں دفن کردی جاتی ہیں اور ان پر کتبے بھی نہیں لگائے جاتے۔

+ جو کسی کی چھوٹی سی غلطی معاف نہیں کرسکتا وہ کیسے یہ یقین کرلے کہ خدا اس کے بڑے بڑے گناہ معاف



کرے گا۔

+ ہمارے دلوں میں اتنی تھوڑی جگہ کیوں ہے کہ ہم تمام رشتوں سے ایک جیسی محبت نہیں کرتے۔

+ اگر زبان نہ ہوتی تو کوئی گناہ گار نہ ہوتا اس لیے رشک کیجیے گونگوں پر۔

+ لوگ چاند پر پہنچنے کے لیے ہزاروں جتن کرلیں گے مگر دلوں تک پہنچنے کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔

+ لفظ لکھنے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا احساس کی شدت انہیں پُراثر بناتی ہے۔

نرگس رانی...... ساہیوال

جب

اک بیتی کہانی

اک معصوم سی بات

جڑی ہے تم سے

کیا تم کو یاد نہیں آتی

یا

تم یاد نہیں کرتے......!

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

## محبت کا رشتہ

محبت کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی باریک دھاگے کی طرح نازک بھی، جس کے ٹوٹنے کا پتا بھی نہیں چلتا۔

رضوانہ ملک...... جلالپور پیر والا

## محبت کی بیماری

سائنس دانوں کی تحقیق سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ محبت میں بہت سی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جن کی وجہ سے انسان کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ اس بیماری کا نام ایڈز ایچ آئی وی یا ہیپاٹائٹس اے، بی اور سی نہیں بلکہ اس جان لیوا بیماری کو دانشوروں نے بے وفائی، نفرت اور جفا کا نام دیا ہے اور ان بیماریوں سے بچنے کے لیے جو گولیاں معرض وجود میں آئی ہیں۔ انہیں اعتماد، وفا، پیار اور قربانی کا نام دیا گیا ہے۔ اگر یہ گولیاں صبح و شام روزانہ بلاناغہ اک اک مل جائے تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ آپ کو محبت کی تمام جان لیوا بیماریوں سے چھٹکارا مل جائے گا وہ بھی ہمیشہ کے لیے لیکن احتیاط سب سے ضروری ہے۔ کہتے ہیں نا پرہیز علاج سے بہتر ہے تو ہم آپ کو پرہیز بھی بتاتے چلیں تو پرہیز یہ ہے کہ انسان محبت ہی نہ کرے۔

''نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری''

عفیفہ افضل علی...... ڈسکہ

## صرف تمہارا

چھوٹا سا اک لفظ ''تمہارا''

کتنا پیارا لگتا ہے

جب عید کے دن اک کارڈ ملے

جس پر ہوں سرخ گلاب بنے

لکھنے والے نے لکھا ہو

تم کو دل سے چاہنے والا

صرف ''تمہارا''

صنم ناز...... گوجرانوالہ

## زندگی گزارنے کے چار اچھے طریقے

اس کو کبھی غلط مت کہو جو تمہیں چاہتا ہو

اس کو مت چھوڑو جس کو تمہاری ضرورت ہو

اس پر کبھی الزام مت لگاؤ جو تم پر اعتبار کرتا ہو

اسے کبھی مت بھلاؤ، جو تمہیں ہر وقت یاد کرتا ہو

سعدیہ ملک...... جلالپور پیر والا

## سنہری بات

رشتے اور راستے زندگی کے دو پہلو ہیں۔ کبھی کبھی رشتے نبھاتے نبھاتے رستے کھو جاتے ہیں اور کبھی کبھی رستہ چلتے چلتے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

مریم جبین...... نکال

## بکھرے موتی

جن کو لفظوں کے روگ لگ جائیں پھر ان کو کوئی روگ نہیں لگتا' وہ ساری عمر انہی میں چکراتے پھرتے ہیں۔

محبت کرو مگر رشتوں کی تخصیص کے بغیر۔

کچھ خوابوں کو پانے کے لیے کچھ خوابوں سے دستبردار بھی ہونا پڑتا ہے۔

محبت جن کے ساتھ ہوتی ہے وہ کبھی تنہا نہیں ہوتے۔ محبت کبھی انہیں تنہا ہونے نہیں دیتی۔

اپنے دل کے اندر مر جانے سے بہتر ہے کسی کے دل میں ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاؤ۔

اجنبی لوگوں کے درمیان اجنبی ہونا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان اپنوں کے درمیان اجنبی ہو جائے۔

جو بات آپ کے بس میں نہیں ہے۔ اس میں دخل نہ دیں' جو بات بس میں ہے وہاں جواب وہی پوری کریں تو سکون مل جائے گا۔

جس محبت پر آپ فخر نہ کر سکیں وہ صرف اور صرف دکھ ہے۔

اب تو گھڑیاں بھی سات گھنٹوں کا دن' پانچ دنوں کا ہفتہ اور بڑھاپے کی پنشن مانگتی ہیں۔

وہ مشغلہ نہیں جو ڈیوٹی ہو' وہ مشغلہ نہیں جو ہابی ہو۔

ہم بچوں کو بالغ سمجھنے کے لیے تیار ہیں' بشرطیکہ بچے ہمیں نابالغ نہ سمجھیں۔

جب پہلی عورت پیدا ہوئی' مرد اس وقت سویا ہوا تھا اسے رائے دینے کا موقع ہی نہ ملا۔

بیسویں صدی کے اول آخر میں دنیا اتنا کہ درندوں کا جنگل بن گئی ہے۔

شہناز شاہزے سیال۔۔۔ خانیوال

**نمکین غزل**

بات پہ بات سناتے ہیں سرگودھا والے
ہر وقت ہنستے اور ہنساتے ہیں سرگودھا والے
سیدھی بات کو الٹا بناتے ہیں سرگودھا والے
ہر بات پہ مذاق اڑاتے ہیں سرگودھا والے
لاکھ بُری سہی لیکن ایک بات اچھی ہے ان میں
مرتے دم تک ساتھ نبھاتے ہیں سرگودھا والے

توشین شاہ۔۔۔ سرگودھا

**ایک لفظ**

قرطاس کے چہرے پر
اک لفظ لکھا ہے نے
وہ لفظ مکمل ہے
خوش بو سے اس لفظ کی
قرطاس معطر ہے
اس لفظ کی کرنوں سے
ہر جا منور ہے
"محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ہے وہ لفظ

شمع شیخ۔۔۔ کراچی

توشین اقبال نوشی۔۔۔ گاؤں بدر مرجان

**ادھوری مسافت**

تجھے دیکھنے کو اک نظر
پھر نگر نگر میں در بدر
پڑ گئے چھالے میرے پاؤں میں
ہوا تھکن سے چور چور بدن
مگر اس سے سوا دکھ ہے یہ
کہ تجھے دیکھنے کی چاہ میں
گر ملے تو صرف "آبلے"

شگفتہ خان۔۔۔ بھلوال

**ماڈرن عقل**

وقت بچانے کے لیے محبت ہمیشہ پہلی نگاہ میں کرو۔۔۔ نکاح کے بعد۔



# آئینہ

شہلا عامر

aayna@aanchal.com.pk

عائشہ سلیم۔۔۔ فیصل آباد۔ السلام علیکم! پیاری پیاری آپی اور آنچل اسٹاف۔ کلیوں سے مہکتی' پھولوں سی تازہ' چڑیوں سے خوب صورت چہکتی آپی شہلا! شاید کیسی ہیں آپ اور کیسے ہیں باقی سب؟ سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس پیارے آنچل کی کیا تعریف کروں۔ "سرگوشیاں" سے "تندرستی نعمت" تک بہت ہی زبردست ہے۔ مجھے ہر دفعہ آنچل 26 کو مل جاتا ہے اور 27 کو ختم کر چکی ہوتی ہوں۔ پھر 28 دن اگلے آنچل کا انتظار کیا۔ کیا آپی ایسا نہیں ہو سکتا کہ آنچل ایک ماہ میں دو دفعہ شائع ہو۔ میری دعا ہے کہ آنچل کے رائٹرز یونہی اپنے قلم کو رواں رکھیں۔ سمیرا آپی پلیز اب کوئی کہانی لکھ دیں پلیز اللہ آپ کو صحت دے۔ آنچل کے بارے میں بس اتنا کافی ہے کہ اس کے بغیر عورت نامکمل ہے۔ آپی پلیز میرا خط ضرور شائع کیجیے گا اس لیے میں نے اس دفعہ تھوڑا سا لکھا کہ اگر زیادہ لکھا تو پتا نہیں آپ شائع کرتی ہیں یا نہیں۔ پلیز آپی آپ بھوکی ردی کی ٹوکری کو اپنے پاس سے کچھ کھلا دیا کریں اور اس کے منہ کے اوپر ٹیپ لگا کر رکھا کریں جو ہمارے خطوط کے لیے ہی منہ کھولے رکھتی ہے۔ میں باری آنے کا انتظار کر سکتی ہوں پلیز آپ میری بھیجی ہوئی چیزیں شائع ضرور کیجیے گا' اب اللہ حافظ۔ اللہ آپ سب کو صحت تندرستی دے اور آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے اور میرے ورک کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں آمین۔

شاہ وقار۔۔۔ لاہور۔ السلام علیکم! آنچل بہت کمال کا رسالہ ہے' میری پسندیدہ کہانی "عمر ہونے تک" ہے۔ بہت کمال لکھ رہی ہیں اور "بھیگی پلکوں پر" بہت اچھی کہانی ہے آنچل سارا ہی زبردست ہوتا ہے پڑھنے کا مزا آتا ہے' ایک بات بتاؤں میرا دل کرتا ہے کوئی میرے نام بھی کسی دوست کا پیغام آئے میں۔ مگر میری ایسی قسمت کہاں؟ چلو جی سب جہاں رہو خوش رہو آباد رہو آپ سب کے لیے دعا گو۔

شگفتہ خان۔۔۔ بھلوال۔ پیاری آپی جی السلام علیکم! امید ہے بخیریت ہوں گی۔ اپیا کے بعد میں کبھی کسی کو بھی مخاطب کر کے خط نہ لکھ سکی تھی ان کے بعد آج پہلی بار آپ کو مخاطب کیا ہے یہ سوچ کر کہ آپ بھی تو انہیں کا پرتو ہیں' جانے والے تو واپس آتے نہیں ہیں ہم تو بس ان کی شباہتیں ہی ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ ہمارے لیے اپیا جیسی ہی ہیں' اپنوں کو عید کی کیا مبارک باد دوں کہ اس عید پر بہت سے پیارے اپنے ساتھ نہیں ہیں' ان کی جدائی نے دل کو مضمحل اور آنکھوں کو پُرنم کر رکھا ہے اور پھر ملک کے حالات۔۔۔ پتا نہیں کب میرے سے یہ عذاب ختم ہوگا اور ہم عید سعید مکمل خوشی اور سکون سے منا سکیں گی۔ سب سے پہلے تازیہ کنول نازی جی آپ کی والدہ کے بارے میں پڑھا' اللہ تعالیٰ ان کو صحت کامل عطا کرے' آمین اور ان کا سایہ شفقت ہمیشہ آپ کے سر پر قائم رکھے۔ سو اتنی پریشانی کے باوجود آپ نے بہترین لکھا کہانی نے عجیب سا سوز لیا امامہ کو اتنی کڑی سزا مت دیجیے گا پلیز۔۔۔ اور عشنا جی! مائنڈ مت کیجیے گا مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ کہانی تو جیسے آگے بڑھ ہی نہیں رہی آپ نے لفظوں کے عجیب سے گورکھ دھندے میں پھنسا رکھا ہے بس لفظوں کے پیچ و خم ہی تو سب کچھ نہیں ہوتے اب تو دل الجھنے لگا ہے کہ کیا ہے اس میں صرف اور صرف لفاظی۔۔۔! اور عائشہ جی! بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ' بس محبت کی قسمت میں جدائی مت لکھنا۔ فضا کو اس کی محبت سے الگ مت کرنا پلیز۔۔۔! اور حمیرا نگاہ آپ نے اچھا لکھا کیونکہ آرمی لائف میری آئیڈیل ہے آرمی

مجھے بہت پسند ہے مگر کیا ہر فوجی کی قسمت میں محبت سے جدائی ہی لکھی ہے؟ شہادت ان کا مقصد سہی مگر کبھی کبھی زندگی کی خوشیوں پر بھی ان کا حق تسلیم کیا کریں باقی آنچل پڑھ نہ سکی کیونکہ آپی کی آمد پر ان کو خوش آمدید کہنا تھا اس لیے لکھنا ضروری تھا کچھ غلط لگے تو معذرت۔ باقی آنچل پر تبصرہ نہ کر سکوں گی سوائے اس کہ اپنا نام نہ پا کر بہت دکھ ہوا۔ اس کے ساتھ اجازت دیں تمام اسٹاف اور آنچل قارئین اور رائٹرز کو درجہ بدرجہ سلام۔ اللہ تعالیٰ میرے وطن کے ہر گوشے کو اپنی امان میں رکھے آمین۔ میرے کراچی میں امن قائم ہو آپ سب اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

ظل ہما...... فیصل آباد۔ السلام علیکم! سبھی آنچل اسٹاف اور دوستوں کے لیے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ آپ سب کی لاڈلی اور پیاری سی دوست حاضر خدمت ہے۔ سب سے پہلے کراچی والوں کے لیے نیک تمنائیں۔ اللہ انہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے اس کے بعد قیصر آرا آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں یقیناً آپ فرحت آپا کا پرتو ثابت ہوں گی ہمارے لیے آنچل 25 تاریخ کو یونیورسٹی سے واپسی پر دستیاب ہوا۔ مشتاق انکل کی "سرگوشیاں" مَن کر کچھ اطمینان ہوا کہ آنچل کو سنبھالنے والی ہستی یقیناً فرحت آپا جیسی نہ سہی مگر ان کی شکل ضرور ہیں۔ ویلکم میڈم! اس کے بعد سب سے پہلے "خوش بُو کا سفر" پڑھ کرنا شروع کیا۔ عائشہ بہت زبردست۔ ویسے پہلے لگا تھا کہ اسنا رک مسلم ہو جائے گا خیر پھر بھی بہت زبردست انجام رہا۔ عائشہ خان کے ناولٹ کی کتنی اقساط ہوں گی مزید؟ میں تو تبصرہ مکمل ہونے کے بعد ہی کروں گی۔ "حصار محبت" اچھا ناول تھا۔ سمیرا کون سی رائٹر ہیں مطلب سمیرا شریف طور ہی ہیں یا کوئی نئی رائٹر ہے اگر نیو رائٹر ہے تو اپنا پورا نام استعمال کرنا چاہیے خیر آپ کی مرضی جیسے چاہیں لکھیں۔ سیدہ گل بانو کا افسانہ بہت بہت زبردست لگا۔ سمیرا نگاہ کی تحریر بھی بہت اچھی تھی۔ اب باری ہے سلسلے وار ناولز کی میری نہایت پسندیدہ عشنا جی! معارج تعلق کو ڈھیر ساری سزا ملنی چاہیے۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا وہ اور مجھے لگتا ہے جہانگیر ملک زندہ ہیں۔ نازی جی اللہ آپ کی والدہ کو صحت یاب کرے آمین اور مجھے لگتا ہے کہ وہ لاش امامہ کی نہیں ہے بلکہ اس دوسری لڑکی کی ہے جو امامہ کے آنے سے پہلے وہاں موجود تھی۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے آگے؟ اقراء کا ناول بھی بہت زبردست جا رہا ہے۔ پری اور طغرل کا جوڑا زبردست رہے گا۔ سلسلے تمام زبردست ہیں۔ ہمارا آنچل میں دوستوں سے ملاقات زبردست رہی۔ غزل سیال! ہم بھی سیال ہیں۔ دوستی کرو گی مجھ سے؟ رابعہ اکرم بھول تو تم گئی ہو یار! ایک بھی میسج کا جواب نہیں دیا۔ ہو۔ میرا خیال ہے اتنا ہی کافی ہے اس ماہ۔ اگلے ماہ بشرط زندگی ملاقات ہوگی۔ وطن عزیز کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ سبھی اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

بشریٰ باجوہ عطاریہ...... اوکاڑہ۔ ڈیئر شہلا عامر السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟ آنچل کے تمام قارئین رائٹرز کو میرا سلام۔ آنچل 25 کو ملا ٹائٹل بھی پیارا تھا۔ سب سے پہلے سمیرا نگاہ کا خوب صورت جذبوں سے گندھا ناولٹ پڑھا۔ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بہت خوب صورت لکھا گیا ہے ناولٹ فرض اور محبت۔ پلیز آپی! سمیرا نگاہ سے قسط وار ناول بھی لکھوائیں ضرور۔ اس کے بعد نازیہ کی تحریر پڑھی۔ لگتا ہے امامہ کا پتہ ہوگئی ہے صاعقہ اور عیاد کا کردار افسانوی سا لگتا ہے۔ عائشہ نور نے کیا خوب لکھا ہے واہ بھئی واہ! عشنا جی یقیناً پری کا ہیرو طغرل ہی ہے۔ عائشہ خان کے ناولٹ میں فضا کا کردار بہت خوب صورت ہے۔ آنچل کے کسی بھی سلسلے میں اپنا نام نہ پا کر بے حد افسوس ہوا۔ شاعری میں فوزی آپی ام ثمامہ، عکاشہ سحر کی شاعری پسند آئی۔ "بیاض دل" میں شبانہ امین، سعدیہ آمنہ، اعداد، مسکان، سائرہ، لنگڑیال کے اشعار پسند آئے۔ "یادگار لمحے" میں ام چوہدری، امید چوہدری، فرح طاہر، دعا نور کا انتخاب پسند آیا۔ آئینہ میں نرجس رانی، شہلا شبیر، رابعہ اکرام، فصیحہ آصف کے خطوط اچھے لگے۔ "دوست کا پیغام آئے" میں اریبہ شاہ کا پیغام اچھا لگا۔ "آپ کی پسند" میں ...... شاہ کی پسند بھائی۔ "ہم سے پوچھیے" میں زاہدہ ملک، عمرانہ شاہین، انعم خان



کے سوالات اچھے لگے۔ ثمرین ملائکہ، غزل اور اسماء سے ملاقات اچھی رہی۔ باقی روحانی سلسلہ اور ہومیو سلسلہ صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ آپ لوگوں کو اس کی جزا دے آمین۔ تمام آنچل فرینڈز کو میرا سلام قبول ہو اللہ حافظ۔

تو ثمین شاہ...... سرگودھا۔ ڈیئر شہلا آپی السلام علیکم! آپ نے میرا پچھلا خط شائع نہیں کیا۔ اس بار دوبارہ خط لکھ رہی ہوں تو صرف یہی سوچ کر اس بار مجھے آئینہ میں ضرور جگہ ملے گی۔ سرورق کچھ ٹھیک ہی تھا۔ اس کے بعد دوڑ لگائی عائشہ جی کے "خوش بُو کا سفر" کی طرف۔ ناول بہت زبردست تھا لیکن اس بار جو ناول ٹاپ پر تھا وہ ہے سمیرا نگاہ کا ناول "خواہش ناتمام" جہاں تک بات ہے سلسلے وار ناولوں کی تو وہ تینوں آنچل کی جان ہیں۔ عشنا جی آپ جس طرح لکھ رہی ہیں ویسے ہی لکھتی رہیں کسی کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ نازیہ جی آپ کا ناول "پتھروں کی پلکوں پر" مجھے بہت پسند ہے۔ پلیز جلدی سے صاعقہ اور عیاد کی شادی کروا دیں۔ اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

ثمانہ رباب...... راولپنڈی۔ ڈیئر آنچل اسٹاف السلام علیکم! میں آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس کی تمام کہانیاں اپنی مثال آپ ہوتی ہیں۔ سلسلے وار ناول میں "بھیگی پلکوں پر" اقراء صغیر احمد" اور "کچھ خواب" عشنا کوثر سردار کا ناول بہت دلچسپی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ آنچل میں دوسری بار خط لکھ رہی ہوں پلیز آپ میری تحریر شامل کیا کریں۔ میں آنچل بہت عرصے سے پڑھ رہی ہوں یہ میرا پسندیدہ ڈائجسٹ ہے۔ اس کے بغیر ہمارا لمحہ لمحہ مشکل سے گزرتا ہے۔ آنچل کی تمام بہنوں کو ڈھیر ساری دعائیں۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکدر۔ ڈیئر آپی شہلا آنچل اسٹاف اور قارئین السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب اور آپ سب کی عید کیسی گزری؟ یقیناً مزا آیا ہوگا مجھے تو بہت مزا آیا کیونکہ 28 کو آنچل ملا اور 30 کی عید یعنی ڈبل عید ہوگئی۔ اب آتی ہوں آنچل کی طرف تو ٹائٹل اچھا لگا۔ "حمد و نعت" دونوں بہت اچھی تھیں۔ نعت دیکھ کر تو سمجھی کہ شاید میں نے ہی لکھی ہو گی لیکن نام دیکھ کر پتا چلا کہ یہ تو فریحہ سحر ہیں۔ ہمارا آنچل میں چاروں دوستوں سے مل کر اچھا لگا۔ اسماء نعمانی آپ نے اپنا نک نیم تو بتایا ہی نہیں۔ بھئی شرمانے کیا بات ہے ہم بھی تو گھر والے ہی ہیں نا۔ میرا مطلب ہے آنچل کے تمام ساتھی۔ آنچل سروے میں شامل سب ساتھیوں کے جواب پڑھ کر مزا آیا۔ سلسلے وار ناول تینوں ہی زبردست جا رہے ہیں لیکن "پتھروں کی پلکوں پر" بہترین ہے۔ مکمل ناول "حصار محبت" سمیرا زبردست لکھا آپ نے مزا آیا پڑھ کر افسانے دونوں ہی اچھے تھے۔ ناولٹ "خواہش ناتمام" سمیرا ویری گڈ آپ نے بہت اچھا لکھا اور رلایا بھی ہے لیکن اچھا لگا پڑھ کر۔ "عمر ہونے تک" عائشہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے اور اب بہت بہترین "خوش بُو کا سفر" عائشہ آپ تو چھا گئی ہیں کہ بس ویری ویری گڈ آپ کا ناول پڑھ کر تو میں خود بھی بہت روئی ہوں۔ مجھے سعد اور اسد دونوں کے کردار بہت اچھے لگے اور کرن! میری تو دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو (انہیں کی طرح یا اس بھی زیادہ) عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا دے آمین۔ باقی سارا آنچل بھی بہت فنٹاسٹک رہا۔ اب اجازت دیں اگلی بار پھر حاضر ہوں گی تفصیلی تبصرے کے ساتھ تب تک کے لیے اپنا خیال رکھنا والسلام۔

ماریہ قریشی، منزہ قریشی، شمائلہ اور اقراء ثمرین...... گاؤں چھن چوشرہ۔ شہلا آپی السلام علیکم! امید ہے آنچل سے وابستہ تمام فیملی خیریت سے ہوگی اور عید کو خوب انجوائے کیا ہوگا۔ آنٹی فرحت آرا کی مسز کو ہم ویلکم کہتے ہیں۔ "دست بسم اللہ جی آیاں نوں" آنٹی فرحت آرا کے خلا کو کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ وہ جتنی محبت اور شفقت کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ ہم ان کے ایسے جذبات کی ہمیشہ قدر کرتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اس دفعہ آنچل 27 اگست کو ہی مل گیا۔ سب سے پہلے اپنا خط دیکھا بہت زیادہ پرجوش ہوئی اور ارادہ کر لیا کہ میں آئندہ مستقل طور پر خط لکھا کروں گی بس آپ ہر بار شامل کر لیا کریں۔ اس کے بعد "حمد



w w w.p a k s o c i e t y.c o m

ثمرین ناز ملاکنڈ۔ چوہدری اسماء نعمانی تم سب کے تعارف اچھے لگے۔ "حصار محبت" بہت اچھا ناول تھا۔ "بھیگی پلکوں پر" بہت اچھا جارہا ہے شکر ہے رجاء بچ گئی۔ وردہ تو دوست کے روپ میں دشمن تھی جو اسے تباہ کرنے جارہی تھی۔ "خوش بُو کا سفر" تو واقعی خوش بُو کا سفر تھا۔ حمیرا نگاہ کی "خواہش ناتمام" زبردست تھی۔ دھرتی ہماری ماں ہے وطن سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جان قربان کردیتے ہیں۔ ہماری پاک فوج کو سلام جو اس ملک سے دہشت گردی مٹانے کے لیے قربانیاں دے رہی ہیں۔ "پتھروں کی پلکوں پر" مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ عباد کو چاہیے کہ وہ صاعقہ کو سچ بتادے۔ "عمر ہونے تک" بہت اچھی کاوش تھی۔ جو لوگ صرف اپنے لیے سوچتے ہیں وہ ہمیشہ تنہا رہ جاتے ہیں۔ "آپ کی شخصیت" والا سلسلہ مجھے بہت پسند ہے کیونکہ شخصیت کے بارے میں جاننا مجھے اچھا لگتا ہے۔ "آپ کی پسند" میں سب کی پسند اچھی تھی۔ "دوست کا پیغام آئے" اچھا سلسلہ ہے سب کے پیغامات اچھے ہوتے ہیں۔ اب اجازت چاہوں گی خدا حافظ دعاؤں میں یاد رکھنا۔

ہما ایوب شیخ...... عارف والا۔ السلام علیکم! ڈیئر قارئین کیسے ہیں آپ لوگ! امید خدا سے بخیر ہوں گے۔ تبصرہ کا آنچل اچھا رہا۔ ناول ناولٹ اور سلسلہ وار ناول اچھے لگے۔ قلم اٹھایا تھا کہ لمبا سا تبصرہ کروں گی مگر عید کی چھٹیوں میں از حد مصروفیت کے سبب یہ کا پچا کا تبصرہ ہی ہوسکا۔ تاہم آنچل کا ہر سلسلہ اچھا رہا خاص طور پر یادگار لمحے یادگار رہا۔

ایس عطاریہ...... پارہ قلم۔ السلام علیکم! جناب کیسے ہیں آپ سب؟ امید کرتی ہوں اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ہوں گے۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف اس ماہ کا سویٹ آنچل کیم کو ملا۔ سب سے پہلے "حمد و نعت" اور "قرآن پاک کی روشنی میں" پڑھا ہمیشہ کی طرح بہت ہی اچھا تھا۔ "سرگوشیاں" پر پہنچے فرحت آپا کی سسٹر قیصر آراء کو خوش آمدید امید ہے وہ ہمیں بالکل فرحت آپا کی طرح گائیڈ کریں گی اور پیار و محبت کا رشتہ قائم رکھیں گی۔ "خوش بُو کا سفر" عائشہ کا ناول بہت اچھا تھا۔ جسے میری فیملی کے ہر فرد نے پڑھا سب کو بہت پسند آیا! تھینک یو عائشہ جی! نازیہ کنول نازی کا "پتھروں کی پلکوں پر" زبردست جارہا ہے پلیز نازی آپی! امامہ کو مت ماریے گا اسے شجاع سے ملادیں۔ اقراء جی! ہمیشہ کی طرح آنچل پر چھا گئی ہیں۔ عشنا جی کا "اور کچھ خواب" واہ عشنا جی! کیا بات ہے آپ [illegible] کررہی ہیں لیکن پلیز اب اور سسپنس نہیں معارج کی شادی کروادیں اتنا بیاہ سے جلدی ہے۔ "عمر ہونے تک" کی اگلی قسط کا انتظار کررہے ہیں بڑی بے صبری کے ساتھ۔ "خواہش ناتمام" اور "چاند چاندنی چراغ" بھی [illegible] رہا۔ "ہمارا آنچل" میں غزل سیال اور اسماء نعمانی کا تعارف بے حد اچھا لگا۔ پلیز غزل اور اسماء مجھ سے دوستی کریں گی جواب ضرور دیجیے گا والسلام۔

ثمینہ ناز دیشانی...... فتح جنگ اٹک۔ السلام علیکم! کافی عرصے بعد ہم نے دوبارہ اپنے قلم کو اٹھایا اور لکھنا شروع ہوا۔ مدیرہ آنٹی فرحت آرا کی وفات نے مجھے اتنا غمگین کردیا کہ غم کے مارے [illegible] میں کچھ نہ لکھ سکی۔ اللہ تعالیٰ آنٹی فرحت آراء کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ آنچل 27 اگست کو ہمارے ہاتھ لگا۔ پہلے چوما اور پڑھنا شروع کیا۔ آنچل کا ٹائٹل پسند آیا۔ آغاز "سرگوشیاں" سے کیا۔ سرگوشیاں پڑھی تو پتا چلا کہ آنٹی فرحت آراء کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً 9 ماہ ہوگئے ہیں۔ یقین نہیں آتا [illegible] ہیں کہ وہ اب بھی زندہ ہیں ہمارے دلوں میں۔ خوشی ہوئی کہ آنٹی فرحت کی بہن آنٹی قیصر آراء نے آنچل کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ امید کرتے ہیں کہ ہمیں فرحت آراء آنٹی کے جانے کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گی۔ "سرگوشیاں" پڑھ کر حمد و نعت سے مستفید ہوئے۔ "درجواب آں" دانش کدہ" اور پھر "ہمارا آنچل" ثمرین ناز ملاکنڈ غزل سیال اسماء نعمانی سے ملاقات ہوئی۔ "آنچل کے ہمراہ" کا سلسلہ بہت پسند آیا۔ پھر سلسلہ وار ناول "پتھروں کی پلکوں پر" کی طرف دوڑ لگائی۔ امامہ کی



موت کا پڑھ کر بہت روئی۔ نازیہ آپی یہ آپ نے کیا کردیا۔ ہماری امامہ کی جان لے لی۔ اتنا پتھر دل ہے آپ کا...... شجاع حسن پر مجھے بہت غصہ آرہا ہے۔ شجاع آپ اتنے ظالم ہوں گے کہ امامہ کی غلطی پر اتنی بڑی سزا دے دی۔ اگر واقعی امامہ مرگئی تو میں یہ اسٹوری پڑھنا بند کردوں گی۔ نازیہ آپی نے غالباً ایک ناول میں ہیرو اور ہیروئن کو ماردیا اور اس میں بھی...... شانیہ زوار حسن اور لیس کو ابتدائی موت دے دی۔ اب امامہ کی موت ہم برداشت نہیں کرسکتے پلیز ہمیں دوبارہ زندہ لائے خدا کرے وہ زندہ ہو کوئی معجزہ ہو جائے۔ سب سے خوبصورت کردار تو امامہ کا ہی تھا۔ "بھیگی پلکوں پر" اقراء صغیر احمد آپی کا سلسلہ وار ناول بہت پسند آیا۔ پری کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ بہت زبردست اسٹوری چل رہی ہے۔ "اور کچھ خواب" عشنا آپی کا ناول اچھا چل رہا ہے۔ مکمل ناول "حصار محبت" اور "خوش بُو کا سفر" پڑھے اور پسند آئے۔ افسانوں میں "چاند چاندنی چراغ" سیدہ گل بانو کا افسانہ پسند آیا۔ مستقل سلسلے کی طرف بڑھے۔ "روحانی مسائل اور ان کا حل" "آپ کی شخصیت" "آپ کی پسند" "مقابلہ بیوٹی گائیڈ" غزلیں، نظمیں، بیاض دل، یادگار لمحے سے مستفید ہوکر اپنے پسندیدہ "آئینہ" میں رابعہ اکرام، مسکان رضوانہ ملک کے تبصرے پسند آئے۔ "دوست کا پیغام آئے" "آپ کی پسند" میں نرجس [illegible] کی پسند پسند آئی۔ میری طرف سے قارئین اور لکھاریوں کو ڈھیروں سلام۔

غزل [illegible]...... راولپنڈی۔ سب سے پہلے آنچل کے معزز ممبران اور پیارے قارئین کو پیار بھرا اسلام۔ آج کچھ عرصے سے آنچل میں بہت سی نمایاں اور خوب صورت تبدیلیوں اور اضافوں نے جہاں دل مضطرب کو شانت کیا ہے وہیں کسی کی کمی نے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ میں جانتی ہوں وقت بیت چکا ہے زخم بھی بھر چکے ہوں گے لیکن کمی کا احساس تو ابھی باقی ہوگا۔ مجھے افسوس ہے میں نے آنے میں دیر کردی۔ کشمکش حیات نے مہلت ہی نہ دی اور آج بہت شدت سے جی چاہ رہا ہے فرحت آرا جی کو اس زور سے آوازدوں کہ وہ واپس آجائیں لیکن...... ! آنچل ہمیشہ کی طرح سپرہٹ رہا۔ سمیرا کا ناول "حصار محبت" نے اختتام تک اس طرح اپنے حصار میں لیا ہوا تھا کہ اردگرد کے ماحول سے بے گانہ ہوچکی تھی۔ "خوش بُو کا سفر" کی خوش بُو نے طبیعت پر خوش گوار اثر ڈالا۔ "خواہش ناتمام" حمیرا نگاہ کا بہترین ناولٹ ہے۔ بہت اچھے حمیرا! بہت شاندار لکھا آپ نے۔ سیدہ گل بانو تو کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ اکتوبر کے ماہ اگر کسی کا شدت سے انتظار رہے تو وہ ہے "بھیگی پلکوں پر" اقراء کے قلم سے لفظوں کے موتی جو نکلتے ہیں تو ان کی تحریر میں کھوتے جاتے ہیں۔ "روحانی مسائل اور ان کا حل" بہترین سلسلہ ہے۔ حافظ شبیر احمد صاحب اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ مسلمان بہن بھائیوں کے لیے آپ جو بھلائی کا کام کررہے ہیں وہ قابل تحسین ہے اللہ آپ کو اس کا اجر دے آمین۔ باقی تمام مستقل سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ "آئینہ" میں بہترین تبصرہ نرجس رانی، مسز فصیحہ آصف خان اور طاہرہ ملک کا تھا۔ "آپ کی پسند" میں سب کی سب شاعری شاندار۔ مختصر یہ کہ ہمارا پیارا آنچل ہمیشہ کی طرح بہترین رہا۔ بشرط زندگی اگلے ماہ پھر شرکت کروں گی (آپ کی اجازت سے)۔ تمام دوستوں کو پیار بھرا سلام۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

آخر میں وہ خطوط جو صفحات کی کمی کے باعث شائع ہونے سے رہ گئے۔

ناصرہ جدال گجرات۔ نجم انجم کراچی۔ طیبہ سعدیہ سعدی سیالکوٹ۔ انعم خان ہری پور ہزارہ۔ شیبا سیال آصفہ گل شاہ سیال نوشاب۔ ایمن سندھ۔ اسماء عطاریہ کراچی۔ کشمالہ سمیر خان پشاور۔ سیدہ فرحت کاظمی ننکانی۔ میرا علی کراچی۔ سیدہ کنزی زین منڈی بہاؤالدین۔ یاسمین عندلیب شورکوٹ کینٹ۔

ہما احمد
dkp@aanchal.com.pk

آنچل فرینڈز کے نام

ڈیئر فرینڈز! آپ کی بے لوث محبت اور دعائیں مجھ پر قرض ہیں اس وقت مجھے اپنی مما جو میری زندگی کا حاصل ہیں کے لیے آپ سب کی بہت سی پرخلوص دعائیں چاہئیں میری مما بینو اسپتال بہاول پور میں زیر علاج ہیں جہاں جہاں آنچل جائے اور جو جو میرا یہ پیغام پڑھے وہ پلیز میری مما کے لیے ضرور دعا کرے اور کروائے اللہ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔

نازیہ کنول نازی۔ ہارون آباد

پیاری آنی فرحت آرا مرحومہ کے نام

السلام علیکم! فرحت آنی کی وفات کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا۔ مجھے پہلے معلوم نہیں تھا۔ الفاظ ہیں کہ لکھے نہیں جارہے اور قلم ہے کہ میرا ساتھ نہیں دے رہا۔ میرا ان سے بہت پرانا تعلق تھا جو کئی سالوں پر محیط رہا۔ بہت کم عمری میں ہی آنچل سے وابستہ ہوئی۔ میری آج تک ان سے بات نہیں ہوئی مگر خط کا جواب پیار سے دیا کرتی تھیں۔ میرے الفاظ میرا ساتھ نہیں دے رہے کیسے سب کا دکھ کم کروں۔ اب ہم سب کا فرض ہے کہ آنچل کو اسی مقام پر رکھیں اور میری دعا ہے کہ آنچل کو ترقی ملے۔ اللہ پاک آنچل کے ہر قاری کو صبر عطا کرے اور آنی کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے آمین۔

سمیرا اشتاق ملک..... اسلام آباد

آنچل کے جگمگاتے ستاروں کے نام

پیاری عائشہ! آپ میری دوستوں کی لسٹ میں شامل ہو سکتی ہیں آپ کو اجازت ہے لیکن آپ سے رابطہ کیسے ہوگا؟ آپ کی دعا بہت پسند آئی وہی دعا میں آپ کے نام کرتی ہوں اب جلدی سے اپنا تعارف بھیج دو۔ حور ارم! یار مجھے بھی گھومنے پھرنے اور دنیا دیکھنے کا بہت شوق ہے لیکن صرف بحرین اور سعودیہ ہی دیکھا ہے۔ آئرلینڈ اور سوئٹزرلینڈ دیکھنے کا تو جنون ہے اور تم نے سوئٹزرلینڈ دیکھ لیا بہت لکی ہو تم۔ بشریٰ ملک! ہم دوست بھی ہیں یار۔ رہتی کہاں ہو جھنگ میں؟ اور جی پی تبسم! تمہارا اصل نام کیا ہے؟ میں بالکل ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟ ابمر یار! (عتبرین نواز) تم نے کوئی جواب نہیں دیا اگست میں برتھ ڈے تھی وش ہی کردیتیں؟ کہاں غائب ہوگئی ہو؟ الفت زہرا! دعاؤں کے لیے شکریہ اور زاہدہ ملک یار ہم عربی فیملی سے ہیں اور تم کون سے ملک سے یہ پتا نہیں اور اقصیٰ میڈم! تم سے تو کوئی توقع کرنا ہی فضول ہے وعدہ خلاف! بات مت کرنا مجھ سے تمہیں تو قدر ہی نہیں ہے بس اپنی مجبوریوں کی قیدی ہی رہنا۔ سارہ وحید بخاری آپ کا شکریہ مجھ پر قرض تھا بہت بہت شکریہ۔ ظل ہما (فیصل آباد) امید چوہدری (مری) اور سباس گل کے لیے ڈھیروں دعائیں اور عاصمہ ڈیئر! تم تو ہمیشہ میری دعاؤں میں رہتی ہو شک مت کیا کرو۔ آپ سب کی دعاؤں کی طالب آپ کی اپنی۔

ریحان ملک..... جھنگ صدر

جیون ساتھی کے نام

شاہد! آپ کو شادی کی سالگرہ کی ڈھیر ساری مبارک باد ایڈوانس میں۔ خدا آپ کو تندرستی صحت دے ہمیشہ میرے سر پر سلامت رکھے آپ کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں دے ساتھ مجھے اور میرے چاند سے بیٹے کو بھی (آمین)۔ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں شاہد!

(سیدہ شاہد)

پیاری کزنز اور فرینڈز کے نام

السلام علیکم! پیاری کزنز آسیہ اور معافیہ! امید ہے کہ تم دونوں ٹھیک ہوں گی اور آج کل بہت مصروفیت بھی ہے کیونکہ 25 ستمبر کو تمہاری شادی جو ہے اللہ تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں دے۔ میں نے سوچا کہ آنچل کے ذریعے تم دونوں کو شادی کی مبارک باد دوں میری اور آنچل کی طرف سے بہت بہت مبارک ہو نئی زندگی! اب تم آسیہ نواز اور معافیہ فیاض بننے جارہی ہو۔ میرے بھائیوں کو تنگ مت کرنا تم دونوں کی کوئی شکایت نا آئے سب چھوٹے گھر کو اپنا گھر سمجھنا اور خوشیاں تقسیم کرنا۔ دیکھا ہوتی نا پریشان آنچل میں نام پڑھ کر اللہ کرے کہ شادی کے بعد ہر دن تم دونوں خوشیاں پاؤ آمین اور ہاں صبا رانقہ جویریہ، صوبیہ، شانی، سنی تمہیں بہت بہت سلام اور سویٹ سی یار! واپس آ بھی جاؤ اب تم یو چندا اور کے پلیز دعاؤں میں یاد رکھنا اپنی سویٹ سی کزن کو اپنا خیال رکھنا رب راکھا۔

مدیحہ نورین مدوح..... برنالی

مائی سویٹ کزن کے نام

امید ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہوں گے اور لائف کو بھرپور انجوائے کررہے ہوں گے۔ ہیلو کزن! کیسے ہو؟ ہمساز تم دل کی بہت اچھی ہو۔ شاہ رخ بھی۔ مجھے تمہاری اوابری پسند ہے مائی جاپانی ڈول! تم سیرلیس ڈول جیسی ہو یار تمہاری شخصیت اچھی ہے صرف تھوڑا سا قد بڑھالو اور ہاں پنو! اب ذرا سلم ہوجاؤ (برا نہ ماننا مذاق ہے)۔ میری کیوٹ سسٹر میں تمہارے مزاج سے پل پل واقف ہوں۔ اب حیران ہونا چھوڑ دو۔ میری آخری گزارش تمام آنچل قارئین سے کہ اگر کوئی فرینڈ شپ کرنا چاہے تو خوش آمدید کیونکہ میں اس دنیا کی سب سے مظلوم لڑکی ہوں جس کا کوئی دوست نہیں۔ مجھے دوست کا پیغام آئے بہت پسند ہے۔ سائرہ، مریم، نازی آپی، کرن وفا، فرح طاہر، چندا، مشال، طاہرہ ملک اور جتنی بھی قارئین ہیں اگر آپ مجھے دوست بنالیں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ اپنا خیال رکھیں اور اپنے چاہنے والوں کا بھی فی امان اللہ۔

زویا خان..... اشرف نگر

سمیرا شریف طور کے نام

سمیرا جی کیسی ہیں آپ؟ پتا نہیں کیوں مجھے آپ کے اندر ہمیشہ سے ایک "چھوئی موئی" سی لڑکی چھپی نظر آتی ہے۔ وہ جو آپ کے کرداروں میں ہمیشہ آنکھ مچولی کھیلتی نظر آتی ہے۔ یہ بچی میری بہت من موہنی اور لاڈلی ہے اسے کبھی کھونے مت دیجیے گا۔ بہت اچھا لگتا ہے ان لوگوں سے ہم کلام ہونا جن سے ہمارا کسی رشتہ نہیں ہوتا تاہم پھر بھی دل کے بہت پاس ہوتے ہیں۔ آپ اچھا لکھتی ہیں اللہ آپ کو مزید بہتر سے بہترین کی طرف گامزن کرے۔ امید اور یقین یہی کہ میرے نوک قلم سے نکلے لفظ آپ کی نظروں کو گراں نہیں گزرے ہوں گے دعا گو۔

سویرا احمد کیانی..... گوجر خان

ایم جے صدا کے نام

کیسی ہیں آپ؟ پتا ہے آپ کی بہت بڑی فین ہے اور آپ سے دوستی کی خواہش مند ہے میں آپ سے بہت بہت بہت زیادہ محبت کرتی ہوں۔ میں جانتی ہوں آپ کے قابل تو نہیں ہوں مگر پھر بھی آپ سے دوستی کا پرخلوص رشتہ قائم کرنا چاہتی ہوں۔ پلیز آپ کے جواب کی منتظر ہوں چاہے وہ انکاری کیوں نہ ہو۔ مگر زندگی میں کبھی بھی کوئی مشکل ہو تو آنکھیں بند کرکے مجھے یاد کرلینا میں آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوں گی۔ مجھے آپ میری ہر بات پہ ثابت قدم پائیں گی تمام تر محبتوں، شدتوں اور چاہتوں سے آپ کے جواب کی منتظر۔

شاہ وقار..... لاہور

سید عاصم علی اور مسز عاصم علی کے نام

25 ستمبر کو آپ کی شادی کی سالگرہ ہے تو دونوں کو شادی کی سالگرہ بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ آپ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ مل کر ہنسی خوشی زندگی گزاریں جس میں کبھی غلط فہمی اور لڑائی جھگڑے کی گنجائش نہ ہو آمین۔ آپ دونوں کی جوڑی تاقیامت بنی رہے کسی حاسد کی نظر نہ لگے آپ دونوں میں مثالی محبت ہو آمین۔

سعدیہ عابد..... کراچی

اپنی کزنز، دوستوں اور رانا شاہ زاد کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آپ سب کا اور خصوصاً انا

حیدرآباد جانے کی اجازت دے دیں۔ باقی اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔

نائلہ اشفاق ..... کوٹ غلام محمد

سارہ یہ حمید بخاری کے نام

سویٹ سارہ یہ حمید کیسی ہو آپ؟ اصل میں مجھے آپ کو پچھلے ماہ جواب دینا تھا لیکن میں اپنے بھائی کی شادی میں بے حد مصروف تھی سو آپ کو جواب نہیں دے سکی' معذرت۔ جولائی کے شمارے میں آپ کا تعارف پڑھا' یقین کریں بہت بہت اچھا لگا اور اس بات کو پڑھ کر خوش گوار حیرت ہوئی تھی کہ آپ میرے بارے میں اتنا کچھ سوچتی ہو۔ اس محبت کے لیے شکریہ۔ آپ نے میرے تعارف کو پسند کیا اور اس بات سے متاثر ہو کر اپنا تعارف لکھ کر بھیجا مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے آپ میری تحاریر کو پسند کرتی ہیں اور میرے سوالات پڑھ کر آپ کو مزا آتا ہے شکریہ۔ ویسے پہلی بار آنچل میں کسی لڑکی کے لیے اتنے خوب صورت اور اچھوتے جذبات دیکھ رہی ہوں لیکن سارہ یہ ڈیئر! آپ نے جو مجھے فرینڈ شپ کی پیشکش کی ہے آئی ایم سوری یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ پلیز یار دلبرداشتہ مت ہونا۔ اصل میں مجھے دوستی راس نہیں آتی۔ زندگی نے مجھے تین چاہنے والی اچھی دوستوں سے نوازا تھا مگر وہ مجھ سے بچھڑ گئیں۔ اب میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ سو پلیز مجھے بے وفا یا مغرور مت سمجھنا آپ کی دعاؤں کی طلب گار شائل!

ثمائلہ اکرم ..... فیصل آباد

قابل احترام ٹیچر مظہر اقبال کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے؟ پیارے ٹیچر آپ کو پوری کلاس کی طرف سے 23 ستمبر کو سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زمین و آسمان کی ہر خوشی دے اور آپ کو لمبی زندگی دے اور ہم آپ کے علم سے اور دعاؤں سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین اور عید مبارک بھی آپ کی ساتھ کلاس۔

Happy Birth day to you 23th Sep!

ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا خدا حافظ۔

سدرہ سحر عمران کے نام

السلام علیکم! سدرہ جی! کیسی ہیں آپ؟ لگتا ہے بہت مصروف ہوتی جارہی ہیں' تبھی تو آنچل سے بالکل ہی غائب ہیں آج کل۔ ارے کہیں پیا دیس تو نہیں سدھار گئیں۔ بُرا مت منانا دراصل میں آپ کی تحریریں ہر ماہ بڑے شوق سے آنچل اور دوسرے پرچوں میں دیکھتی تھی مگر پچھلے کچھ عرصے سے آپ بہت غائب رہنے لگی ہیں۔ میں آپ کو اور روز ثمن سرگودھا کو رائٹرز کی لائن میں دیکھنے کی شدت سے خواہش مند ہوں مگر آپ لوگ اپنے کیریئر کے آغاز میں ہی پیچھے کی طرف ہٹ رہی ہیں کیوں؟ اچھا خاصا نام بنا کر آپ دونوں چپکے سے کیوں بیٹھ گئی ہیں؟ پلیز آپ لوگ اپنی سیٹ پہ واپس آ ئیں اور میرے پیار بھرے خط کا تسلی بخش جواب ضرور دیں۔ ارے ہاں سسٹر مہناز! یار ویری سوری اس بار تجھے برتھ ڈے وش نہیں کر سکی۔ آنچل کی سفارش کے ساتھ معاف کر دینا۔ البتہ ناصر بھائی کو بارہ جنوری برتھ ڈے ابھی سے بہت بہت مبارک ہو۔ ناصر بھائی پریشان مت ہوں بابا ے ایس ایم ایس بھی وش کروں گی۔ ہاں آپ میری بیعقہ کو [illegible] برتھ ڈے وش کرنا مت بھولیے گا۔ مریم [illegible] یاد ہو نے کتابیں کہیں گدھا گاڑی پہ تو نہیں [illegible] تک جلالپور سے یہاں نہیں [illegible] کزن اپنا خیال رکھنا اور آصف سے [illegible] نہیں شیخ نہ بن جائے (کنجوس والا)۔

مہناز شازیہ سیال ..... خانیوال

سمیرا شریف طور کے نام

[illegible] میں آپ کو ایک خط پہلے لکھ چکی ہوں لیکن زیادہ [illegible] آپ کا نام لکھنا ہی بھول گئی۔ مجھے بھی آپ سے وہی عام سا سوال کرنا ہے جو تقریباً لوگ کر چکے ہیں کہ آپ زندگی سے اتنا مایوس کیوں ہیں۔ زندگی کا تو کسی کو نہیں پتا کہ کتنی باقی ہے۔ آپ کو پڑھنے سے پہلے مجھے یہ خط وغیرہ فضول ہی لگتے تھے لیکن میں اب صرف آپ



جعفر خان ..... کھلابٹ ٹاؤن شپ

دوستوں کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو میں آنچل کے ذریعے ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مجھے دعاؤں میں یاد رکھا اور اپنی محبتوں سے نوازا۔ اس کے بعد شازیہ حسام اور بشریٰ ملک' باجی بٹ' ہما اور ندا اعجاز کو امتیازی نمبر حاصل کرنے پر اور سلمیٰ گل 2 ایوارڈز جیتنے پر ڈھیروں مبارک باد قبول کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے آمین۔ نیک تمناؤں کی منتظر۔

چندا مثال ..... قصور

عزیز از جان کزن کول کے نام

السلام علیکم! ڈیئر کول پلیز ذرا حواس قائم رکھنا۔ اپنے نام میرا پیغام دیکھ کر بے ہوش نہ ہو جانا۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارا دل چڑیا جتنا ہے خیر تمہیں تمہاری سالگرہ کی مبارک باد دینے کے لیے میں نے سوچا کوئی منفرد انداز اختیار کیا جائے۔ میں نے کہا تھا نا تمہاری سالگرہ پہ میں تمہیں حیران کردوں گی تو یہ پہلا سرپرائز ہے۔ دوسرا سرپرائز 2 ستمبر کو ملے گا دیکھتی جانا بس.....! اگرچہ اس سالگرہ پہ ماموں جان یعنی تمہارے پاپا جانی تمہارے ساتھ نہیں ہوں گے یہ تمہاری ماموں جانی کے بعد پہلی سالگرہ ہے ساون کی اداس تو کرے گی لیکن تم رونا نہیں ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے آمین۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی عطا کرے۔ تمہارے چاروں طرف بہاروں کا رقص ہو۔ خزاں کبھی تمہارے قریب بھی نہ آئے اور تم ایک خوشیوں بھری زندگی گزارو اپنے من پسند ہم سفر کے ساتھ آمین۔ اب اللہ حافظ ڈیئر! دعا گو تمہاری کزن۔

(عاصمہ شہزادی)

کے نام لکھے گئے خط باقاعدہ سے پڑھنے لگی ہوں بلکہ خود بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ کو خط لکھنے لگی ہوں اور تو اور میں نے تو آنچل آفس فون بھی کر دیا تھا پر ان بے چاروں نے مجھے کیا بتا دینا تھا۔ کاش سمیرا جی! آپ کو میرا خط مل جائے تو دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح میں بھی یہی خواہش کروں گی کہ بے شک ایک لفظ میں ہی آپ میرے خط کا جواب دے دیں۔ آپ پلیز [illegible] چھوڑیے گا اس لکھنے کی وجہ سے [illegible] آپ بہت سارے دلوں پر راج کر رہی ہیں۔ [illegible] بہت بڑی تو نہیں لیکن چھوٹی موٹی فین ضرور ہوں لیکن آپ کی زندگی کے لیے بہت دعا گو [illegible] اللہ [illegible] تمام نیک خواہشات پوری کرے اور [illegible] کو دونوں جہانوں کی کامیابی عطا کرے آمین۔

(مشعل ذاکر)

عابدہ ملک (دیپال پور) اور آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب آنچل فرینڈز؟ زاہدہ ملک پلیز جولائی کے آنچل میں سائرہ ننکزیال کا پیغام پڑھ کر میسج کرو۔ شگفتہ خان نوئی 21 ستمبر کو تمہاری سالگرہ ہے بہت بہت مبارک باد اور جن آنچل فرینڈز نے سائرہ مشتاق ننکزیال کو دوستی کے پیغام بھیجے تھے وہ بھی زاہدہ ملک والا طریقہ استعمال کریں۔ میری تمام آنچل فرینڈز کو میرا سلام قبول ہو اللہ حافظ۔

بشریٰ باجوہ ..... اوکاڑہ

پیاری سی دوست فرحانہ کے نام

جان سے بھی زیادہ پیاری دوست فرحانہ! دوست کا سلام قبول ہو۔ کیسی ہو؟ نئی زندگی کی شروعات کیسی لگی۔ کراچی کا پانی راس آیا کہ نہیں اور دلہا بھائی کی سناؤ تمہارا خیال تو رکھتے ہی ہیں نا! انہیں بھی سلام کہنا اور ہمیں بھول نہ جانا' میری دعائیں ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہاری بے حد کمی محسوس ہوتی ہے ان شاء اللہ جلد ملیں گے۔ اپنا اور دلہا بھائی کا ڈھیر سارا خیال رکھنا اور تمام گھر والوں کو میرا سلام کہنا پھر ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

# آپ کی پسند

زہرہ جبیں
akp@aanchal.com.pk

افشاں کی پسند...... مانچسٹر سے
محبت کچھ نہیں ہوتی

محبت کچھ نہیں ہوتی
ہجر کا خوف بھی مطلب
وصل کا خواب بے معنی
نگاہوں میں کوئی صورت
کہاں دن رات رہتی ہے؟
محبت کچھ نہیں ہوتی
وہ خاموشی کیسی ہوتی ہے؟
کہ جس میں بات رہتی ہے
یہ آنسو بے زبان آنسو
بھلا کیا بول سکتے ہیں؟
اور اس کی نرم پلکوں پہ
نمی دن رات رہتی ہے
محبت کچھ نہیں ہوتی
مجھے اکثر وہ کہتا تھا
محبت کچھ نہیں ہوتی
مگر......!

جب آج برسوں بعد
میں نے اس کو دیکھا ہے
تو اب اس کی نگاہوں میں
ہجر کا خوف رہتا ہے
وصل کے خواب سجتے ہیں
یوں لگتا ہے کہ برسوں سے
وہ سویا بھی نہیں شاید
یوں لگتا ہے کسی کی یاد برسوں سے
اسے دن رات رہتی ہے
اور اس کی خاموشی ایسی
کہ جس میں بات رہتی ہے
اور اس کی جھیل آنکھوں کے
حسین سائے بھی گیلے ہیں
مجھے اب وہ نہیں کہتا
محبت کچھ نہیں ہوتی!

شگفتہ خان کی پسند...... بھلوال سے
اس عید پہ لوٹ کے آ جانا
(طاہرہ کے نام)

اس عید پہ لوٹ کے آ جانا
کچھ یادیں تازہ کرنی ہیں
کچھ لمحے موڑ کے لانے ہیں
کچھ تارے توڑ کے لانے ہیں
وہ مستی اور مدہوشی
وہ بچپن موڑ کے لانا ہے
اس عید پہ لوٹ کے آ جانا
اب دل کو دل کی دھڑکن سے
پھر عید مبارک کہنا ہے
اب ساتھ بہت دن رہنا ہے
اس عید پہ لوٹ کے آ جانا

نازش خان کی پسند...... خانیوال سے
نظم

دعائیں مستجاب ہوتی ہیں
فقط یہ ضد ہی رکھا تھا
کہیں مانگا دعاؤں میں
تمہارا مجھ سے مل جانا
ان دعاؤں کی بدولت ہے
ہاں میرا اب یقین پختہ ہے
میرا ایمان کامل ہے
دعائیں مانگ کر دیکھو
دعائیں مستجاب ہوتی ہیں

نوشین عرفان کی پسند...... جہلم سے

ساحل اداس تھا کہ سمندر اداس تھا
لگتا تھا کہ جیسے سارا ہی منظر اداس تھا
لوٹی فلک سے تو بڑی دلگیر تھی دعا
اک خواب ٹوٹنے پہ مقدر اداس تھا
پھر چاند لگا کر گلے رو پڑی گھٹا
ایسا لگا طوفان بھی فلک پہ اداس تھا
میری تباہیوں پہ اسے بھی ملال تھا
آئینہ خود کا توڑ کے پتھر اداس تھا
جو گھر میں سب کی ہنسی ہنستا رہا
وہ دل اسی کی بزم میں جا کر اداس تھا

ارسہ عرفان کی پسند...... عارف والا سے
نظم

چلو پھر ڈھونڈ لائیں ہم
اسی معصوم بچپن کو
انہی معصوم خوشیوں کو
انہی رنگین لمحوں کو
جہاں غم کا پتا نہ تھا
جہاں دکھ کی سمجھ نہ تھی
جہاں بس مسکراہٹ تھی
بہاریں ہی بہاریں تھیں
کہ جب ساون برستا تھا
تو اس کاغذ کی کشتی کو
بنانا اور ڈبو دینا
بہت اچھا سا لگتا تھا
اور اس دنیا کا ہر چہرہ
بہت سچا سا لگتا تھا
چلو پھر ڈھونڈ لائیں ہم
اسی معصوم بچپن کو

ستارہ جاوید کی پسند...... کراچی سے

کبھی ناراض مت ہونا
گلے چاہے بہت کرنا
رلانا اور بہت لڑنا
سنو! ناراض مت ہونا
کبھی ایسا جو ہو جائے
میں تیری یاد سے غافل
کسی لمحے جو ہو جاؤں
بنا دیکھے تیری صورت
کسی شب میں جو سو جاؤں
تو اسپنوں میں چلے آنا
مجھے احساس دلا جانا
مگر......!
ناراض مت ہونا

حسن بلوچ کی پسند...... بلوچستان سے

ہجر کا تارا ڈوب چلا ہے ڈھلنے لگی ہے رات وہی
قطرہ قطرہ برس رہی ہے اشکوں کی برسات وہی
تیرے بعد یہ دنیا والے مجھ کو پاگل کر دیں گے
خوش بُو کے اس دیس میں لے چل مجھ کو اپنے ساتھ وہی
یونہی چپ کی مہر لگا کر کب تک گم سم بیٹھو گے
خاموشی سے دم گھٹتا ہے چھیڑو کوئی بات وہی
آج تو اس کا چہرہ بھی کچھ بدلا بدلا لگتا ہے
موسم بدلا، دنیا بدلی، بدل گئے حالات وہی
میرے گھر میں خوش بُو کا یہ رقص اسی کے دم سے ہے
اس کے ساتھ چلی جائے گی پھولوں کی برسات وہی
چھوڑ وہی اب اس کی یادیں تجھ کو پاگل کر دیں گی
تو قطرہ ہے وہ دریا ہے دیکھ اپنی اوقات وہی

# ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

بشریٰ ملک، مائرہ ملک...... فیصل آباد

س: اس عید پر ملنے والا ہم کو سب سے پیارا اور خوب صورت گفٹ کون سا ہوگا؟
ج: آنچل
س: میں اور مائرہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے، پتا نہیں آپ کیوں اپنی اپنی سی محسوس ہوتی ہیں۔
ج: ہم سب بھی ہماری اپنی ہو۔
س: عید کے چاند میں اور ہمارے چاند میں کیا فرق ہے؟
ج: عید کا چاند سال کے سال نظر آتا ہے اور آپ کا چاند ہر وقت چھت پر۔

رومان ملک...... جھنگ صدر

س: آپی 16 اگست کو ہماری سالگرہ تھی آپ نے وش کیوں نہیں کیا؟ جائیے ہم آپ سے نہیں بولتے۔
ج: چلو ہم اب تمہیں دعا دے دیتے ہیں۔
تم جیو ہزاروں سال
سال کے دن ہوں پچاس ہزار
س: آپی "بندر کیا جانے ادرک کا سواد" کیا بندر ادرک نہیں کھا سکتا یا اسے ادرک کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا؟
ج: یہ تو تم بندر سے پوچھو۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

س: شمائلہ جی! جس طرح ہر دکھ کے بعد سکھ اور ہر تکلیف کے بعد خوشی ملتی اسی طرح روزوں کے بعد ایک سنہرا دن یعنی عید ہماری منتظر ہے کیوں؟ ٹھیک کہا نا!!
ج: بالکل ٹھیک! عید روزے داروں کا انعام ہوتی ہے۔
س: شمائلہ جی! اب کسی اچھی سی دعا کے ساتھ اجازت دیں؟
ج: اللہ پاک زندگی کی ہر خوشی آپ کا مقدر کرے آمین۔

فرخندہ فیض...... گجرات

س: اپیا! پہلی بار آنے کی جسارت کی ہے آ جاؤں یا پھر واپس لوٹ جاؤں؟
ج: بالکل آ جاؤ۔ خوش آمدید۔
س: اپیا! پاکستان میں لوڈ شیڈنگ ختم نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟
ج: ہم لوڈ شیڈنگ کے عادی ہو جائیں گے۔

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

س: کیا دنیا واقعی گول ہے؟
ج: سائنس نے تو یہی ثابت کیا ہے۔
س: یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے......؟
ج: یہ تو شاعر کو بھی معلوم نہیں تھا۔

طیبہ حنیف بٹ...... سمندری

س: اپیا تھوڑی سی چھٹیاں کر کے آپ کے گھر تشریف لائی ہوں، تھوڑی سی بیٹھنے کو جگہ دیں گی کہ کمرے میں کھڑا رکھیں گی؟
ج: یہ آنچل کی محفل ہے۔ کلاس روم نہیں ہے جناب!
س: اپیا اس شرط پہ بیٹھوں گی کہ آپ مجھے اپنے ساتھ والی کرسی پر جگہ دیں گی کیا منظور ہے؟
ج: ہم آپ کے لیے اپنی کرسی خالی کر دیتے ہیں۔ اب خوش!

مسکان...... جام پور

س: جس کی آمد کا سن کر دل عجیب سی لے پر دھڑکتا ہے بتائیں کون ہے؟
ج: رشتہ۔
س: کسی سے کوئی بات کہنے کو دل مجبور کرے اور دماغ خطرے کا الارم بجائے تو کیا کریں؟



ج: لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے
س: آپی کوئی دوست دور جا کر ہمیں بھول جائے اور ہمیں اتنی ہی شدت سے اس کی یاد آئے تو بتائیں کیا کریں؟
ج: کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا

کرن صبا...... سکھر

س: پہلی بار آئی ہوں دو گز زمین کا ٹکڑا آپ کی محفل میں مل سکتا ہے؟
ج: ساری محفل آپ کی اپنی ہے جہاں جی چاہے بیٹھ جائیں۔
س: کسی نے کہا شمائلہ جی کو دلدار سمجھ کے
انہوں نے پھینک دیا بے کار سمجھ کے
شاعرہ بننے کی کوشش میں کس حد تک میں کامیاب ہوئی؟
ج: بھاگ لو۔ انڈے ٹماٹر برسنے والے ہیں۔

مدیحہ نورین ماہی...... برنالی

س: دل کی لگی بجھا اور بھی دل کو......؟
ج: گھائل کر دیتی ہے۔
س: دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور تقدیر سے......؟
ج: تدبیر مات کھا جاتی ہے۔
س: ایسی دعا دیں کہ ہمیشہ یاد رکھوں؟
ج: جیتی رہو۔ خوش رہو آباد رہو۔

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

س: کیسی ہیں آپ؟ امید ہے فٹ فاٹ ہوں گی، میری پہلی بار آمد کیسی لگی؟
ج: بہت خوشی ہوئی اب آتی جاتی رہنا۔
س: آپی! جب کوئی بہت زیادہ یقین دلائے اور کہے کہ مجھے محبت ہے آپ سے تو کیا یقین کر لینا چاہیے، ویسے دنیا اعتبار اکثر توڑ دیتی ہے؟
ج: امید پر دنیا قائم ہے۔ آنکھیں بند کر کے یقین کر لو۔
س: آپی میں نے اسے کہا بہت مارتی ہوں کیا برداشت کر لو گے مجھے تو اس نے کیا کہا؟
ج: مجھے پتا ہے کہ تم ٹیچر ہو۔
س: آپی! وہ بہت انتظار کرواتی ہے بھلا کون؟
ج: بجلی

انعم خان...... ہری پور ہزارہ

س: السلام علیکم شمائلہ آپی! اپنا حال بتانے سے قبل پلیز بتائیں کہ اتنے زیادہ سوالات کے جوابات دیتے وقت آپ کے قلم کی سیاہی کم تو نہیں پڑتی؟
ج: وعلیکم السلام! سرخ قلم استعمال کرتے ہیں، سو سرخی ضرور کم پڑ جاتی ہے۔
س: آپی! اگر سلسلہ ہوتا "انعم سے پوچھیے" تو سچ سچ بتائیں آپ مجھ سے کیا پوچھتیں؟
ج: ہم پوچھتے کہ تم غائب کہاں ہو جاتی ہو؟
س: ڈیئر آپی! یہ شوہر حضرات بھلے دل میں بیویوں کے لیے پیار و جذبات رکھتے ہوں مگر ایویں رعب جھاڑنے کا شوق کیوں رکھتے ہیں؟
ج: جو محبت کرتے ہیں ان کی ڈانٹ ڈپٹ سن لینے میں کوئی حرج نہیں۔
س: آپی! اچانک میری سانس رکی، دھڑکن تھمی جب......؟
ج: آنچل میں تمہارا افسانہ شائع ہوا۔

ماریہ قریشی، منزہ قریشی...... گاؤں چھمن چوترہ

س: جب مسلسل کامیابیاں مل رہی ہوں اور اچانک ناکامی مل جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: کامیابیوں پر شکر اور ناکامی پر صبر۔
س: انہی پتھروں پہ چل کے اگر آ سکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کہیں کہکشاں نہیں ہے
شعر کا جواب شعر میں دیں؟
ج: ان ہی راستوں نے جن پہ کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک کے پوچھا تیرا ہم سفر کہاں ہے

س: وہ کون سی تین چیزیں ہیں جو انسان کو سوچ سمجھ کر اٹھانی چاہئیں ان میں سے ایک میں لکھ دیتی ہوں باقی آپ مکمل کریں؟
ج: قلم۔ قدم۔ سر۔
سعیہ کنول...... فیصل آباد
س: آپی عید کے دن آپ لوگ گھر آئے مگر آپ نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔ بھلا کیوں؟
ج: ہم عید کا دن سو کے جو گزارتے ہیں۔
س: آپی جو لوگ ہمیں پسند نہیں ہوتے ان سے کس طرح بچنا چاہیے؟
ج: لوگوں سے بچو نہیں ان میں محبت بانٹو" سمجھیں!
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر
س: جو کرتے تھے عمر بھر ساتھ نبھانے کے وعدہ اس ذرا سی پیکٹ جانے سے خفا ہو گئے
ج: اس پیکٹ میں ان کی پے منٹ (تنخواہ) جو تھی۔
س: کیا آپ کی بھی آنکھیں چار ہوئی ہیں؟
ج: ہماری آنکھیں چار ہی ہیں (عینک لگا کر)۔
زویا خان...... کراچی
س: مخلص لوگوں کی پہچان کیسے ہوتی اور کرپٹ لوگوں کی کیسے؟
ج: اچھے بُرے لوگوں کی پہچان ہوتی تو کوئی دھوکا نہ کھاتا۔
س: دنیا اتنی بے سکون کیوں ہے ہر کوئی سکون کی تلاش میں ہے یہ کہاں ملے گا؟
ج: سکون انسان کو نہ ہو تو کہیں نہیں مل سکتا۔
اُمیمہ رباح (جانو)...... ڈی جی خان
س: اپیا! اپنی اس چھوٹی سی فرینڈ کو بھول گئیں یا یاد رکھا؟
ج: تم سب ہماری اپنی ہو۔ بھولنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔
س: دوست لوگوں کو ہم سے بہت سی شکایتیں ہیں آپ بتائیں ہم کیا کریں اب؟
ج: ان کی شکایتیں دور کرو۔
س: اگر کوئی دوست ہم سے جھوٹ بولے تو ہم کیا کریں ان کا؟
ج: دوستوں کو ان کی خامیوں سمیت اپناؤ کہ مکمل تو کوئی بھی نہیں ہے اس جہاں میں۔
ظل ہما...... فیصل آباد
س: آج کل کے دور میں سب سے زیادہ ناقابل یقین بات کیا ہوگی؟
ج: مہنگائی کا گراف نیچے آ گیا۔
س: گدھے کے سینگ کب غائب ہوئے تھے؟
ج: یہ تو گدھے کو بھی نہیں پتا چلا تھا۔
س: اگر آپ کو پاکستان کی وزیراعظم بنا دیا جائے تو......؟
ج: تو سب سے پہلے ملک سے بدامنی مہنگائی اور رشوت خوری کا خاتمہ ہوگا۔
رابعہ عطاریہ/ سماء عطاریہ/ رقیہ عطاریہ...... کراچی
س: آپی! مجھے ہر ماہ اس کا انتظار رہتا ہے؟ بھلا کس کا؟
ج: ظاہر ہے آنچل کا۔
س: کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے؟
ج: کہ لاہور سے پہلے ساہیوال آتا ہے۔
[illegible]
س: آپی [illegible] کریں؟
اس عید [illegible] سکے ہم تو کیا ہوا؟
ج: جذبوں میں ہو خلوص تو عیدیں ہزار ہیں۔
س: آپی عید آئی ہے ہم نے دل کا دروازہ کھلا ہوا رکھا ہے کیا آپ آنا پسند کریں گی؟ شیر خرما بھی تیار ہے۔
ج: بہت شکریہ! ہمیں پتا ہے آپ کھانا اچھا پکاتی ہیں۔



# کام کی باتیں

حنا احمد

## وضو اور سائنس

(گزشتہ سے پیوستہ)

**کانوں کا مسح:**

وضو میں گردن کا مسح کرنے سے جسم کو ایک خاص توانائی نصیب ہوتی ہے۔ جس کا تعلق ریڑھ کی ہڈی کے اندر حرام مغز Spinal Marrow اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے۔ کیونکہ جب کوئی نمازی گردن کا مسح کرتا ہے تو ہاتھوں کے ذریعے برقی رو نکل کر حبل الورید Spinal Cord ذخیرہ ہو جاتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی سے گزرتے ہوئے جسم کے پورے اعصابی نظام کو توانائی بخشتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہی حبل الورید Jugular Vein ہے جس کو "رگ جان" بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میں رگ جان سے زیادہ قریب ہوں"۔

گردن کا مسح کرنے سے بڑھاپے میں رعشہ (سر ہلتے رہنا) کی شکایت نہیں ہوتی کیونکہ جہاں گردن کا مسح کیا جاتا ہے وہیں میڈولا ہوتا ہے پانی سے تر ہاتھ لگنے سے وہاں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور میڈولا میں لچک برقرار رہتی ہے۔ گردن اور کانوں کی پشت پر ٹھنڈا ہاتھ پھیرنے سے ان کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور تکان دور ہوتی ہے۔ گردن کا مسح کرنے سے لولگنا (Sun Stroke) اور گردن توڑ بخار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ انسان کے دماغ سے منتقل پورے جسم میں جاتے ہیں۔ جس سے ہمارے تمام اعضاء کام کرتے ہیں۔ لہٰذا دماغ سے بہت سی باریک رگیں Conductor بن کر آ رہی ہیں جو ہماری گردن کی پشت سے ہوتی ہوئی پورے جسم کو جاتی ہیں۔ جسم کے اس حصے کے خشک رہنے کی وجہ سے بعض اوقات ان رگوں میں خشکی Condensation پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے بہت سی جسمانی اور نفسیاتی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا ماہرین کی رائے میں دن کے مختلف اوقات میں گردن کی پشت کو متعدد بار تر کیا جانا چاہیے۔

**پاؤں دھونا:**

چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اور گرد و غبار پڑتا رہتا ہے لہٰذا پاؤں دھونے سے پاؤں صاف ہو جاتے ہیں۔ ان کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے۔ اگر پاؤں پر موزے پہنے ہوں تو ایسے میں اکثر بند جوتے استعمال کیے جاتے ہیں جن کو زیادہ دیر اگر استعمال کیا جائے تو عفونت یا سڑانڈ پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات پاؤں پک بھی جاتے ہیں۔ ایسے میں پاؤں دھونا ان مسائل سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔ ہتھیلیوں کی طرح پاؤں کے تلوؤں کا بھی تمام اعصاب خاص طور پر پیٹ، مثانہ، گردے، تلی، تلی اور جگر سے تعلق ہوتا ہے اور ان غدود سے بھی تعلق ہوتا ہے جس کی بدولت بھوک کی کمی، تیز بخار، اسہال، نکسیر، عرق النساء، بواسیر، یرقان وغیرہ میں شفایابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ دماغ قبول اطلاعات کا مرکز ہے اور یہ اطلاعات عصبی برقی لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اطلاع کی ہر لہر اپنا وجود رکھتی ہے اور وجود کا مطلب متحرک رہنا ہے۔ قانون قدرت ہے کہ روشنی ہو یا پانی کے لیے بہاؤ ضروری ہے اور کسی بہاؤ کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مظہر بنے اور خرچ ہو۔ اس لیے جب کوئی نمازی پیر دھوتا ہے تو زائد روشنیوں (محرکات) کا ہجوم پیروں کے ذریعے (Earth) ہونے سے جسم کو اعتدال نصیب ہوتا ہے۔

وضو اچھی صحت کا بہترین نمونہ:۔

ڈاکٹر ہوک نور باقی (ترک) اپنی معترکۃ الآرا کتاب قرآنی آیات اور سائنسی حقائق میں لکھتے ہیں کہ "ایک دن آئے گا جب کہ غیر مسلم بھی اسلامی طہارت یا وضو کی ان کے حیرت انگیز فوائد اور حقائق کی بنیاد پر ضرور نقل کریں گے۔ جن کی برکات سے بغیر احساس مسلمان چودہ صدیوں سے استفادہ کرتے آرہے ہیں۔

ہما ایوب شیخ...... عارف والا

کیلے کے فائدے

گرمی کی وجہ سے اگر پیاس کی زیادتی ہو جائے تو کیلا تشنگی کو فائدہ دیتا ہے۔

بدن کی خشکی کو دور کرنے میں کیلا اکسیر ہے۔

کیلے کے تنے کا رس سونگھنے سے نکسیر کا عارضہ جاتا رہتا ہے۔

کیلے کی جڑ کے پانی میں گھی اور شکر ملا کر پینے سے گلے کی خراش کو فائدہ ہوتا ہے۔

خارش اور گنج کے لیے سرکہ، لیموں کے رس کے ساتھ اس کا لیپ کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔

سمیرا اشتاق ملک...... اسلام آباد

ہاتھوں کی حفاظت

۱۔ بالائی میں لیموں کے چند قطرے اور چٹکی بھر ہلدی ملا کر ہاتھوں اور بازوؤں کی مالش کریں۔ بہت نرم اور صاف ستھرے ہاتھ ہو جائیں گے۔

۲۔ تھوڑی سی چینی میں تھوڑا سا سرسوں کا تیل لے کر ہاتھوں پر مالش کریں۔

۳۔ دہی اور بیسن مکس کر کے ہاتھوں اور بازوؤں پر مالش کریں۔

۴۔ بالائی میں گیہوں کا آٹا مکس کرکے پیسٹ بنا لیں۔ پھر اس کو ہاتھوں اور بازو پر ابٹن کی طرح ملیں۔ پھر اس کا جادوئی اثر دیکھیں۔

جلد کی حفاظت:۔

۱۔ آلو کے چھلکے جسم پر رگڑنے سے جلد نرم ہو جاتی ہے۔

۲۔ مولی کے رس میں تھوڑا دہی ملا کر چہرے پر لگانے سے چہرہ ریشمی اور چمک دار ہو جاتا ہے۔

۳۔ چنے کے آٹے میں پانی اور تھوڑا سا گھی ملا کر جسم اور منہ پر مالش کرنے سے جلد گوری اور چمک دار ہو جاتی ہے۔

دانتوں کی حفاظت:۔

۱۔ پیاز کھانے سے دانت سفید ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دانت اگر پیلے ہو گئے ہوں تو پسا ہوا نمک اور کھانے کا سوڈا ملا کر دانتوں پر ملنے سے پیلاہٹ دور ہو جاتی ہے۔

طلیبہ شیریں...... کوری خدا بخش

معدے کی تکلیف کا علاج

ملٹھی اور ہلدی کی ایک ایک پاؤ گھنڈیاں بازار سے خرید لیں۔ پہلے انہیں دھوپ میں دو تین گھنٹے کے لیے رکھیے پھر علیحدہ علیحدہ کوٹ کر چھان لیں ایک پاؤ دیسی سونف بھی اچھی طرح صاف کر کے باریک پیس لیں۔ اب پسی ہلدی، ملٹھی اور سونف ایک ایک چھٹانک لے کر اچھی طرح ملا کے اور شیشی میں ڈال لیں دوا تیار ہے۔ جب ختم ہو جائے تو چھٹانک کے لحاظ سے دوبارہ تیار کر لیں۔

ترکیب استعمال:۔ صبح نہار منہ آدھا چمچ سونف پانی کے ساتھ کھائیے اور آدھے گھنٹے بعد ناشتہ کر لیں۔ مکمل آرام آنے تک استعمال جاری رکھیں۔ مسالہ مرچ بہت کم استعمال کریں اور کھانے کے بعد دہی اور تھوڑی سی سالم سونف بھی چبا لیا کریں۔ مفید نسخہ ہے۔

طلیبہ نذیر...... شادیوال گجرات



# تندرستی نعمت ہے

لبابہ احمد

## بچوں کو دائیں بازو میں اٹھائیں یا بائیں میں

ماں عورت کا وہ خوب صورت روپ ہے جو کسی بھی قوم معاشرے اور تہذیب میں محترم و مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ممتا میں وہ فطری جذبہ رکھا ہے جس کی پیمائش کا کوئی پیمانہ نہیں۔ ان کے (ماؤں) روز مرہ کے بعض معمولات ایسے ہیں جن پر شاید ہی کبھی غور کیا گیا ہو۔ مثلاً مائیں بچوں کو دائیں طرف اٹھائیں یا بائیں طرف اور کیا دائیں طرف اٹھانے والی مائیں اپنے بچوں سے زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہیں یا بائیں طرف اٹھانے والی، تجربے سے پتا چلا ہے کہ بچوں کو دائیں بازو پر اٹھانے والی مائیں ان کی (بچوں) توجہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس ماؤں کی اکثریت بچوں کو تسکین پہنچانے کے لیے بائیں بازو پر اٹھاتی ہے۔

بچوں کو دائیں طرف اٹھانا کوئی ایسا غلط بھی نہیں مگر پرانا نظریہ ہے کہ فطری طور پر اچھے والدین وہ ہیں جو بچے کو بائیں بازو پر اٹھاتے ہیں۔ قدیم تہذیبوں کے آرٹ کے نادر نمونوں میں بھی عام طور پر ماؤں کو بچے بائیں بازو پر اٹھائے دکھایا گیا ہے۔ جدید دور میں چند نامور خواتین جن میں جمائما عمران خان بھی شامل ہیں بچوں کو بائیں بازو پر اٹھاتی ہیں۔ 30 فیصد مائیں بچوں کو دائیں طرف اٹھاتی ہیں ماہرین نفسیات کی نظر میں مشتبہ ہیں۔ دائیں طرف بچوں کو اٹھانے والوں میں آنجہانی لیڈی ڈیانا اور بروک لین کے والدین بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹروں کی دلیل یہ ہے کہ "اچھی" مائیں اس یقین کے ساتھ نومولود کو بائیں طرف اٹھاتی ہیں کہ بچے کا بایاں کان دماغ کے دائیں جانب منسلک ہوتا ہے جو جذبات کو کنٹرول کرتا ہے وہ ماں کی محبت و شفقت کے جذبات کی مترنم آواز سننے کے لیے آزاد ہوتا ہے۔ ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بچے کو دائیں جانب اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ بچے کا ایک کان ماں کے دل کے قریب ہوتا ہے اور وہ (بچہ) ماں کے دھڑکن کی ہلکی آواز محسوس کر سکتا ہے۔

سویڈن کے سائنس دان دائیں طرف اٹھانے والی ماؤں کے لیے کہتے ہیں کہ یہ بچے زیادہ عرصے تک ماؤں سے چمٹے رہتے ہیں جس سے نفسیاتی مسائل میں اضافہ کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ابرڈین یونیورسٹی میں شعبہ نفسیات کی ڈاکٹر روجار لیس لینڈ درج بالا نظریات کو مسترد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ دائیں طرف بچے اٹھانے والی مائیں وجدانی طور پر اپنی آواز کے اتار چڑھاؤ سے بچے پر اپنی توجہ میں اضافہ کرتی ہیں۔ اپنی اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے سوال کیا کہ پھر



w w w.p a k s o c i e t y.c o m

لیڈی ڈیانا کی بہت ساری تصویروں میں اپنے بچوں کو دائیں طرف اٹھائے کیوں دکھایا گیا ہے۔ان کی دلیل ہے کہ دراصل شہزادی فطری طور پر چاہتی تھیں کہ ان کے بچے چست اور ہوشیار ہوں۔کوئی بھی ماں بچے کو کسی ایک طرف اٹھانے کے حق میں نہیں ہوسکتی اور عام صورت حال میں لوگ دائیں طرف اٹھانے کے حق میں بھی ہوسکتے ہیں۔ڈاکٹر روجا کا کہنا ہے کہ بچے دل کی دھڑکن نہیں سن سکتے' یہ آواز ہی بے جواہمیت کی حامل ہے۔جب مائیں بچوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ کھیلتا تصویر بنوانا چاہتی ہیں تو بچوں کو دائیں طرف اٹھانے کا رجحان زیادہ دیکھا گیا ہے۔ڈاکٹر روجانے 3 سے 12 ماہ کے بچوں کی 45 ماؤں پر ایک سروے کیا جس سے پتا چلا کہ ان میں سے صرف 13 مائیں بچے کو دائیں طرف 18 بائیں اور 14 مائیں بچوں کو دونوں طرف سے اٹھاتی ہیں۔روجا کو اس دوران یہ بھی پتا چلا کہ مائیں بچے کو دائیں طرف اٹھاتے وقت اپنی آواز غیر ارادی طور پر بلند کرتی ہیں۔

جڑواں بچوں والی ماؤں کے لیے دائیں بائیں طرف اٹھانے کا سوال ذرا مشکل ہے۔جڑواں بچوں کی ایک ماں نے بچوں کو دائیں یا بائیں طرف اٹھانے کے سوال پر کہا کہ یہ عجیب مسئلہ ہے میں دائیں یا بائیں کے بارے میں نہیں سوچتی اور ایک وقت میں ایک ہی بچے کو دائیں طرف اٹھاتی ہوں۔میری آواز اچھی نہیں اس لیے بچہ اٹھاتے وقت میں آواز نکالتی بھی نہیں۔جب مجھے کچھ سہانے لمحات میسر آتے ہیں تو اس دوران میں بچوں کو ٹیپ ریکارڈر پر گانے سناتی ہوں اور اگر سونے کا وقت ہے تو لوری سناتی ہوں۔

یونیورسٹی آف ویلز کے دماغی نفسیات کے ماہر ڈاکٹر اولیور ٹرنبل جنہوں نے بچوں کو اٹھانے کے مختلف نظریات پر کام کیا ہے۔کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ بچوں کو دائیں طرف اٹھانے والی ماؤں میں ممتا کی کمی ہوتی ہے۔شہزادی ڈیانا کی وفات کے بعد ٹرنبل نے ڈیانا کے عوامی مقام کا مطالعہ کرنے پر بتایا کہ ڈیانا کا دائیں طرف اٹھانا بڑی اہمیت رکھتا تھا۔انہوں نے کہا کہ شہزادی ایک ایسی عورت تھی جسے بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔مگر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ لاپرواہ یا شفقت نہ کرنے والی ماں تھی۔شہزادی کی بچپن کی تصویروں سے دلچسپ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان کی والدہ بھی بچے کو دائیں طرف اٹھانے کے حق میں تھیں۔غالب امکان یہ ہے کہ بچے کو دائیں طرف اٹھانے کو ماں اور بچے کے کمزور تعلقات پر قیاس کرنے کے بجائے یہ سلسلہ موروثی ہو۔

لیڈی ڈیانا کی بہت ساری تصویروں میں اپنے بچوں کو دائیں طرف اٹھائے کیوں دکھایا گیا ہے۔ان کی دلیل ہے کہ دراصل شہزادی فطری طور پر چاہتی تھیں کہ ان کے بچے چست اور ہوشیار ہوں۔کوئی بھی ماں بچے کو کسی ایک طرف اٹھانے کے حق میں نہیں ہوسکتی اور عام صورت حال میں لوگ دائیں طرف اٹھانے کے حق میں بھی ہوسکتے ہیں۔ڈاکٹر روجا کا کہنا ہے کہ بچے دل کی دھڑکن نہیں سن سکتے' یہ آواز ہی ہے جو اہمیت کی حامل ہے۔جب مائیں بچوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ کھیلتا تصویر بنوانا چاہتی ہیں تو بچوں کو دائیں طرف اٹھانے کا رجحان زیادہ دیکھا گیا ہے۔ڈاکٹر روجا نے 3 سے 12 ماہ کے بچوں کی 45 ماؤں پر ایک سروے کیا جس سے پتا چلا کہ ان میں سے صرف 13 مائیں بچے کو دائیں طرف 18 بائیں اور 14 مائیں بچوں کو دونوں طرف سے اٹھاتی ہیں۔روجا کو اس دوران یہ بھی پتا چلا کہ مائیں بچے کو دائیں طرف اٹھاتے وقت اپنی آواز غیر ارادی طور پر بلند کرتی ہیں۔

جڑواں بچوں والی ماؤں کے لیے دائیں بائیں طرف اٹھانے کا سوال ذرا مشکل ہے۔جڑواں بچوں کی ایک ماں نے بچوں کو دائیں یا بائیں طرف اٹھانے کے سوال پر کہا کہ یہ عجیب مسئلہ ہے میں دائیں یا بائیں کے بارے میں نہیں سوچتی اور ایک وقت میں ایک ہی بچے کو دائیں طرف اٹھاتی ہوں۔میری آواز اچھی نہیں اس لیے بچہ اٹھاتے وقت میں آواز نکالتی بھی نہیں۔جب مجھے کچھ سہانے لمحات میسر آتے ہیں تو اس دوران میں بچوں کو ٹیپ ریکارڈر پر گانے سناتی ہوں اور اگر سونے کا وقت ہے تو لوری سناتی ہوں۔

یونیورسٹی آف ویلز کے دماغی نفسیات کے ماہر ڈاکٹر اولیور ٹرنبل جنہوں نے بچوں کو اٹھانے کے مختلف نظریات پر کام کیا ہے۔کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ بچوں کو دائیں طرف اٹھانے والی ماؤں میں ممتا کی کمی ہوتی ہے۔شہزادی ڈیانا کی وفات کے بعد ٹرنبل نے ڈیانا کے عوامی مقام کا مطالعہ کرنے پر بتایا کہ ڈیانا کا دائیں طرف اٹھانا بڑی اہمیت رکھتا تھا۔انہوں نے کہا کہ شہزادی ایک ایسی عورت تھی جسے بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔مگر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ لاپرواہ یا شفقت نہ کرنے والی ماں تھی۔

شہزادی کی بچپن کی تصویروں سے دلچسپ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان کی والدہ بھی بچے کو دائیں طرف اٹھانے کے حق میں تھیں۔غالب امکان یہ ہے کہ بچے کو دائیں طرف اٹھانے کو ماں اور بچے کے کمزور تعلقات پر قیاس کرنے کے بجائے یہ سلسلہ موروثی ہو۔